

فتح انطاکیہ

Price Rs. 2/8/-

Part I

By Sadiq Hussain

Printed April 19

فتح انطاکیہ

تمہید

منظور ہے گذارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

کسی قوم کا جوش و ولولہ اسی وقت باقی رہ سکتا ہے۔ جبکہ اسکے قومی ہیرو اور ان جانباز اور سرفروشوں کے حالات پیش نظر رکھے جائیں۔ جو قوم پر قربان ہوگئے ہیں۔ یا جنھوں نے اپنے خون سے قومی درخت کو سینچا ہے گذشتہ بہادروں کے کارنامے اور ماسبق نسلوں کی سرگذشتیں ہی دلوں میں اُمنگ، طبیعتوں میں جوش اور دماغوں میں روشنی پیدا کرتے ہیں۔

تاریخ پرانی باتیں یاد دلاتی ہے۔ اگلے تذکرے صرف دلچسپی ہی کا باعث نہیں ہوتے بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے مشعل راہ کا کام دیتے ہیں

جس طرح علوم فلسفہ و ریاضی نے اہل اسلام کے زیر سایہ پرورش پائی ہے۔ اسی طرح تاریخ نے بھی مسلمانوں ہی کے ظل عاطفت میں نشوونما حاصل کی ہے۔ عہد اسلام سے پہلی تاریخیں اگر نایاب نہیں و

گیا ضرور ہیں۔ آج جس قدر تاریخی ذخیرہ نظر آتا ہے۔ یہ سب مسلمانوں ہی کے طفیل سے ہے۔ مسلمانوں نے اسے نہایت ہی جانکاہی سے فراہم کر کے عربی زبان میں محفوظ کر دیا تھا۔ مگر امتداد زمانہ نے جہاں مسلمانوں سے دولت و ثروت۔ سلطنت و حکومت اور عظمت و شوکت چھین لی ہیں وہاں تاریخی ذخیرہ بھی ان سے لیکر دوسری قوموں کو دے دیا ہے اگرچہ آج مسلمان اپنے بزرگوں کے کارناموں کو فراموش کر چکے ہیں لیکن تاریخ ان کے حیرت خیز کارناموں سے پر ہیں۔ اسلامی جانبازوں نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں۔ وہ اپنی آپ ہی نظیر ہیں مٹھی بھر مسلمان قیصر و کسریٰ کی عظیم الشان اور پر جلال و شکوہ سلطنتوں سے جا الجھے اور اس قدر تہور و شجاعت سے کام لیا۔ کہ ان دونوں زبردست سلطنتوں کو پارہ پارہ کر دیا۔ دنیا ان کی حیرت و شجاعت کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ غیر قوموں نے بھی ان کی دلیری اور بہادری کا دبی زبان سے اعتراف کیا۔

آج جبکہ مسلمان تاریخ کو بھول گئے ہیں۔ ضرورت ہے۔ کہ ان کے سامنے ان کے قومی جانبازوں کے شاندار اور پرہیبت کارنامے پیش کئے جائیں۔ میں نے اسی خیال کو مدنظر رکھ کر تاریخی افسانوں کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اسی سلسلہ کی بہت سی کڑیاں شائع ہو کر مقبول انام ہو چکی ہیں۔ مثلاً "آستانہ کی حور" "فتح قسطنطنیہ" "فتح یرموک" "بعلبک کا چاند" "دیا سعید و فلپانہ" "فتح یرموک" "اورنگ زیب عالمگیر" کے سب تاریخی فسانے ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی موجودہ ناول "عرب کی حور یا فتح انطاکیہ" ہے۔ یہ فسانہ بھی معرکہ آلارا ہے۔ اس میں قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے تحیر خیز کارنامے ان کا تمدن۔ رومی عیسائیوں کا طرز معاشرت بھلیسے دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ کہ آنکھوں کے سامنے

گذشتہ زمانے کی تصویر کھنچ جاتی ہے۔ اور دلوں میں یہ حسرت پیدا ہوتی ہے۔ کہ ہائے ہم اس زمانے میں کیوں نہ پیدا ہوئے۔

ناول عرب کی حور میں اس مشہور جنگ کا تذکرہ ہے جس نے قیصر روم کی عظیم الشان سلطنت کو الٹ دیا تھا۔ خاندان ہرقلیہ کے عروج کا آفتاب زوال کے گرہن میں آگیا تھا۔ رومیوں (عیسائیوں) کے آخری فرمانروا ہرقل اعظم کی مسلمانوں سے ہولناک جنگ کے لرزہ براندام واقعات نہایت پرکیف طریقہ میں لکھے گئے ہیں۔ یہ ناول جس قدر دلچسپ تاریخی واقعات سے لبریز ہے۔ اسی قدر سبق آموز اور حیرت خیز بھی ہے۔ اس کا مطالعہ ان تمام واقعات کی تصدیق کرا دے گا۔

آخر میں مجھے اپنے پدر بزرگوار حضرت قبلہ منشی محمد جعفر حسین صاحب صدیقی سے اپنی بیحد مشکوری و امتنان ظاہر کرنا ضروری ہے۔ ان کے قیمتی مشورہ سے مجھے اس کتاب کی تصنیف میں بڑی مدد ملی ہے۔ صادق۔ میرے حسب ذیل ناول میاں عبدالمجید صاحب مالک پیسہ اخبار

اس کے علاوہ دوسرے جملہ ناول کارخانہ پیسہ اخبار لاہور سے مل سکتے ہیں

عرب کی حور

یا

فتح انطاکیہ

مصنفہ منشی محمد صادق حسین صاحب صادق صدیقی سردھنوی

پہلا باب

ہوشربا نظارہ

لے گئیں ہوش و خرد کس کی نشیلی آنکھیں
کن سیہ مستوں نے لوٹا ہے خزانہ دل کا

صبح صادق کا وقت تھا۔ اگرچہ ابھی تک بزم فلک بدستور جمی ہوئی تھی۔ چاند درخشاں تھا۔ تارے آسمان پر بکھرے پڑے تھے۔ لیکن اب وہ بات نہ رہی تھی جو اب سے ایک گھنٹہ قبل تھی۔ ستاروں کی آب و تاب ماند پڑنے لگی تھی۔ چاند کی جلوہ گری پھیکی ہو چکی تھی آسمان اپنی محفل کی ایسی ابتری کو دیکھ کر اس لئے مسکرانے لگا تھا۔ کہ جس طرح اس کی محفل چند ہی گھنٹے کے بعد منتشر ہو جاتی ہے۔

اسی طرح بزم عالم بھی چند ہی روز میں درہم برہم ہو جائے گی۔ باغ
عالم میں ہزاروں گل و غنچے پیدا ہو کر فنا ہو گئے۔ جو باقی ہیں۔
یا آئندہ پیدا ہونے والے ہیں۔ وہ بھی ایک روز فنا ہو جائیں گے
یہ کارخانہ عالم ایک دن برباد ہو جائے گا۔ اسی دار فانی کی حیات
چند روزہ ہے۔ لیکن غفلت میں پڑا ہوا۔ انسان یہی سمجھتا ہے۔ کہ وہ
اور یہ دنیا ہمیشہ رہیں گے۔

آسمان مسکرا رہا تھا۔ اس کا تبسم جلوہ ریز ہونے لگا تھا۔ صبح
کی پر نور روشنی پھیلنے لگی تھی۔ نسیم سحری کے خوشگوار جھونکے چلنے لگے
تھے۔ خدا کی مخلوق بیدار ہونے لگی تھی۔ خوش الحان طیور حمد باری تعالیٰ
میں نغمہ خوانی کرنے لگے تھے۔ سماں اس قدر سہانا ہو گیا تھا۔ کہ وہ
منہ بند کلیاں جن کو رات بھر ہوائے سرد کے جھونکے شبنم کے چھینٹے
مار مار کر اس لئے گدگداتے رہتے تھے۔ کہ وہ کسی طرح مسکرا دیں
لیکن انہیں کچھ ایسی ضد ہو گئی تھی۔ کہ نہ ان کا منہ کھلتا تھا۔ نہ وہ مسکراتی
تھیں اس وقت خود بخود ہو کر مسکرانے لگی تھیں۔

گرمیوں کا موسم تھا۔ عرب جیسا گرم ملک تھا۔ یہ وقت وہاں ایسا
نعمت غیر مترقبہ سمجھا جاتا ہے۔ کہ نیچر کے فدائی علی الصباح بیدار
ہو کر قدرت کی دل آویزیوں کی سیر کے لئے آبادی سے نکل کر
ریگستان کی طرف چل پڑتے ہیں۔ اس وقت ریت ٹھنڈا ہو جاتا ہے
لوگ ٹھنڈے ریت پر برہنہ پا چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے صرف
انہیں لطف ہی نہیں آتا۔ بلکہ جس طرح اکثر ہندوستانی سبز سبز گھاس پر صبح کے وقت
ننگے پیر اس لئے چلتے ہیں۔ کہ ان کے دماغ کو طاقت اور بینائی کو
قوت حاصل ہوتی ہے۔ عرب کے باشندے بھی زیادہ تر قوت بینائی
حاصل کرنے کے لئے یہی عمل کرتے ہیں۔

چونکہ عرب گرم ملک ہے۔ وہاں گرمی زیادہ ہوتی ہے۔ دن میں سورج کی تمازت اور لوؤں کی کثرت سے چلنے کی وجہ سے سفر کرنا دشوار ہی نہیں بلکہ غیر ممکن ہے۔ اس لیئے اسی سرزمین میں رات کو سفر کیا جاتا ہے۔ اس ملک کے باشندے رات کو سفر کرنے کے عادی ہیں اور چونکہ عرب ریگستانی ملک ہے۔ وہاں جانوروں کے پاؤں ریت میں دھنس جاتے ہیں۔ اس لئے قدرت نے اس ملک میں اونٹ پیدا کیا ہے۔

اونٹ نہایت حلیم الطبع۔ صابر اور مستقل مزاج جانور ہے وہ ریت کے تودوں کو نہایت آسانی سے عبور کر جاتا ہے۔ یہ ایسا صابر جانور ہے۔ کہ ایک ایک ہفتہ بغیر آب و دانہ کے سفر کرتا رہتا ہے

ہندوستان کی طرح ملک عرب میں یکہ و تنہا سفر کرنا مشکل ہے کیونکہ وہاں تمام دن باد صرصر چل کر ریت کے فلک نما تودوں کو ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ پھینک دیتی ہے۔ اندیشہ رہتا ہے کہ تنہا مسافر ان پہاڑ جیسے تودوں کے پیٹ میں آ کر دب نہ جائے۔ اور اگر حسن اتفاق سے باد صرصر نہ چلی تو آفتاب کی تمازت اور ناقابل برداشت لو تنہا مسافر کو ایک میل بھی نہیں چلنے دیتے۔ کھٹکا رہتا ہے۔ کہ گرمی کا اثر یا پیاس کی شدت مسافر کو نیم مردہ نہ کر دے۔ اور جب کوئی اس کی خبر لینے والا یا اسے تسلی اور دلاسا دینے والا اس کے ہمراہ نہ ہو تو اس کی ہلاکت یقینی ہے۔ رات کو تنہا شخص اس لئے سفر نہیں کر سکتا۔ کہ راستہ بھولنے اور منزل مقصود سے دور جا پڑنے کا احتمال ہوتا ہے۔ ان وجوہات سے اس ملک میں قافلے چلتے ہیں۔ یہ قافلے دن کی بجائے رات کو سفر کرتے ہیں۔

جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس زمانہ میں ملک عرب میں

بہت زیادہ محبت اور اخوت تھی۔ انسانی ہمدردی کا دریا موجزن تھا عربوں کی صدیوں کی دشمنیاں ختم ہو چکی تھیں۔ خانہ جنگی موقوف ہو گئی تھی۔ وہ اس طرح شیر وشکر ہو کر رہنے لگے تھے جیسے وہ ایک ہی شخص کی اولاد ہوں۔

اس وقت بھی ایک بڑا قافلہ رات بھر سفر کر کے مدینہ منورہ کے قریب پہنچا ہے۔ اس قافلہ میں متعدد اونٹ اور گھوڑے ہیں۔ اونٹوں پر محملوں اور شغدفوں میں عورتیں اور بچے سوار ہیں۔ جو سب کے سب پردے اٹھائے صبح صبح کے دلفریب نظارہ میں محو ہیں۔ مرد گھوڑوں پر سوار ہیں۔ جو آلات حرب سے مسلح ہیں سواروں کی چوڑی چوڑی ڈھیلی آستینوں والی لمبی لمبی عبائیں اور سروں پر شاندار عمامے بتا رہے ہیں۔ کہ وہ سب عرب ہیں۔

صبح کے وقت میں قدرت نے کچھ ایسی دلکش رنگینیاں بھر دی ہیں کہ ہر شخص کے دل کی کیفیت جوش و سرور سے جولانیوں پر آجاتی ہے۔ مردہ سے مردہ طبیعت والا انسان بھی مسرور ہو کر زندہ ہو جاتا ہے۔ اور انسان ہی کیا۔ طیور بھی جوش مسرت سے بیخود ہو کر نغمہ خوانی کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ اس قافلہ کے ہمراہ جو لوگ اونٹوں کی مہار پکڑ کر چل رہے تھے۔ اور رات بھر اونٹوں کو باہ باہ کر کے ہانکتے رہے تھے اس وقت سرور میں آکر خوش الحانی سے اشعار گانے لگے تھے۔ چونکہ مدینہ منورہ قریب آگیا تھا۔ سفر قریب الاختتام تھا۔ صبح کا سہانا وقت تھا۔ اس لئے چھوٹے چھوٹے بچے محملوں اور شغدفوں سے اتر اتر کر ٹھنڈی ریت پر دوڑنے لگے تھے۔ اور دوڑ کر ریت کے تودوں پر چڑھ جاتے تھے۔ اور تودوں پر پہنچ کر پھسلنے لگتے تھے۔ اس طرح دوڑنے اور پھسلنے میں انہیں بہت زیادہ لطف آرہا تھا وہ سن

رہے تھے۔ ان کے والدین انہیں دوڑتے اور ہنستے ہوئے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے

اب سپیدۂ صبح نمودار ہو گیا تھا۔ صبح کی نماز کا وقت آ گیا تھا قافلہ سالار جو ایک ضعیف العمر مگر توانا آدمی تھا۔ اس نے قافلہ کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ اگرچہ دیار رسول صلعم (مدینہ منورہ) قریب آ گیا تھا ان لوگوں کی زبردست خواہش مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی تھی۔ لیکن اس خیال سے کہ کہیں نماز میں دیر نہ ہو جائے۔ قافلہ ٹھہر گیا۔ اونٹ بٹھائے گئے۔ لوگ جلد جلد گھوڑوں اور اونٹوں سے اترے چھاگلوں سے پانی لیا۔ اور حوائج ضروریہ سے فارغ ہونے کے لئے ادھر ادھر ریت کے تودوں کے پیچھے چلے گئے۔ مردوں کے جاتے ہی عورتیں بھی محملوں سے نکل آئیں۔ وہ بھی حوائج ضروریہ سے فارغ ہونے کے لئے کسی قدر فاصلہ پر چلی گئیں۔ یہ سب جلد حوائج ضروریہ سے فارغ ہو گئے۔ ایک شخص نے جلد جلد وضو کر کے صاف جگہ کھڑے ہو کر اذان دینی شروع کی۔

صبح کا دلکش وقت تھا۔ اذان دینے والا خوش الحان تھا۔ اس وقت اذان کی آواز نہایت ہی پیاری اور بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ اذان ہوتے ہی لوگوں نے جلد جلد وضو کر کے سنتیں پڑھ کر فرض ادا کرنے کے لئے جماعت کھڑی ہوئی۔ مردوں کے پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے ہاتھ باندھ کر نماز میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ ایک نہایت ہی خوش الحان قاری نماز پڑھا رہا تھا۔ اس کی آواز گونج کر لوگوں کے دلوں میں خدا کی ہیبت کا سکہ بٹھا رہی تھی۔ تمام لوگ صفائی قلب کے ساتھ خاموشی اور سکون سے نماز میں مصروف تھے۔ عورتیں بھی اونٹوں کی دوسری طرف آڑ میں نماز پڑھ رہی تھیں۔ سب خلوص دل سے خدا کی یاد میں مشغول

تھے۔ تھوڑی دیر میں نماز ختم ہوئی۔ ان سب نے نہایت خشوع وخضوع سے دعا مانگی۔ دعا مانگ کر اٹھے۔ قافلہ سالار عورتوں کے قریب گیا۔ چونکہ وہ مسن تھا۔ اور قریب قریب تمام عورتیں اُس کی رشتہ دار تھیں اس لئے کوئی اس سے پردہ نہ کرتی تھی۔ اُس نے ایک لڑکی سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بیٹی عذرا! تمہیں کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہوئی۔؟"

یہ لڑکی جس سے قافلہ سالار مخاطب ہوا نہایت خوبصورت تھی۔ اس کی عمر سولہ یا زیادہ سے زیادہ سترہ سال کی تھی۔ اس کا چہرہ گول گول اور نہایت دلکش تھا۔ رنگ کھلتا ہوا گندمی تھا۔ پیشانی بلند کشادہ اور پر نور تھی۔ سر کے بال سیاہ۔ دراز اور گھونگر یالے تھے۔ آنکھیں بڑی بڑی اور مستانہ تھیں۔ ابرو محراب دار اور پلکیں نوکیلی تھیں۔ رخسارے بھرے بھرے تھے جس میں سرخی کی دل آویز دمک تھی۔ لب باریک تھے لیکن نہ اس قدر باریک جیسا کہ شعرا اپنے اشعار میں گلاب کے پھول کی پتیوں سے مناسبت دیا کرتے ہیں۔ بلکہ نہایت موزوں اور ہلکے گلاب کے پھول کی طرح گلابی تھے۔ گردن صراحی دار اور اس قدر صاف و شفاف تھی۔ کہ بلا مبالغہ دیکھنے والے کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ حسن کا فوارہ ہے۔ جو اس کے پیارے پیارے اور بھولے چہرہ پر حسن کی بارش کر رہا ہے جسم کے باقی تمام اعضا بھرے بھرے اور سڈول تھے۔ سینہ کا ابھار غضب کا تھا۔ قد بوٹا سا تھا جو بہت ہی بھلا معلوم ہوتا تھا۔ ہیئت مجموعی پری جمال دوشیزہ لڑکی نور کی پتلی معلوم ہوتی تھی۔ غیر ممکن تھا کہ کوئی ایک دفعہ اس حور وش کو دیکھے اور دوبارہ دیکھنے کی خواہش نہ کرے لیکن اس کے پر نور چہرہ کو دیکھنا ایسا ہی دشوار تھا جیسا دوپہر کے وقت آفتاب کی طرف دیکھنا۔

اس حور وش لڑکی کا نام عذرا تھا۔ یہ اس قافلہ سالار کی لڑکی

تھی۔ عذرا نے شرم آلودہ نظروں سے اپنے ضعیف العمر باپ کو دیکھکر جواب دیا۔ "قبلہ اعظم! خدا کے فضل اور آپ کی عنایت سے مجھے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی۔ میں بہت زیادہ مسرور ہوں کہ آپ نے میری درخواست منظور کرکے مجھے اپنے ہمراہ لے لیا۔ جب سے مسلمان ملک شام میں گئے ہیں اور وہاں سے واپس آنے والوں نے اس ملک کی دلفریبی اور دلکشی کی داستانیں بیان کی ہیں۔ اس وقت سے میرے دل میں اس ملک کے دیکھنے کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔ خدا کو منظور ہے تو میں اس زرخیز سرسبز و شاداب دنیا کے حصہ کو دیکھوں گی۔ ابا! وہ کیسا دلفریب ملک ہو گا جہاں قدم قدم پر سبزہ ہے۔ ہزاروں ندی نالے اور نہریں بہہ رہی ہیں۔ وہاں ایسی شدید گرمی نہیں ہوتی جیسی ہمارے اس ملک میں ہوتی ہے۔"

عذرا کے پیارے چہرہ پر اس کی بڑھی ہوئی مسرت سے سرخی اور بھی جھلک آئی اس کے رخسارے دمکنے لگے۔ قافلہ سالار اپنی بیٹی کے اس شوق اور ذوق کے ساتھ اس کی مسرت کو دیکھکر مسکرایا۔ اس نے کہا "بیٹی! وہ ملک واقعی نہایت سرسبز و شاداب ہے۔ وہاں کے پہاڑ ہمارے ملک کے پہاڑوں کی طرح جلے ہوئے بے برگ و گیاہ اور اجڑے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ نہایت ہی سبزہ زار ہیں۔ قدرت نے پتھروں پر درخت۔ بیلیں۔ اور خوشبودار اور خوش رنگ پھولوں کے پودے اس کثرت سے پیدا کئے ہیں۔ کہ خدا کی صنعت پر تعجب ہوتا ہے۔ لوگ اسی خطہ کو بہشت کا ٹکڑا کہتے ہیں۔ مگر نور چشمی! جہاں اس ملک میں دلفریبیاں ہیں۔ وہاں ایک مصیبت بھی ہے۔ وہ یہ کہ اس سرزمین میں سردی زیادہ ہے۔ رات کو برف پڑتی ہے۔ عذرا اس وقت اس قدر مسرور تھی کہ جوش مسرت سے

اس کے پیارے چہرہ پر دل آویز رنگت دوڑ گئی تھی اس نے قطع کلام کرتے ہوئے جواب دیا" اوہ ابا! کچھ پرواہ نہیں۔ ہم اپنے ساتھ اس قدر زیادہ لے رہیں گے۔ جس سے ہمیں سردی نقصان نہ پہنچائے"۔
اب قافلہ سالار نے ایک مسن عورت سے مخاطب ہو کر دریافت کیا۔

"لیلیٰ! آج سلمہ کہاں ہے؟"

یہ مسن عورت جسے لیلیٰ کے نام سے مخاطب کیا گیا تھا قافلہ سالار کی بیوی اور عذرا کی والدہ تھی۔ یہ بھی نہایت شکیل تھی۔ جب اس پر شباب کا زمانہ ہوگا تو غضب کی حسین ہوگی۔ باوجودیکہ اس وقت اس کی جوانی ڈھل چکی تھی۔ ضعیفی کے آثار ظاہر ہو چکے تھے۔ لیکن اس کے چہرہ میں ابھی تک دلکشی باقی تھی۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا" سلمہ اس طرف بیٹھی ہے۔ کیا بلاؤں؟"

لیلیٰ نے بغیر جواب کا انتظار کئے ہوئے کسی قدر بلند آواز سے کہا "سلمہ! یہاں آؤ۔ تمھیں تمھارے عم بزرگوار یاد کر رہے ہیں"۔

ایک پری پیکر اور فتنہ روزگار لڑکی اٹھی اور خرام ناز سے چل کر قافلہ سالار کے پاس آئی۔ اس نے ایک ادائے جانانہ کے ساتھ جھک کر قافلہ سالار کو سلام کیا۔ قافلہ سالار نے دعا دے کر کہا" بیٹی سلمہ! آج کیا بات ہے۔ جو تم عذرا سے الگ جا بیٹھیں؟"

سلمہ نے شوخ بھری دردیدہ نظروں سے عذرا کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے قافلہ سالار سے مخاطب ہو کر کہا" یا عم! آج بہن عذرا کچھ مجھ سے ناراض ہیں"۔

قافلہ سالار نے متعجب ہو کر دریافت کیا" ناراض ہے وہ کس لئے؟"

سلمہ نے ایسا بھولا چہرہ بنا کر جس سے اب بھی شوخی ٹپکی پڑتی تھی جواب دیا" مجھے کیا خبر"۔

عورتیں عذرا مسکرا رہی تھی۔ اس کا تبسم برق پاشی کر رہا تھا۔ وہ بھی بصد ناز چل کر اپنے باپ کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی اس نے کہا "میں کیوں ناراض ہوتی۔ ہاں بہن سلمہ مجھ سے ناخوش ہوں تو ہوں۔"

سلمہ نے کہا: "اچھا آج تم نے میرے پاس کھڑی ہو کر نماز کیوں نہیں پڑھی۔؟"

عذرا بساختہ ہنس پڑی۔ ہنسنے سے اس کے گلابی لب کھل کر سفید سفید موتیوں جیسے دانتوں کی لڑی نظر آنے لگی۔ اس کے دانت نہایت خوبصورت۔ سفید چمکدار اور چھوٹے چھوٹے تھے۔ اس وقت اس کے رخسار تاباں بالکل گلابی ہو گئے۔ اس نے اپنے باپ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "دیکھئے یہ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔ بات یہ ہوئی کہ ان کے قریب جگہ نہ تھی میں نے اس طرف آ کر نماز پڑھ لی انہوں نے اسے ناراضی سمجھا۔"

قافلہ سالار نے کہا: "مجھے بھی تعجب ہوا تھا کہ ناراضگی کی کیا وجہ ہوئی۔ اچھا اب تم محمل میں سوار ہو جاؤ۔ دیکھو مدینہ منورہ سے لوگ آنے لگے ہیں۔"

عورتوں نے گھبرائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ انہیں سامنے سے لوگ آتے ہوئے نظر آئے۔ وہ جلد جلد محملوں میں سوار ہو گئیں۔

اس وقت آفتاب طلوع ہو گیا تھا۔ اس کی بنفشی شعاعیں ٹھنڈے اور سفید ریت پر پڑ کر ضو فگن ہو کر آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی تھیں۔ ریت پر رات کی پڑی ہوئی شبنم شعاعوں کی حرارت پا کر خفیف خفیف ابخرات بن بن کر اڑنے لگی تھی۔ اس وقت بہت سے لوگ مدینہ منورہ کی طرف سے آ رہے تھے۔ ان کے ساتھ بچے بھی تھے۔ یہ لوگ محض تفریح کے لئے نہ آئے تھے بلکہ وہ اس قافلہ کے استقبال کے لئے آئے تھے۔

یہ قافلہ یمن سے آیا تھا۔ اس کے آنے کی خبر کئی روز سے مدینہ منورہ میں گشت لگا رہی تھی۔ لوگ علی الصباح روزانہ دور تک اس قافلہ کو دیکھنے کے لئے جاتے اور جب قافلہ کے آثار نظر نہ آتے اور آفتاب میں ناقابل برداشت حرارت آجاتی تو واپس لوٹ جاتے۔

آج بھی یہ لوگ قافلہ کو دیکھنے ہی کے لئے آئے تھے وہ دور سے اس قافلہ کو دیکھکر خوش ہو گئے اور قدم برداشتہ چل کر قافلہ کے قریب پہونچے۔ ان میں سے چند لوگوں نے "السلام علیکم" کی قافلہ سالار نے جواب دیا۔ ان لوگوں نے بڑھ کر گرمجوشی سے مصافحے کئے۔ اس وقت یہ سب لوگ نہایت ہی مسرور اور شاداں نظر آتے تھے۔ ان کی مسرت و شادمانی دیکھ کر خیال ہوتا تھا کہ یہ سب ایک ہی شخص کی اولاد ہیں۔ جو مدت کے بعد ملے ہیں۔

سچ پوچھئے تو ساری دنیا کے انسان ایک ہی بزرگ ہستی حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔ لیکن انسانوں میں اس قدر خود غرضی سرایت کر گئی ہے یا حرص و طمع نے انہیں اس قدر بیچین کر دیا ہے۔ کہ وہ اس بات کو بھول گئے ہیں۔ کہ مشرق کا رہنے والا ہو۔ یا مغرب کا۔ جنوب کا باشندہ ہو۔ یا شمال کا۔ کالے ہوں یا گورے جب آدمؑ کی اولاد ہیں۔ اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ خود غرض لوگوں نے دار فانی ہی کو اپنا وطن سمجھا ہے۔ اور وطن کے نام پر اپنے بھائیوں کی خونریزی شروع کر دیتا ہے کس قدر کم فہمی ہے۔ دنیا کا قیام چند روزہ ہے۔ وطن کیسے ہو سکتا ہے جو وطن فنا ہو جائے اس کو وطن نہیں کہتے۔ اصلی وطن وہ ہے جہاں سے انسان آتا ہے اور دار فانی میں چند روز مہمان رہ کر واپس چلا جاتا ہے۔ لہو و لعب میں پڑے ہوئے انسان اس کو نہیں سمجھتے۔ مگر ایک دن ان کو یہ بات سمجھنی پڑے گی اور جب یہ بات سمجھ میں آجائے گی۔ تو موت کا

خوف جاتا رہے گا۔

مسلمانوں نے اس بات کو سمجھ لیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ دنیا میں مسافرانہ ٹکے ہوئے ہیں۔ یہاں سے ایک نہ ایک روز ضرور اپنے سچے اور اصلی وطن کی طرف جانا ہے۔ اس لئے وہ موت سے نہیں ڈرتے اور موت سے ڈریں کیوں جب زندگی اور موت اپنی اختیاری نہیں نہ آنا اپنے قبضے میں نہ جانا اپنے اختیار میں پھر خوف کیا؟ اور خوف کرنے سے فائدہ کیا؟ جب حکم خداوندی ہوا آئے۔ جب حکم ہوگا چلے جائیں گے۔

لائی حیات آئی قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

اہل مدینہ اور قافلے والے ایک دوسرے سے مل مل کر خوش ہو رہے تھے۔ ان کے چہرے شگفتہ پھولوں کی طرح کھل رہے تھے۔ اس وقت ان پر قدرت کی طرف سے مسرت وشادمانی کی بارش ہو رہی تھی

قافلہ سالار کے پاس اس وقت ایک نوجوان عرب کھڑا تھا اس عربی کا مردانہ حسن قابل دید تھا۔ اس کا چہرہ گول تھا۔ پیشانی بلند اور کشادہ تھی۔ آنکھیں بڑی بڑی اور دلکش تھیں۔ جن میں حلم ومروت کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔ اس کا رنگ گندمی تھا۔ تمام اعضا نہایت مضبوط اور سڈول تھے۔ سینہ کشادہ تھا۔ وہ ابھی سبزہ آغاز تھا۔ اس کی ہر ادا میں ایک شان اور ہر شان میں ایک ادا تھی۔ وہ نظریں جھکائے قافلہ سالار سے باتیں کر رہا تھا۔ قافلہ سالار دریافت کر رہا تھا۔ قیس! تم تو ہمیں بالکل بھول ہی گئے۔ دو چار مہینے تو کیا کہیں دو چار برس میں بھی ملنے نہیں آئے۔"

اس نوجوان کا نام قیس تھا اس نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا۔ "کیا عرض

کردں کچھ ایسی مشکلات میں مبتلا رہا کہ حاضر خدمت نہ ہو سکا۔ کئی مرتبہ ارادہ ہی کیا۔ لیکن خدا کو منظور نہ تھا۔ نہ جا سکا۔

قافلہ سالار۔ کہو خلیفۃ المسلمین سیدنا حضرت عمر فاروقؓ تو اچھی طرح ہیں ؟"

قیس۔ جی ہاں بخیریت ہیں۔ لیکن آج کل متفکر زیادہ رہتے ہیں۔

قافلہ سالار حضرت عمر فاروقؓ کے متفکر رہنے کی خبر سن کر بے چین ہو گیا اس نے جلدی سے دریافت کیا۔ "متفکر رہنے کی وجہ کیا ہے ؟"

قیس۔ آج کل انہیں ملک شام جو اسلامی لشکر جہاد میں مصروف ہے اس کا زیادہ فکر ہے۔ حلب کا قلعہ فتح ہو چکا ہے۔ اب اسلامی لشکر انطاکیہ کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ انطاکیہ ملک شام کا دارالسلطنت ہے۔ ہرقل اعظم دارالسلطنت میں موجود ہے۔ اس نے صلیب دہلال کی جنگ کا پردپاگنڈہ کر کے تمام عیسائی دنیا کو برانگیختہ کر دیا ہے عیسائیوں میں جوش دخروش پیدا ہو گیا ہے۔ ہر طرف سے رومی بادشاہ ہرقل اعظم کی مدد کے لیئے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ انطاکیہ میں عیسائی لشکروں کی آمد زور شور سے جاری ہے۔ لاکھوں عیسائی جمع ہو چکے ہیں۔ اور ابھی تک بدستور ان کی آمد کا سلسلہ جاری ہے۔ اسلامی لشکر ان کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ صرف ۲۰ ہزار مجاہدین ہیں۔ بظاہر یہ مٹھی بھر اسلامی لشکر ٹڈی دل عیسائیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا اگر مسلمانوں نے جودان۔ بصرہ۔ ارکہ۔ تدمیر۔ دمشق۔ بیت المقدس قیساریہ۔ قنسرین۔ حمص۔ بعلبک۔ شیرز۔ اشتن۔ حلب۔ اور اعواض فتح کر لئے ہیں۔ لیکن انطاکیہ کی فتح پر تمام ملک شام کی فتح کا انحصار ہے۔ اسی لئے تمام ملک شام کے عیسائی انطاکیہ کو بچانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اول تو اسلامی لشکر

کم ہے۔ دوسرے زیادہ مجاہدین کے فراہم ہونے کی توقع نہیں۔ ان وجوہات سے حضرت خلیفۃ المسلمین متفکر رہتے ہیں۔

قافلہ سالار۔ واقعی فکر و تشویش کی بات ہے۔ مٹھی بھر مسلمان ٹڈی دل رومیوں (عیسائیوں) کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ اس وقت تک کس قدر لشکر میدان جنگ میں جانے کے لئے فراہم ہو چکا ہے۔

قیس۔ اس وقت تک صرف دو ہزار مجاہدین فراہم ہو سکے ہیں۔

قافلہ سالار۔ یہ لشکر میدان جنگ کی طرف کب روانہ ہوگا؟"

قیس۔ اب تک کبھی کے مجاہدین کوچ کر گئے ہوتے صرف آپ کی آمد کا انتظار تھا۔ جب سے حضرت خلیفۃ المسلمین نے آپ کی تشریف آوری کی خبر سنی تھی۔ نہایت خوش تھے۔ حضور کا ارادہ اس لشکر کو آپ کی قیادت میں روانہ کرنے کا ہے۔

قافلہ سالار نے متعجب ہو کر کہا: "قیس کیا ہوا؟ یہ تمہارے چہرہ کا رنگ کیوں متغیر ہو گیا؟ کیا کہیں درد ہے؟"

اس وقت قیس کے حواس بجا نہ تھے۔ عذرا کی ہوشربا آنکھوں نے اس کے ہوش و حواس سلب کر لئے تھے۔ نہ وہ جواب دینے کے قابل تھا۔ نہ اس نے جواب دیا۔ قافلہ سالار نے پھر دریافت کیا: "قیس! تم یکایک خاموش کیوں ہو گئے؟ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

اب قیس کسی قدر سنبھلا اور بمشکل اپنے حواس درست کر کے جواب دیا۔

"یا عم! اس وقت گرمی زیادہ معلوم ہوئی۔ دفعتہً دماغ ماؤف ہو گیا"

قافلہ سالار۔ مجھ ہی سے غلطی ہوئی۔ بڑی غلطی۔ واقعی اس وقت آفتاب میں ناقابل برداشت تمازت پیدا ہو گئی ہے۔ دھوپ میں اس قدر حدت آگئی ہے۔ کہ کھڑا رہنا دشوار ہو گیا ہے۔ مجھے باتوں میں خیال ہی نہ رہا۔ چلو

مدینۃ الرسول میں چل کر باتیں کریں گے۔

قافلہ سالار نے قافلہ کو کوچ کرنے کا اشارہ کیا۔ قافلہ آہستہ آہستہ روانہ ہوا۔ مدینہ طیبہ سامنے ہی تھا۔ اس کی بلند اور دلفریب عمارتیں نظر آنے لگی تھیں۔ بہت تھوڑا فاصلہ باقی رہ گیا تھا۔ قافلہ والوں کے چہرے مدینہ منورہ کو دیکھ کر جوشِ مسرت میں کھل گئے تھے۔ اُن کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ اس وقت تمام مرد اور بچے پاپیادہ ہی باتیں کرتے ہوئے چل رہے تھے۔ جن لوگوں کے پاس گھوڑے تھے انہوں نے گھوڑوں کی باگیں اپنے ہاتھوں میں ڈال لی تھیں۔ جو شغدفوں میں سوار ہو کر آئے تھے اُنہوں نے اونٹوں کی مہاریں پکڑ لی تھیں۔ بچے زقندیں بھرتے دوڑتے اور ہنستے ہوئے آگے آگے جارہے تھے۔ ابھی دھوپ کی تمازت نے ریت کو تپایا نہ تھا۔ بچے ریت کے ٹیلوں پر دوڑ کر چڑھ جاتے اور اوپر چڑھ کر نیچے کو پھسلتے۔ اور جلدی سے اُٹھ کر پھر بھاگنے لگتے۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ قافلہ مدینہ منورہ[1] میں داخل ہوا۔

---

[1] مدینہ ملک حجاز میں ایک مشہور شہر ہے جب شہر سبا برباد ہوا تو وہاں کے باشندے اسجگہ آئے۔ اور انہوں نے مدینہ کو آباد کیا رفتہ رفتہ اسکی آبادی بڑھتی گئی اور یہ اچھا خاصہ شہر ہو گیا۔ اس شہر کو آباد کرنے والوں کی کتابوں میں مرقوم تھا کہ اس سرزمین سے حضرت محمد صلعم مبعوث ہو کر دین اسلام کی اشاعت کریں گے انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے زمانے میں تمام مذاہب باطل اور منسوخ ہوجائیں گے وہ لوگ حضور کی بعثت کا انتظار کرنے لگے۔ یہانتک کہ کئی پشتیں گذر گئیں۔ مرنے والے اپنی اولاد کو وصیت کرتے کہ جب حضرت محمد صلعم مبعوث ہوں تم فوراً ان پر ایمان لے آنا عوام کو آپ کے مبعوث ہونے کا انتظار تھا آخر وہ دن بھی آگیا جبکہ فاران کی چوٹیوں سے نورِ اسلام جلوہ فگن ہوا آنحضرت محمد صلعم کتاب ہدایت (قرآن شریف) لیکر جلوہ فرما ہوئے ساری دنیا میں حضور کی دھوم ہو گئی مدینہ والوں نے اس خبر کو سنا انہوں نے مکہ معظمہ میں قاصد دریافت حال کیلئے روانہ کئے۔ انہیں معلوم ہوا کہ واقعی حضرت محمد صلعم مبعوث ہو گئے اور حضور کے وعظ و پند سے متاثر ہو کر اہل کہ جوق درجوق مسلمان ہورہے ہیں۔ اسکے ساتھ ہی اسلام کی شعاعیں مدینہ پر بھی اپنا عکس ڈالنے لگیں سبا والوں کی اولاد صرف اسوجہ سے منحرف ہو گئی کہ ان کے خیال میں نبی کو ان کے ہی خاندان میں پیدا ہونا چاہئے تھا لیکن انہیں سے جو مدینہ منورہ میں آباد ہو گئے تھے مسلمان ہو گئے۔ جب حضور ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تو مدینہ والوں نے بہت زیادہ مدارات کی حضور کو وہ جگہ ایسی پسند آئی کہ وہیں رہنا شروع کر دیا۔ اسجگہ آپ کا وصال ہوا اور وہیں آپ کا مزار مبارک ہے۔
(" دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا ")

جس وقت یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا ہے۔ ان کی آمد کی خبر پر لگا کر مدینہ کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک پہنچ گئی۔ لوگ پروانہ وار ان کا استقبال کرنے کے لئے دوڑ پڑے۔ چشم زدن میں انسانوں کا سمندر لہریں لینے لگا۔ اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں سے تمام مدینہ گونج اٹھا۔

یوں تو اہل عرب نہایت متواضع خلیق اور قدر و منزلت کرنے والے واقع ہوئے ہیں۔ وہ اپنے ہر مہمان اور ہر قبیلہ کا پرتپاک خیر مقدم کرتے تھے لیکن اس قافلہ کا اس لئے استقبال کیا گیا۔ کہ یہ مجاہدین کا قافلہ تھا۔ جو جہاد پر روانہ ہونے کے لئے آیا تھا۔ صرف اسی قافلہ پر موقوف نہیں بلکہ جو قافلہ بھی جہاد پر روانہ ہونے کے لئے مدینہ منورہ میں آتا اہل مدینہ اس کا اسی شان و شوکت سے استقبال کرتے

مدینہ کے باشندے ہر طرف سے اُمنڈ آرہے تھے۔ وہ ان دلیروں کی زیارت کرنے آئے تھے۔ جو کسی تحریص۔ ترغیب یا جبر سے نہیں۔ بلکہ اپنی خوشی سے محض خدا اور خدا کے رسول کی خوشنودی کے لئے جہاد پر روانہ ہونے کے لئے آئے تھے۔

لوگ راستوں پر دو رویہ کھڑے ہو گئے تھے۔ بچے کوٹھوں پر کھڑے دیکھ رہے تھے۔ عورتیں غرفوں سے جھانک رہی تھیں۔

قافلہ کے آگے آگے ایک نہایت خوش الحان قاری سورۃ الانفال کی تلاوت کر رہا تھا۔ تمام لوگ سر جھکائے سُن رہے تھے۔ اس سورۃ کو سن سن کر مسلمانوں کے دلوں میں جوش اور طبیعتوں میں امنگ پیدا ہو رہی تھی۔ جب قاری نے پڑھا یایھا الذین امنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار ۵ ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ وماوٰہ جھنم ط وبئس المصیر ط

ترجمہ۔ اے ایمان والو! جب تم کافروں کا میدان جنگ میں مقابلہ کرو تو ان کو

بیٹھ نہ دو۔ اور جو کوئی ان کے مقابلہ سے بھاگے (سوائے اس کے کہ) وہ لڑائی کا ہنر سیکھتا ہو۔ فوج میں ملنا چاہتا ہے۔ جو پھر اس سے اس پر اللہ کا غضب ہوگا۔ اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور کیا بری جگہ ٹھیرا۔"

ان آیتوں کو سنکر مسلمانوں کے دل کانپنے لگے۔

قافلہ آہستہ آہستہ چل کر مسجد نبوی تک پہنچا۔ مسجد کے باہر قافلہ ٹھرا۔ اونٹ اور گھوڑے کھجوروں کے درختوں سے باندھ دیئے گئے۔ مرد اور بچے مسجد کے اندر داخل ہوئے یہ سب لوگ مسجد میں خاموشی اور ادب کے ساتھ اسی طرح داخل ہوئے جیسے وہ کسی شہنشاہ کے دربار میں باریاب ہو رہے ہیں۔

مسجد خدا کا گھر ہے۔ خدا کے گھر کا احترام ہر مسلمان پر فرض ہے۔ شور و غل تو کیا دنیا کی باتیں بھی مسجدوں میں کرنا درست نہیں۔ قرون اولیٰ کے مسلمان مسجدوں کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ لیکن افسوس آج کل کے اکثر مسلمان مسجدوں کو دنگل بنا لیتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات میں تو تو میں میں کرنے لگتے ہیں۔ کبھی کبھی گالی گفتار اور لڑنے جھگڑنے کی بھی نوبت آجاتی ہے۔ کیا اس سے مسجدوں کی بے حرمتی نہیں ہوتی۔ کیا خدا کے گھر کی یہی قدر و منزلت ہونی چاہیئے۔ مسلمان خدا کے گھر کی بے ادبی کریں۔ اور خدا مسلمانوں سے خوش رہے۔ کیا یہ ممکن ہے۔ جو اس زمانے کے مسلمان زبان سے تو مسجدوں کو خدا کا گھر سمجھتے ہیں لیکن دلوں سے نہیں سمجھتے۔ یہ ایمان کی کمزوری ہے۔ کاش وہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی تقلید کریں۔ اور سچے اور پکے مضبوط ایمان کے مسلمان بنجائیں۔

تمام لوگ مسجد کے صحن میں جس کو جہاں جگہ ملی بیٹھ گئے۔ قافلہ والوں نے دو رکعت نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر وہ گنبد خضرا میں داخل ہوئے ان سب

نے قبر شریف کو سلام کیا۔ اور واپس لوٹ کر مسجد کے اندر داخل ہوئے یہاں چند عرب بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک کسی قدر لمبے قد کے جسیم تھے۔ ان کا رنگ گندمی تھا۔ چہرہ نہایت بارعب تھا۔ وہ اس وقت موٹے کپڑے کا جبہ پہنے ہوئے تھے۔ اگرچہ جبہ سفید اور صاف تھا۔ لیکن اس میں متعدد پیوند لگے ہوئے تھے۔ ان کے قریب ایک درّہ رکھا ہوا تھا۔ ان کا نام حضرت عمر فاروق تھا۔ اس وقت یہی خلیفۃ المسلمین تھے ان کا اس قدر رعب و داب تھا کہ کسی کو ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ رستم و سہراب کے زمانہ میں ان کی تلواروں کا وہ خوف نہ ہوگا۔ جو اس وقت اس درّہ فاروقی کا تھا۔ اگرچہ وہ مدینہ طیبہ میں رہتے تھے۔ لیکن فاروقی سطوت و جلال سے قیصر و کسرا کانپتے تھے۔ وہ نہایت دور اندیش۔ اور مدبر اور ذی فہم تھے۔ کفر و شرک کے اس درجہ دشمن تھے کہ بت پرستی کی بیخ کنی کر کے سرزمین عرب سے بالکل نیست و نابود کر دیا تھا۔ اس کفر و شرک کے مٹانے کی وجہ سے آپ کا لقب فاروق اعظم ہوا۔ آپ نہایت منصف مزاج اور عادل تھے۔ عدل و انصاف کا یہ حال تھا۔ کہ ایک یہودیہ کے مقابلہ میں اپنے پارہ دل کو قربان کر دیا تھا۔ ان باتوں کے باوجود آپ رحم دل۔ رقیق القلب اور نرم طبیعت تھے۔ فریادرسوں کی فریاد سنتے۔ غریبوں بے کسوں اور ستم زدوں کی خبر گیری کرتے۔ اگرچہ آپ مسلمانوں کے خلیفہ تھے۔ اور آپ نے حفاظت کے لئے پولیس کا محکمہ بھی قائم کر دیا تھا۔ لیکن خود بھی ساری ساری رات پاسبانی کرتے رہتے تھے۔ مجاہدین کے گھروں پر جاتے ان کے دکھ درد کی خبر لیتے۔ اور ان کی ضروریات کی چیزیں خود بازار سے خرید کر لا دیتے۔

ان کی داہنی طرف ایک اور عرب بیٹھے تھے۔ ان کی داڑھی گھنی اور

سیاہ تھی۔ رنگ گندمی کھلتا ہوا تھا۔ آنکھوں سے حلم و مروت کے آثار ظاہر تھے۔ چہرہ پر نور اور بارعب تھا۔ ان کا نام حضرت عثمانؓ تھا

بائیں طرف بھی ایک عرب بیٹھے تھے۔ یہ کسی قدر پستہ قد تھے ان کا چہرہ روشن تر تھا۔ یہ نہایت ذکی۔ ذی فہم اور خوش طبع تھے ان کے لبوں پر ہر وقت تبسم نمودار رہتا تھا۔ آپ کا علم و فضل مشہور تھا۔ آپ باب علم کہلاتے تھے۔ ان کا نام حضرت علیؓ تھا۔

اور بھی کئی عرب حضرت عمر فاروق کے قریب بیٹھے تھے۔ قافلہ سالار کو دیکھ کر لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ قافلہ سالار نے آگے بڑھکر سلام کیا۔ سلام کے بعد مصافحے ہوئے سب نے باری باری سے مصافحے کئے۔ مصافحے کر کے سب لوگ سر جھکا جھکا کر بیٹھ گئے۔

حضرت عمر نے سب کی خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد کہا۔ عامر! خوب آئے۔ میں کئی روز سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔

حضرت عمر نے مسکرا کر کہا۔ مجھے انتظار کی تکلیف تو نہیں ہوئی۔ البتہ ملک شام کے مجاہدین کی فکر ضرور رہی۔ میں جلد سے جلد انہیں کمک بھیجنا چاہتا تھا۔ لیکن انسان کے لئے کچھ نہیں ہوتا۔ جو خدا کو منظور ہوتا ہے۔ وہی ہوتا ہے۔ کہئے آپ کے ہمراہ کس قدر مجاہدین ہیں؟"

عامر۔ عورتوں اور بچوں کے علاوہ پورے ڈھائی سو ہیں۔

حضرت عمر فاروق خوش ہو گئے۔ ان کا چہرہ شگفتہ ہو گیا۔ انہوں نے کہا۔ آپ نے اتنے قلیل عرصہ میں اس قدر مجاہدین فراہم کر لئے خدا آپ کو نیک اجر دے۔ اس وقت ملک شام کے مجاہدوں کو مدد کی سخت ضرورت ہے۔ اب تک سوا دو ہزار مجاہدین جمع ہو چکے ہیں۔

ڈھائی سو آپ کے ہمراہ ہیں۔ کل ڈھائی ہزار ہو گئے۔ انشاء اللہ یہ لشکر آپ کی قیادت میں روانہ کیا جائے گا۔"

عامر۔ یا امیر المومنین! میں اس قابل نہیں ہوں۔ کہ کسی لشکر کی قیادت کر سکوں۔

حضرت عمرؓ۔ ہر کام خدا کے بھروسہ پر ہوتا ہے۔ جب تک خدا کا فضل شامل حال نہ ہو۔ انسان کچھ نہیں کر سکتا۔ خدا سے استمداد چاہو وہ مدد کرے گا۔ مجلس شوریٰ نے یہ طے کر دیا ہے۔ کہ یہ لشکر آپ ہی کی سرکردگی میں روانہ ہو۔ اب اس میں ترمیم یا تنسیخ نہیں ہو سکتی آپ مجاہدین کے نام لکھکر تو لائے ہونگے؟"

عامر۔ جی ہاں میرے پاس فہرست موجود ہے۔

حضرت عمرؓ۔ لاؤ فہرست مجھے دو۔ میں رجسٹر[1] میں اندراج کرا کر داخل کر دوں گا۔

عامر نے ایک باریک جھلی دار چمڑہ[2] نکالا۔ اس چمڑے پر تمام مجاہدین کے نام معہ ان کی ولدیت اور سکونت کے لکھے ہوئے تھے۔ اس نے یہ فہرست خلیفتہ المسلمین کو دی۔ خلیفۃ المسلمین نے فہرست لے کر دیکھی اور کچھ عرصہ کے بعد کہا۔ اچھا اب آپ جا کر آرام کیجئے۔ آج دو شنبہ ہے جمعہ کے روز لشکر روانہ ہو گا۔ اس عرصہ میں اور جو کچھ تیاری آپ کو کرنی ہو کر لیجئے۔

عامر۔ مجھے کچھ تیاری کرنی نہیں۔ میں بالکل تیار ہو کر آیا ہوں۔

---

[1] جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس زمانہ میں ملک عرب میں فوجی لوگوں کے نام رجسٹر میں درج نہیں ہوا کرتے تھے۔ یہ طریقہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق نے جاری کیا تھا۔ صادق صدیقی سردھنوی
[2] اس وقت تک کاغذ ایجاد نہیں ہوا تھا۔ اس زمانہ میں جملہ خطوط۔ کتابیں صلحنامے سب جھلی دار چمڑے پر لکھی جاتی تھیں۔ (فتوح شام)

اب عامر سلام کر کے اُٹھا۔ اس کے ہمراہی بھی اُٹھے۔ یہ سب
مسجد کے صحن میں آئے ان کو آتے ہوئے دیکھ کر جو لوگ صحن میں
بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے بعض نے
عامر سے دریافت کیا۔ کہ لشکر کی روانگی کب قرار پائی؟ عامر نے کہہ دیا
کہ جمعہ کے روز لشکر روانہ ہو گا۔ سب لوگ خوش ہو گئے۔ اب یہ سب
مسجد نبوی سے نکل کر باہر آئے۔ عامر نے قافلہ کو روانہ ہونے کا
اشارہ کیا۔ قافلہ چل کر مدینہ سے باہر آیا۔ اور جس جگہ مجاہدین فروکش
تھے ان کے قریب ہی اس قافلہ نے بھی قیام کیا۔ جب یہ قافلہ خیمہ زن
ہو گیا۔ تو استقبال کرنے والے لوگ مدینہ میں واپس لوٹ آئے۔ اگرچہ
قیس کا دل وہاں سے آنے کو نہ چاہتا تھا۔ لیکن اب وہاں ٹھہرنے کے
لئے کوئی بہانہ باقی نہ رہا تھا۔ اس لئے با دل ناخواستہ دل پر جبر کر کے
وہ بھی واپس لوٹ گیا۔

دوسرا باب

جلوہ حسن

کیوں جل گیا نہ تاب رخ یار دیکھ کر
حیراں ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر

قیس مدینہ منورہ کا رہنے والا تھا۔ وہ ذی عزت خاندان کا ایک
فرد تھا۔ کسی زمانے میں اس کا خاندان نہایت متمول تھا۔ اس کا باپ
تجارت کیا کرتا تھا۔ کچھ دنوں تو اُسے خوب منافع ہوا۔ دولت کے ڈھیر
لگ گئے۔ بڑے تاجروں میں اس کا شمار ہونے لگا۔ بیرونی دنیا اس کے
نام سے بخوبی واقف ہو گئی۔ مگر تجارت میں نفع نقصان، دونوں ہی

ہوتے ہیں۔ کچھ ہی عرصہ بعد خسارہ ہونا شروع ہوگیا۔ تمام پونجی نقصان کی نذر ہوگئی۔ مثل مشہور ہے۔ کہ مصیبت کبھی تنہا نہیں آتی۔ ابھی قیس بچہ ہی تھا کہ اس کے سر سے اس کے شفیق باپ کا سایہ اٹھ گیا وہ یتیم ہوگیا۔ اس کی والدہ نے نہایت عسرت سے اسے اللہ آمین سے پالا۔ جب وہ جوان ہوا۔ تو اس نے بھی از سر نو تجارت شروع کی۔ خدا نے فضل کیا۔ دن پھرے اور ان کی حالت پہلے سے اچھی ہوگئی۔ لیکن ابھی تک وہ اس عروج کو نہ پہنچا تھا۔ جو اس کے باپ کو حاصل تھا۔ پھر بھی ہونہار اور مستقل مزاج تھا۔ نہایت جانفشانی سے کاروبار میں لگا ہوا تھا۔ اس کی کچھ دور کی قرابت عامر کے ساتھ بھی تھی۔

قیس نہایت وجیہہ اور دیدار وجوان تھا وہ دلیر اور شجاع بھی تھا۔ خوش خلق اور بامروت تھا۔ لوگ عام طور پر اس سے محبت کرتے تھے جو ایک دفعہ اس سے گفتگو کرتا اس کا گرویدہ ہوجاتا۔ اس کا ارادہ جہاد پر جانے کا تھا۔ لیکن اپنی والدہ کی تنہائی کی وجہ سے مجبور تھا۔

ایک روز بازار میں وہ اپنی دکان پر بیٹھا تھا۔ اس نے منادی سنی کہ ملک شام کے مجاہدین کو مدد کی سخت ضرورت ہے۔ جو لوگ جہاد پر جانا چاہیں مسجد نبوی میں حاضر ہوکر اپنا نام لکھا دیں۔

قیس اس منادی کو سنکر بے چین ہوگیا۔ اس کی شجاعت وبسالت نے ٹھوکے دے دے کر اسے ابھارا۔ وہ اسی وقت دکان بند کرکے اپنی والدہ کے پاس آیا اور ان سے میدان جنگ میں جانے کی اجازت طلب کی اس کی ضعیف العمر والدہ نے اپنے بیٹے کا منہ چوم لیا۔ اور خوشی سے اسے جہاد پر جانے کی اجازت دے دی۔ اس نے اسی وقت مسجد نبوی میں جاکر اپنا نام لکھا دیا۔ اور دکان کی تمام

چیزیں اونے پونے فروخت کرکے کچھ سرمایہ اپنی والدہ کو دے دیا اور کچھ سے ایک گھوڑا اور سامان حرب خرید لیا۔ اسے اور اس کی والدہ کو معلوم ہو گیا تھا۔ کہ یمن میں عامر بھی جہاد پر جانے کے لئے آنے والا ہے یہ دونوں اس کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ آخر وہ دن بھی آگیا۔ کہ عامر مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ یہ دونوں ماں بیٹے اس کی آمد سے بہت خوش ہوئے۔

قیس کی والدہ عامر کی قیام گاہ پر اس کی بیوی اور بیٹی سے ملنے گئی۔ سب سے پہلے وہ عامر سے ملی۔ عامر نہایت خندہ پیشانی سے ملا محبت والفت اور عشرت سے پیش آیا۔ لیلیٰ نے بھی اس کی بڑی آؤ بھگت کی جب وہ حورو ش عذرا سے ملی۔ تو وہ اُسے دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئی۔ اس کے حسن عالم افروز نے اسے دنگ کر دیا اس نے چھٹپنے میں عذرا کو دیکھا تھا۔ اس وقت وہ شکیل ضرور تھی۔ لیکن نہ رشک قمر جیسی وہ اب تھی۔ عذرا کو دیکھتے ہی قیس کی والدہ کا خیال ہوا اگرچہ وہ جانتی تھی کہ اس کا گھرانا ذی عزت ہے۔ عامر رشتہ دار بھی ہے لیکن وہ غریب تھی اور عامر یمن کا رئیس اسے خیال ہوا کہ عامر اپنی نازپرور دہ حورو ش بیٹی کو قیس کے عقد میں کبھی نہ دے گا۔ اُسے افسوس ہوا سخت افسوس۔ لیکن افسوس اور مایوسی کی حالت میں بھی اس کی یہ تمنا ہوئی۔ کہ کسی طرح قیس عذرا کو ایک نظر دیکھ لے۔ اس بیچاری کو کیا خبر تھی کہ قیس پہلے ہی اس ہوشربا ماہوش کے تیر نظر کا نشانہ بن چکا ہے۔

اگرچہ قیس نے عذرا کو صرف ایک نظر ہی دیکھا تھا۔ لیکن اس ایک ہی نظر نے محبت کا وہ افسوں پھونک دیا تھا۔ کہ قیس کے دل میں اس کی پیاری پیاری صورت نقش ہو گئی تھی۔

قیس کئی مرتبہ عامر کے خیمہ پر اسی خیال سے گیا کہ شاید اس ہوشربا کی

عورت اسے پھر نظر آجائے۔ جس کے ایک ہی نظارہ نے اس کے قافلہ دل کو لوٹ لیا تھا۔ لیکن اس کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ ہر مرتبہ وہ ناکام واپس آیا۔

ایک روز دوپہر سے کچھ قبل قیس عامر کے خیمہ پر پہنچا۔ عامر خیمہ کے سامنے اونٹ کی کھال کے سائبان کے نیچے کمبلوں کے فرش پر بیٹھا تھا عامر نے اپنے قریب قیس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ قیس اس کے قریب اس طرح بیٹھ گیا۔ کہ اس کا منہ خیمہ کی طرف ہو گیا۔

عامر نے کہا۔ "قیس آج چہار شنبہ ہے۔ پرسوں لشکر کوچ کرے گا تم نے تیاری کر لی ہے؟"

قیس نے سر جھکا کر جواب دیا۔ "جی ہاں میں تو عرصہ سے تیار ہوں"

عامر۔ تم نے کمبل کس قدر لئے ہیں؟

قیس۔ تین کمبل لے لئے ہیں۔

عامر۔ صرف تین۔ بالکل ناکافی ہیں۔ تین کمبلوں میں کیا کرلو گے شاید تمہیں معلوم نہیں۔ کہ ملک شام میں اس شدت سے سردی ہوتی ہے۔ کہ تین تین چار چار کمبل تو اوڑھنے ہی کے لئے چاہئیں۔ میرے خیال میں دو کمبل اور لے لو۔

قیس۔ بہتر ہے۔ آج ہی خرید لوں گا یا ملک شام کے کسی شہر سے لے لوں گا۔

عامر۔ ٹھیک ہے۔ یہاں گراں ہیں۔ ملک شام ہی میں لے لینا۔

اس وقت خیمہ کے دروازہ پر پڑے ہوئے پردہ کو حرکت ہوئی قیس نے جو کبھی کبھی خیمہ کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ پردہ کو ہلتے ہوئے دیکھا اسے محسوس ہوا۔ کہ کوئی پردہ سے لگا کھڑا ہے۔ وہ جانتا تھا۔ کہ اس خیمہ کے اندر عامر کی رشتہ دار عورتیں ہیں۔ اس کے دماغ میں بجلی کی

تیزی کے ساتھ یہ خیال گذرا کہ جس حوردش کو وہ پیار کرنے لگا ہے اسوقت وہی پردہ کی آڑ میں کھڑی ہے۔ اس خیال کے آتے ہی جوش و مسرت سے سیلان خون جلد جلد ہونے لگا۔ وہ آرزو بھرے دل کے دل کے ساتھ ٹکٹکی باندھ کر اس طرف دیکھنے لگا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے کسی سیم تن نازک نازک پتلی انگلیوں نے کسی قدر باہر نکل کر پردہ کو ہٹایا۔ قیس ان پتلی پتلی حنائی انگلیوں کو دیکھ کر بیتاب ہوگیا۔ اسے انگلیوں کے پوروں سے حسن کی لو نکلتی ہوئی معلوم ہوئی اس کا دل اس کے سینہ میں دھڑکنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پردہ ہٹا اور حوردش عذرا کی پرنور صورت نظر آ کر ضیا پاشی کرنے لگی۔ قیس اس نور بھری پیاری پیاری موہنی صورت کو دیکھ کر محو ہوگیا۔ لمعاتِ حسن نے اس کے حواس سلب کرنے شروع کر دیئے۔ قریب تھا کہ وہ ہوش و حواس کو خیرباد کہکر فرش پر دراز ہو جائے اور اس کی محبت کا افسانہ طشت از بام ہو کر اس کی اور اسکی آرام جان کی رسوائی کا سبب بن جائے۔ کہ فوراً پردہ ڈال دیا گیا۔ اور نور بھری پتلی پتلی انگلیاں جلدی سے اندر کھینچ لی گئیں۔

قیس جس کی طبیعت بگڑتی چلی جا رہی تھی۔ سنبھلا اس نے زیر لب ایک خفیف سی آہ کی۔ یہ دوسرا موقع تھا۔ کہ اس نے اس غارت گرِ دین و ایمان کی زہد شکن صورت دیکھی جس نے دور دور سے بیچین کر کے اس کی نیند اڑا دی تھی۔

عامر نے بغور قیس کو دیکھا۔ اس نے کہا "بیٹا قیس! یہ کبھی کبھی تمہارے چہرہ کا رنگ پرواز کیوں کر جاتا ہے؟ کیا کچھ تمہاری طبیعت خراب ہے؟"

قیس ابھی تک اپنے حواس میں نہ آیا تھا اس نے زبردستی اپنے حواس قائم کر کے جواب دیا "جی ہاں۔ پرسوں سے کچھ طبیعت بدمزہ ہوگئی ہے۔"

عامر۔ کیا شکایت پیدا ہو گئی ہے؟ کسی طبیب سے مشورہ لیا ہوتا؟
قیس۔ کوئی معقول شکایت ہو تو مشورہ لوں۔ اور مشورہ لوں کس سے۔ جس قدر یہاں کے طبیب واقف ہیں۔ اتنا میں بھی جانتا ہوں۔ میں نے بھی کچھ طب کی کتابیں پڑھی ہیں۔

عامر۔ ہاں بے شک مجھے خیال ہی نہ رہا۔ واقعی تم نے بھی تو طب پڑھی ہے۔ لیکن سُنا ہے۔ طبیب اپنا علاج خود نہیں کر سکتے۔

قیس۔ جی۔ صحیح ہے............

ابھی قیس کا فقرہ ناتمام ہی تھا۔ کہ خیمہ کے اندر پہلے کسی چیز کے گرنے اور پھر ایک ہلکی چیخ کی آواز آئی قیس اور عامر دونوں نے متعجب ہو کر خیمہ کی طرف دیکھا۔ عامر گھبرا کر اٹھا۔ اور جلدی سے خیمہ کے اندر آ گیا۔

خیمہ کسی قدر وسیع تھا۔ اس میں بھی کمبلوں کا فرش ہو رہا تھا۔ خیمہ کے وسط میں حور وش عذرا بیہوش پڑی تھی۔ اس کے چہرہ کا ہلکا گلابی رنگ پرواز کر گیا تھا۔ سفید رنگت ہو گئی تھی۔ اس کی بالیں پر پری جمال سلمہ اور عذرا کی والدہ دونوں بیٹھی تھیں۔ یہ دونوں گھبرا رہی تھیں۔ دونوں کے چہروں پر ہوائیاں چھوٹ رہی تھیں۔ آنکھوں سے غم و فکر کے آثار ظاہر تھے۔ عامر کو دیکھتے ہی لیلےٰ کے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے عامر سے مخاطب ہو کر کہا۔ میری بچی کو کیا ہو گیا ہے؟

اگرچہ عامر مضبوط دل کا آدمی تھا۔ لیکن اس وقت وہ بھی عذرا کی کیفیت دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس نے دریافت کیا۔ "یہ اسے کیا ہوا؟ یہ تو ابھی جب میں باہر گیا ہوں بالکل اچھی تھی"۔

لیلےٰ نے جواب دیا۔ "ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔ بیٹھے بیٹھے اُٹھ کر ٹہلنے لگی ادھر کہیں دروازہ کی طرف چلی گئی۔ وہاں سے واپس آئی تو اس کے

چہرہ کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ پیر ڈگمگا رہے تھے۔ میں یہ کیفیت دیکھتے ہی لپکی اتنے میں اس کے پاس۔ . . . . یہ یہاں آکر دھم سے گری۔ اور گرتے ہی بیہوش ہو گئی۔"

عامر کی لے دے کے ایک ہی لڑکی تھی۔ وہ اسے بہت زیادہ محبت کرتا تھا۔ اسے کمال رنج ہوا۔ فرط رنج وغم سے وہ اس بات کو بھول گیا۔ کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ لیلےٰ نے کہا: ذرا کسی کو بھیج کر کسی طبیب کو بلا لیتے۔

اس بات کو سُنکر عامر چونک پڑا۔ اُس نے کہا: "مجھے خیال ہی نہ رہا باہر قیس موجود ہے۔ اس نے بھی طب پڑھی ہے۔ اسے ہی بلائے لیتا ہوں۔"

لیلیٰ نے جلدی سے کہا "قیس! . . . . ہاں اس کو بلا لو لیکن جلدی کرو۔

عامر۔ میں اسے بلاتا ہوں۔ تم پردہ کا انتظام کرلو۔

لیلیٰ۔ پردہ کیا ہوتا۔ قیس کوئی غیر تھوڑا ہی ہے۔ اپنا ہی خون ہے۔ بلا بھی لو۔

عامر نے "اچھا" کہا۔ اور دو قدم دروازہ کی طرف بڑھکر دروازہ پر پڑا ہوا پردہ اُٹھایا اور آواز دی "بیٹا قیس! ذرا یہاں آنا"

قیس اس وقت سخت مضطرب تھا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ خیمہ کے اندر کیا واقعہ پیش آیا۔ جب عامر نے اُسے آواز دی۔ تو وہ اُٹھ کر اسکے قریب آیا۔ اور کہا "کہئے کیا ارشاد ہے؟"

عامر۔ بیٹا! اس وقت بیٹی عذرا کی طبیعت کچھ بد مزہ ہو گئی ہے ذرا دیکھو تو کیا ہوا؟"

قیس عامر کے پیچھے خیمہ میں داخل ہوا۔ اس نے لیلےٰ کو اور لیلےٰ

نے اُسے دیکھا۔ قیس نے نہایت ادب سے جھک کر لیلےٰ کو سلام کیا لیلےٰ نے دعا دے کر کہا "بیٹا قیس! دیکھنا عذرا کو کیا ہو گیا ہے؟"

اب پہلے قیس کی نظر سلمہ پر پڑی۔ سلمہ شرمائی ہوئی بیٹھی تھی۔ سلمہ کے بعد اس نے عذرا کو دیکھا۔ اگرچہ ابھی تک عذرا بیہوش تھی اس کے چہرہ کا رنگ سپید ہو گیا تھا۔ مگر دلکشی اور رعنائی اب بھی ایسی تھی۔ کہ دل والوں کے دل مسحور کئے بغیر نہ رہتی۔ قیس اسی غارت گر ہوش و حواس کو اس حالت میں دیکھ کر سخت مضطرب ہوا۔ لیکن اس نے اپنے حواس زائل نہیں ہونے دیئے۔ وہ طبیعت پر جبر کر کے سنبھلا رہا۔

عامر۔ سلمہ اور لیلےٰ قیس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ قیس نے انہیں اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا۔ وہ نہایت استقلال سے ایسے انداز سے جیسے اُسے عذرا سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے۔ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اور اس کا نرم و گداز ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر نبض دیکھنے لگا۔

محبت کی نیرنگیاں بھی عجیب ہیں قیس کو یہ بالکل امید نہ تھی۔ کہ وہ جس کو پیار کرنے لگا ہے۔ اس کی صورت اُسے دوبارہ دیکھنی نصیب ہو گی۔ لیکن اس نے دوبارہ اسے دیکھا ہی نہیں۔ بلکہ اس وقت اس کے قریب بیٹھا اس کی نبض دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل تو یہی چاہتا تھا۔ کہ وہ ساری عمر اسی طرح بیٹھا اس کی نبض کو دیکھتا رہے۔ لیکن یہ ممکن نہ تھا۔ ساری عمر تو درکنار دو گھنٹے بھی اس طرح نہ بیٹھ سکتا تھا۔ عامر لیلیٰ اور سلمہ کی مضطرب نگاہیں اس کی طرف لگ رہی تھیں۔ جب نبض دیکھتے دیکھتے زیادہ عرصہ گزرا تو لیلےٰ سے ضبط نہ ہو سکا

اس نے دریافت کیا، بیٹا قیس! کچھ معلوم ہوا۔ یہ اسے بیٹھے بٹھائے کیا ہوگیا؟
قیس جو اس وقت کسی قدر از خود رفتگی کی حالت میں تھا چونکا۔ اس نے کہا، "گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ابخرات دماغ کو چڑھ گئے ہیں۔ تھوڑا سا پانی لے لو۔"

سلمہ فوراً ایک ادائے جانانہ کے ساتھ اٹھی۔ وہ ایک آبخورہ میں پانی لے کر آئی۔ قیس نے آبخورہ اپنے ہاتھ میں لے کر حور وش عذرا کے پر نور چہرہ پر پانی کے چھینٹے دینے شروع کئے تین چار مرتبہ ہی کے عمل نے اپنا اثر دکھایا۔ عذرا نے اپنی نرگسی آنکھیں کھول دیں۔ اس نے نیم باز آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھا ممتا کی ماری ماں نے اس کی منور پیشانی چوم کر کہا، "عذرا سنبھلو۔ تم نے تو ہم سب کو پریشان کر دیا۔"

قیس نے کہا۔ ذرا ٹھہریئے انہیں ہوش آچلا ہے۔ ابھی ان سے باتیں نہ کیجئے باتیں کرنے سے دماغ پر زور پڑے گا۔ اندیشہ ہے کہیں پھر طبیعت بد مزہ نہ ہو جائے۔

لیلیٰ خاموش ہو گئی۔ قیس نے پھر نبض دیکھی۔ اب نبض ٹھیک چل رہی تھی۔ اس وقت عذرا کو اچھی طرح ہوش آگیا تھا۔ وہ بیٹھی بیٹھی حیا بھری نظروں سے قیس کو دیکھ رہی تھی۔ قیس بھی محبت بھری نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ یہ حیرت تھی۔ کہ اس وقت عامر۔ لیلےٰ اور سلمہ سب گھبرائے ہوئے تھے۔ گھبراہٹ فکر اور انتشار کی وجہ سے وہ ان محبت خیز نگاہوں کو نہ سمجھ سکے۔ ورنہ رسوائی کا آغاز ہو جاتا۔ اور پھر شاید عمر بھر عذرا قیس کو اور قیس عذرا کو نہ دیکھ سکتے۔

اب تک تو لیلےٰ قیس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے خاموش رہی لیکن اب اُس سے خاموش نہ رہا گیا۔ اُس نے کہا، "بیٹی عذرا! اب کیسی طبیعت ہے؟"

عذرا نے ہوش میں آتے ہی قیس کو دیکھا تھا۔ وہ اس کے دیکھنے میں کچھ ایسی محو ہوئی کہ اس نے سوائے اس کے اور کسی کو دیکھا ہی نہیں لیکن جب اس کی والدہ نے اس کی خیریت دریافت کی۔ تو وہ سنبھلی۔ شرم و خوف سے اس کا دل دھڑکنے لگا اور آنکھیں جھپکنے لگیں۔ اس نے جلدی سے کہا: "اچھی ہے"

اب وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اور اپنے سر سے ڈھلک آنے والے دوپٹہ کو ٹھیک کر کے اوڑھا۔ لیلےٰ نے کہا: "اللہ تیرا شکر ہے۔ ہزار ہزار شکر ہے۔

عامر نے قیس سے مخاطب ہو کر دریافت کیا: "بیٹا قیس! یہ اخراجات پیدا کیوں ہوتے ہیں۔

قیس نے جواب دیا: "جی اکثر تو اخراجات ناقابل برداشت گرمی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ پہلے قبض کی شکایت ہوتی ہے۔ قبض سے کوئی مرض آپڑتا ہے۔ اور اس سے اخراجات دماغ کو چڑھ جاتے ہیں۔ اور شاذ و نادر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسی کوئی چیز دیکھ لی جاتی ہے۔ جس کے اچھا یا برا ہونے کا دماغ پر اثر پڑتا ہے۔ دماغ سے دل متاثر ہوتا ہے۔ اس سے اخراجات پیدا ہوتے ہیں اور پہلے دل پھر دماغ پر چھا جاتے ہیں لیکن (انہیں) عذرا کو) گرمی کا اثر تھا۔ آپ دیکھتے ہیں۔ کہ کس قدر گرمی ہو رہی ہے۔ آج ہوا بالکل بند ہے۔ سورج میں اس قدر حدت ہے۔ کہ الہٰی توبہ۔ اگرچہ آپ کا یہ خیمہ نہایت بلند اور کافی وسیع ہے۔ لیکن آفتاب نے اسے اس قدر تپا دیا ہے۔ جیسے لوہے کی چادر کا سائبان تپنے لگتا ہے۔

عامر نے کہا: "تم سچ کہتے ہو واقعی اس درجہ گرمی ہو رہی ہے کہ

جب مجھ سے خیمہ کے اندر نہ بیٹھا گیا۔ تو میں باہر سائبان کے نیچے جا بیٹھا لیکن یہ عورتیں عقل سے تو کام نہیں لینا جانتیں۔ میں نے جیسا اس طرف سائبان کھڑا کرایا ہے۔ ایسا ہی دوسری طرف بھی کرا دیا ہے۔ پردہ کے لئے قنات لگوا دی ہے۔ وہاں اچھی خاصی ہوا آتی ہے لیکن یہ عورتیں جب بیٹھیں گی خیمہ کے اندر۔ یہ نہیں کہ ادھر سائبان کے نیچے جا بیٹھیں وہیں ہوا آتی رہے۔ طبیعت خوش رہے۔

قیس نے متبسم ہو کر کہا: "جی آپ نے تو انتظام ٹھیک کر دیا۔ لیکن اس کو کیا کہئے کہ قدرت نے ہوا ہی بند کر دی جیسا یہ خیمہ تپ رہا ہے ایسے ہی سائبان تپ رہے ہیں۔"

قیس نے یہ فقرہ اس لئے کہا تھا کہ کسی طرح ماہ پیکر عذرا ہنس دے۔ اس کا منشا پورا ہو گیا۔ اس کا یہ فقرہ سنکر سب مسکرانے لگے۔ جورد عذرا کے لبوں پر بھی تبسم نمودار ہوا۔ اس کے حیات بخش لب مسکرانے سے برق پاشی کرنے لگے۔ قیس کے دل نے ہٹو کے دے دے کر اسے مجبور کرنا شروع کیا۔ کہ وہ ان لبوں کو چوم لے جن میں اس وقت دو متضاد باتیں جانستانی اور حیات بخشی کی پیدا ہو گئی تھیں۔ لیکن یہ کسی طرح ممکن نہ تھا وہ اپنے دل پر صبر کر کے خاموش ہو گیا۔

عامر نے کہا۔ گرمی اس قدر بڑھ رہی ہے۔ کہ خدا کی پناہ۔ اگر درختوں کے سایہ میں خیمہ ہوتا۔ تو کچھ ان ملتا۔ کھجوروں کے چھاندے آفتاب کی تمازت کو روک دیتے۔ مجھ سے پہلے آنے والوں میں سے اکثروں کے خیمے درختوں کے سایہ میں ہی ان کے خیمے ٹھنڈے رہتے ہیں۔ خیر دو تین روز کی اور تکلیف ہے۔ پھر تو روانگی ہو جائے گی۔"

قیس نے کہا: "لیکن دو تین روز کی گرمی کیا کچھ نہیں کر سکتی۔ آج ہی دیکھئے۔ دم کے دم میں عذرا ...... کی طبیعت خراب ہو گئی۔

جس وقت قیس نے عذرا کا نام لیا اُس حور وش کو دیکھا۔ عذرا کی نگاہیں بھی قیس کی طرف اُٹھ گئیں۔ جادو بھرا تھا۔ اس کی آنکھیں مئے ہوشربا سے اس قدر لبریز تھیں، کہ دیکھنے والوں کو مست و بیخود کئے دیتی تھیں۔ قیس پر بھی ایک گونہ بیخودی طاری ہو گئی تھی۔ لیکن عامر کی گفتگو نے اُسے چونکا دیا۔ عامر کہہ رہا تھا۔ لیکن اب کیا انتظام ہو سکتا ہے جو کوئی سایہ کی جگہ تو مل نہیں سکتی"

قیس نے فوراً جواب دیا۔ کیوں مل کیوں نہیں سکتی۔ غریب خانہ ہی موجود ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں، کہ وہ جگہ آپ کے رہنے کے قابل نہیں۔ لیکن اسی تکلیف کو مدنظر رکھتے ہوئے جو آپ کو دن بھر اس خیمہ میں ہوتی ہے۔ وہ کچھ برا بھی نہیں۔

عامر۔ بیٹا! ہمارے وہاں جانے سے تمہیں اور تمہاری والدہ کو تکلیف ہوگی۔

اب بات کے روز کی.........

لیلیٰ نے قطع کلام کر کے کہا۔ نہیں صاحب قیس کو یا اس کی والدہ کو کیا تکلیف ہوتی۔ دیکھو یہاں تو میری بچی کا کیسا منھ نکل آیا۔ یہاں رہنے میں ہمیں سخت تکلیف ہے۔ بیٹا قیس! تم جا کر انتظام کرو۔ ہم جمعہ تک تمہارے ہی گھر میں رہیں گے۔

قیس تو خدا سے یہی چاہتا تھا۔ وہ خوش ہو گیا۔ مسرت کے آثار اس کے چہرہ سے ظاہر ہونے لگے۔ اس نے کہا۔ انتظام ہی کیا کرنا ہے۔ جب چلنے کا ارادہ ہی ہے۔ تو بسم اللہ کیجئے۔ ابھی چلیئے۔

لیلیٰ۔ اچھا تو ابھی چلو۔ عامر سے! آپ غلاموں سے کہئے محمل اونٹوں پر کس دیں۔

عامر۔ اچھا۔ میں غلاموں کو ہدایت کرتا ہوں۔ اس عرصہ میں تم سامان صندوقوں میں بند کر دو۔ عذرا سے کچھ کام نہ لینا۔ بیچی سلمہ تمہیں مدد دے گی۔

لیلیٰ۔ آپ جا کر محلوں کا انتظام کیجئے۔ میں اور سلمہ سامان بند کرتے ہیں۔ بیٹا قیس! تم عذرا کے پاس بیٹھے رہنا۔

اب عامر تو باہر چلا گیا۔ لیلےٰ اور سلمہ خیمہ کے دوسری طرف سامان بند کرنے میں مصروف ہو گئیں۔ خیمہ میں صرف قیس اور عذرا ہی رہ گئے۔

اس وقت قیس اور عذرا آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ تنہائی کا موقع تھا۔ قیس کی قسمت سے اسے ایسا موقعہ ملا تھا۔ اس نے جوش عذرا سے گفتگو کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس کے بڑھتے ہوئے رعب حسن نے اُسے بولنے کی اجازت نہ دی۔ جب وقت کچھ کہنے کا قصد کرتا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگتا۔ لبوں پر خشکی آجاتی۔ اور آواز منہ کی منہ ہی میں رہ جاتی۔

قیس نہایت دلیر۔ قوی القلب اور اچھا مقرر تھا۔ اس کا دل آج سے پہلے کسی وجہ سے بھی نہیں دھڑکا تھا۔ آج تک اس پر کسی کا رعب غالب نہیں آیا تھا۔ جس کسی سے وہ گفتگو کرنے جاتا وہ کیسا ہی معزز کیسا ہی عالم اور کیسا ہی ذی عزت و ذی مرتبہ ہوتا۔ وہ بے ساختہ اس پر اپنا مافی الضمیر ظاہر کر دیتا۔ کبھی نہ ہچکچاتا۔ لیکن آج سترہ سالہ لڑکی کے سامنے اس کی زبان نہیں کھلتی تھی۔ اسے اپنی اس حالت پر سخت تعجب تھا۔

وقت گذر رہا تھا۔ قیس کو یہ بھی دھڑکا لگا ہوا تھا۔ کہ اگر وہ اسی طرح اور تھوڑی دیر خاموش بیٹھا رہا تو پھر کوئی نہ کوئی آجائے گا۔

یہ نادر موقع جو آج اس کی قسمت سے اسے ملا ہے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ اس لئے اس نے دل کڑا کر کے دھڑکتے ہوئے دل سے گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا۔

"عذرا..........."

عذرا نے خوبصورت ہرنی کی طرح اپنی مستانہ وار بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ قیس ان ہوشربا نگاہوں کے دیکھنے کی تاب نہ لا سکا اس کے بدن پر اس طرح لرزہ طاری ہو گیا جیسے کوئی ملزم جج کے سامنے اپنی موت کا حکم سنکر کانپنے لگتا ہے وہ خاموش ہو کر اس کی چاند سی صورت تکنے لگا۔

حور وش عذرا نے کچھ دیر تو انتظار کیا۔ لیکن جب عرصہ ہو گیا۔ اور قیس خاموش ہی رہا۔ تو اس نے مسکرا کر کہا۔ فرمائیے کیا ارشاد ہے؟"

کسی ہوشمند کے لئے سلسلہ جنبانی کرنے کے واسطے اس قدر اشارہ کافی تھا لیکن جس دل و دماغ میں عشق و محبت کا گذر ہو جاتا ہے۔ وہاں عقل اور دانشمندی کوچ کر جاتے ہیں۔ چنانچہ اس قدر اشارہ پر بھی قیس کچھ نہ کہہ سکا۔ خاموش بیٹھا اس حور تمثال کو تکتا ہی رہا۔ عذرا نے پھر کہا۔ "کہئے نا آپ کیا کہنا چاہتے تھے"۔

اب قیس کسی قدر سنبھلا اس نے کہا۔ اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

عذرا نے خفیف سے جاں بخش تبسم کے ساتھ جواب دیا۔ خدا کی مہربانی ور آپ کی عنایت سے اب اچھی ہے۔

چونکہ سلسلہ کلام شروع ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ رکاوٹ جو قیس کو بتک خاموش کئے ہوئے تھی دور ہو گئی۔ قیس نے جواب دیا میری نایت ہے۔ میں نے کیا عنایت کی؟"

عذرا نے مسکرا کر شرم افزا لہجہ میں جواب دیا" آپ تشریف لائے

میرا علاج کیا۔ میں اچھی ہو گئی۔ یہ عنایت نہیں تو کیا ہے؟"

قیس نے کہا "آپ اسے عنایت سمجھتی ہیں۔ یہ تو میرا فرض تھا۔ میں نے اپنا فرض ادا کیا۔ بات تو جب تھی۔ جب میں آپ کے صحتیاب ہونے میں اپنی جان تک......"

قیس یکایک خاموش ہو گیا۔ اسے خیال ہوا۔ کہ کہیں نازک مزاج عذرا کو اس کی گستاخانہ گفتگو ناگوار نہ گذرے۔

اگرچہ عذرا اسی ناتمام فقرہ کو سن کر شرما گئی۔ اس کی بڑی بڑی حیا پرور آنکھیں جھک گئیں۔ لیکن خدا جانے اس کے ننھے سے دل میں کیا سمائی۔ کہ اس نے شرمیلی نظروں سے قیس کو دیکھکر کہا۔ "ہاں ہاں کہئیے آپ کیا کہنا چاہتے تھے۔ خاموش کیوں ہو گئے۔" عذرا کے شرمانے کی اور بھی داستان تھی۔ قیس کے چوٹ کھائے ہوئے دل پر اس کی اس ادا کا گہرا اثر ہوا۔ اس نے لمبا ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

"عذرا......... جو کچھ میرے دل میں ہے۔ میں کہتے ہوئے ڈرتا ہوں۔"

عذرا نے بھولی سی صورت بنا کر دریافت کیا "کیوں ڈر کی کیا بات ہے؟"

قیس اس کی ادائے دلفریب کو دیکھکر تڑپ گیا۔ اس کا دل اس قدر ازخود رفتہ ہوا۔ کہ قریب تھا۔ وہ عذرا کے گلگونہ عارض کا ایک بوسہ تو لے ہی لے۔ لیکن خیریت گذری۔ کہ عقل نے رہنمائی کی۔ اور وہ سنبھل گیا۔

عذرا ابھی تک اسی ادائے جانانہ سے بھولے پن کے ساتھ اُسے دیکھ رہی تھی اور جواب کا انتظار کر رہی تھی۔ قیس نے بڑی مشکل سے دل کو قابو میں کر کے کہا "مجھے خوف ہے۔ کہ آپ ناخوش ہو جائیں گی۔"

دفعتہً عذرا کی حالت میں تغیر واقع ہوا۔ یا تو وہ بھولی صورت بنائے ہوئے تھی یا اس کے پیارے پیارے چہرہ سے شوخی کا اظہار ہونے لگا۔ اس نے مسکرا کر کہا: اچھا صاحب نہ کہئے میں سمجھ گئی۔ ذرا امی جان کو آ جانے دیجئے۔

قیس سخت متحیر ہوا۔ اس نے دریافت کیا۔ آپ کیا سمجھ گئیں؟" میں بھی تو سنوں۔"

عذرا نے مسکرا کر کہا" میں ان سے کہوں گی۔ کہ تم ہمیں اپنے گھر لیجانا نہیں چاہتے ہو۔ وہاں نہ جاؤ۔

اتنا سنتے ہی قیس کی تو روح نکل گئی۔ وہ بہت گھبرایا اس نے عاجزی سے کہا" خدا کے لئے ایسا غضب نہ کرنا"

عذرا شوخی سے مسکرائی۔ اس نے کہا۔ نہیں صاحب جب آپ کو اپنے مکان پر ہمیں سب کو لیجانا بار معلوم ہوتا ہے۔ تو ہم کیوں جائیں۔

بیچارہ قیس ہکا بکا ہو رہا تھا۔ اس وقت وہ پریشان معلوم ہونے لگا تھا۔ اس نے سرکا سا منہ بنا کر کہا" عذرا میں نے یہ کب کہا تھا......"

عذرا نے قطع کلام کر کے کہا" جی چبا چبا کر باتیں کرنے سے آپ کا یہی مطلب تھا۔

قیس نے جلدی سے جواب دیا" خدا کی قسم میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں کہنے والا تھا۔ آپ نے کیا سمجھا۔ میں یہ کہتا تھا......"

عذرا مسکرا رہی تھی۔ اس وقت اس کی سر ادا سے شوخی ٹپک رہی تھی۔ اس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا" جی بس معاف کیجئے۔ جب میں نے آپ کے دل کی بات بتا دی تو اب غلط تاویل کرنے کے لئے کوئی بات گھڑ لی ہوگی۔

قیس۔ نہیں نہیں۔ خدا کی قسم میں وہی کہوں گا۔ جو کہنا چاہتا تھا۔

عذرا۔ نہیں صاحب اب آپ کچھ نہ کہئے۔

قیس نے انتہائے عاجزی سے کہا: "آہ......... اس قدر بیرخی اچھی نہیں۔ اس درجہ سنگدل نہ ہو۔ عذرا...... مجھے خوف تھا۔ کہ جو کچھ میرے دل میں ہے۔ اگر میں صاف صاف بیان کروں تو کہیں آپ خفا نہ ہو جائیں۔ لیکن اب جبکہ آپ نے میرا مافی الضمیر غلط سمجھا ہے۔ میں غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے وہی بات عرض کرتا ہوں جو میں......"

عذرا نے پھر قطع کلام کر کے کہا: "بس اب آپ سمع خراشی نہ کیجئے اتنی دیر میں تو سیکڑوں باتیں گھڑی جا سکتی ہیں۔ یہ کہتے ہی عذرا ہنس دی۔ ہنسنے سے اس کے گلابی لب کھلکر موتی جیسے چھوٹے چھوٹے دانت نظر آنے لگے۔ اس وقت اس کا چہرہ بہت ہی پیارا معلوم ہونے لگا۔

قیس متحیر بھی تھا اور پریشان بھی۔ اسے کبھی کسی عورت سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ اس لئے وہ جانتا تھا۔ کہ اس وقت کیا وطیرہ اختیار کرے۔ اس نے کہا: "عذرا میری آرزو ہے۔ کہ تم میری صرف دو باتیں سن لو"

عذرا نے مسکرا کر کہا: "جی نہیں۔ تم کہتے ہو۔ میں ایک بات بھی نہیں سنوں گی۔"

اب قیس بھی قدرے آگے کھسک کر بالکل عذرا کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے کہا۔ "آپ کو سننی ہونگی۔"

عذرا نے زیر لب متبسم ہو کر کہا: "نہیں سنتے۔ کیا زبردستی ہے۔"

قیس۔ جی اب زبردستی ہی کرنی پڑے گی۔

عذرا نے تعجب خیز نظروں سے قیس کو دیکھ کر کہا: "زبردستی کرنی پڑیگی کیا زبردستی کرو گے؟"

قیس نے جلدی سے جواب دیا۔ "میں گدگدی کرونگا۔"

عذرا جلدی سے پیچھے کھسک گئی۔ اس نے کہا: "نہ نہ خدا کے لئے

ایسا نہ کرنا۔"

اب قیس کے دل میں جو کچھ خوف یا رعب تھا۔ وہ جاتا رہا تھا۔ اب اس میں بہت کچھ جرات پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے متین سی صورت بنا کر کہا۔ "نہیں جی بس اب تو مجھے گدگدی کرنی ہی پڑے گی۔"

یہ کہتے ہی قیس کھسک کر عذرا کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اور عذرا نے بھولی صورت بنا کر کسی قدر عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ "نہیں نہیں ایسا ہرگز نہ کرنا۔ اچھا تم بات کہو۔ ...... ہاں تمہارے دل میں کیا ہے؟"

قیس۔ میں ابھی بتاتا ہوں۔ لیکن پہلے تمہیں بات سننے پر رضامند تو کر لوں۔

اب قیس نے عذرا کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ عذرا سمٹ کر بیٹھ گئی۔ اس نے جلدی سے کہا۔ "تمہیں خدا کی قسم جو مجھے ہاتھ لگاؤ۔"

عذرا نے یہ فقرہ کچھ اس دلفریب ادا سے ہوشربا لہجہ میں ادا کیا۔ کہ قیس لوٹ ہو گیا۔ وہ محبت بھری نظروں سے اس حور وش کو دیکھنے لگا۔

عذرا سمجھ گئی کہ اس کی قسم کا جادو چل گیا۔ اب وہ نہایت اطمینان سے بیٹھ گئی۔ قیس ایک عرصہ تک اسے محبت یاس نظروں سے دیکھتا رہا کسی قدر وقفہ کے بعد اس نے کہا۔ "عذرا! ...... سنو۔ تم نے میرا صبر و قرار لوٹ لیا۔ مجھے تم سے محبت ہو گئی۔ ......"

عذرا شرما گئی۔ اس کی دلفریب آنکھیں جھک گئیں۔ اس نے حیا پرور نگاہوں سے قیس کو دیکھ کر قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "محبت! ......"

قیس نے جلدی سے جواب دیا۔ "ہاں محبت۔ اور محبت بھی ایسی جو شاید آج تک کسی کو کسی سے نہ ہوئی ہو۔"

عذرا نے شرم افزا لہجہ میں کہا۔ "قیس! ...... کیا تم مجھے بدنام

کرنا چاہتے ہو۔

قیس۔ آپ کی بدنامی سے قبل اپنا خاتمہ کر دوں گا۔

عذرا۔ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ کہ لیلیٰ اور سلمہ خیمہ میں داخل ہوئیں۔ لیلیٰ نے کہا" لیجئے ہم دونوں نے تو سامان بند بھی کر دیا۔ وہ ابھی باہر ہی بیٹھے ہیں"

قیس نے لیلیٰ سے مخاطب ہو کر کہا" میں دیکھوں محمل تیار ہو گئے یا نہیں"

لیلیٰ ہاں بیٹا۔ ذرا تم ہی دیکھ لو۔ ان کی تو عادت ہے۔ جہاں جاتے ہیں وہیں کے ہو رہتے ہیں۔

قیس اٹھنا ہی چاہتا تھا۔ کہ عامر بھی خیمہ میں داخل ہوا۔ اس نے آتے ہی دریافت کیا" کہو سب سامان بند کر دیا"

لیلیٰ:- جی اب تو ہمیں فارغ ہوئے بھی دیر ہوئی۔ کہئے محمل بھی تیار ہوئے؟"

عامر:- تیار ہو گئے۔ کیا سامان اسی وقت رکھا ہے؟"

لیلیٰ:- جی ہاں؟

عامر۔ اچھا تو میں غلاموں سے کہتا ہوں۔ پہلے وہ سامان بار کر دیں

لیلیٰ:- نہیں صاحب پہلے تم ہمیں سوار کرا دو۔ ہم قیس کے ساتھ چلے جائیں گے۔ تم بعد میں سامان لے کر آتے رہنا"

عامر:- اچھا یوں ہی سہی۔ میں پردہ کرا دوں۔

عامر باہر گیا۔ سلمہ۔ لیلیٰ اور عذرا تینوں تیار ہوئیں۔ تھوڑی دیر میں عامر نے واپس آ کر کہا" چلو پردہ ہو گیا"

اب سب خیمہ سے باہر آئے۔ خیمہ کے باہر اونٹ بیٹھے ہوئے تھے۔ جن پر محمل کسے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کو کچھ دور تو جانا تھا ہی نہیں تینوں

عورتیں ایک ہی محمل میں سوار ہوگئیں۔ عامر نے ان کے سوار ہوتے ہی غلام کو آواز دی۔ ایک ۳۵ سالہ عرب آیا۔ اس نے مہار پکڑ کر اونٹ کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ اونٹ اٹھ کھڑا ہوا۔ غلام مہار پکڑ کر چلا۔ قیس اس کے ہمراہ ہوگیا۔ تھوڑی ہی دیر میں عامر بھی تمام سامان اونٹوں پہ بار کرا کر قیس کے مکان کی طرف روانہ ہوا۔

تیسرا باب

مجاہدین کی روانگی

دلدادۂ جہاد ہیں باندھے کمر ہیں ہم
خوش طالعی سے آج بعزم سفر ہیں ہم

عامر اور اس کے اہل و عیال کے آنے سے قیس کے مکان میں خوب چہل پہل ہوگئی۔ قیس کی طبیعت ان لوگوں کے آنے سے باغ باغ ہوگئی۔ اس نے بہت زیادہ ان کی مدارات کرنی شروع کی۔ قیس تو ان کے قدموں کے نیچے اپنی آنکھیں بچھائے دیتا تھا۔ یہاں جو آرام عامر اور اس کے گھر والوں کو ملا۔ وہ خیمہ میں کسی طرح بھی نہ ملتا۔ یہاں آتے ہی عذرا کی طبیعت ٹھیک ہوگئی۔ اس کا چہرہ پہلے سے بھی زیادہ درخشاں اور تاباں ہوگیا۔ اس کی والدہ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر بہت زیادہ خوش ہوئی۔

دوسرے روز شام کے وقت عذرا اور سلمہ مکان کے ایک گوشہ میں کھجور کے درخت کے سایہ میں تنہا باتیں کر رہی تھیں۔ قیس کی والدہ کھانا تیار کرنے میں مصروف تھی۔ لیلے ایک طرف بیٹھی کچھ سی رہی تھی۔ عامر اور قیس دونوں باہر گئے ہوئے تھے۔

عذرا سر جھکائے ہوئے باتیں کر رہی تھی۔ سلمہ نے اُسے غور سے دیکھکر کہا۔ "ہاں تو کل تمہیں دوپہر کے وقت اتفاقیہ غش آگیا تھا"

"بالکل اتفاقیہ" عذرا نے جواب دیا۔

سلمہ نے شوخی سے کہا "عذرا! تم تو ہمیشہ سچ بولا کرتی تھیں۔ اب یہ جھوٹ کس سے سیکھا۔ عذرا نے تعجب خیز نظروں سے سلمہ کو دیکھ کر کہا۔ جھوٹ؟

میں نے کب جھوٹ بولا؟"

سلمہ نے اپنی تیز نظریں عذرا کے پھول سے عارض پر گڑا کر کہا "کیا یہ سچ ہے۔ کہ تمہیں اتفاقیہ غش آگیا تھا؟"

عذرا نے بھولے پن سے سلمہ کو دیکھ کر کہا "اچھا تم ہی بتاؤ پھر کیوں غش آیا؟"

سلمہ نے شرارت آمیز لہجہ میں کہا "میں بتاؤں؟" ......

عذرا۔ ہاں بتاؤ۔

سلمہ۔ دیکھو برا نہ مان جانا۔

عذرا۔ میں کیوں برا مانوں گی۔

سلمہ۔ اچھا پہلے تم ایک بات بتا دو۔ مگر سچ سچ بتانا۔

عذرا۔ کیا؟

سلمہ۔ تم نے غش آنے سے پہلے باہر جھانک کر دیکھا تھا؟

عذرا۔ ہاں دیکھا تھا۔

سلمہ۔ باہر قیس بیٹھا تھا۔

عذرا۔ ہاں بیٹھے تھے۔

سلمہ نے مسکرا کر کہا "بس تو میرا خیال صحیح ہے"

عذرا حیرت سے شوخ و شریر سلمہ کا منہ تکنے لگی۔ سلمہ نے ہنسکر کہا:

تم حیرت سے کیا دیکھ رہی ہو؟ کیا صاف صاف کہہ دوں کہ تمہیں کیوں غش آیا؟"

عذرا نے سادگی کے طور پر کہا: "ہاں کہو بھی۔ تم نے تو مجھے حیرت میں ڈال دیا۔"

سلمہ نے محبت سے عذرا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا: "عذرا! تمہیں قیس کو دیکھ کر غش آیا؟"

یہ بات سنتے ہی افشائے راز کے خوف سے عذرا کا کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ اسے غم و فکر نے گھیر لیا۔ لیکن وہ فوراً سنبھلی اور اس نے مصنوعی غصہ سے کہا: "مجھے ایسی باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔"

سلمہ نے کہا۔ واہ وا بگڑ گئیں۔ اچھا سنو جس روز ہمارا قافلہ مدینۃ الرسول صلعم میں آیا ہے۔ اُس وقت قیس ہمارے محمل کے قریب کھڑا ہوا عموی جان سے باتیں کر رہا تھا۔ گستاخ ہوا نے محمل کا پردہ اُٹھا دیا تھا۔ تم نے قیس کو دیکھ کر کیا اس کی تعریف نہ کی تھی؟

عذرا۔ ہاں کی تھی۔ لیکن اس تعریف سے کیا ہوا؟'

سلمہ۔ ٹھہرو۔ کیا تم نے قیس کو دوبارہ دیکھنے کی آرزو ظاہر نہ کی تھی!

عذرا۔ ہاں یہ بھی سچ ہے۔

سلمہ۔ بس تو سمجھ لو تمہیں قیس سے محبت ہو گئی ہے۔

عذرا ان باتوں کو سُن سُن کر افشائے راز کے خوف سے خوفزدہ ہو رہی تھی۔ عرب میں یہ بات معیوب تھی کہ کسی نوجوان کو کسی لڑکی سے یا کسی لڑکی کو کسی نوجوان سے محبت ہو جائے۔ اس ملک میں محبت کا آغاز ہی بدنامی کا پیش خیمہ تھا۔ کیوں کہ جہاں کسی نوجوان کو کسی لڑکی سے محبت ہو جاتی۔ تو وہ اگر خود شاعر ہوتا۔ تو آپ ہی اور اگر خود شاعر نہ ہوتا۔ تو کسی شاعر سے اس لڑکی کی تعریف میں اشعار کہتا یا لکھوا کر پڑھتا۔ ان اشعار میں لڑکی کا

نام بھی ضرور ہوتا اس طرح بہت جلد دونوں کی تشہیر ہو جاتی۔ دونوں بدنام ہو جاتے اکثر لڑکی والے لڑکے والوں سے انتقام لینے کے لئے جنگ شروع کر دیتے۔ اور اس جنگ کا سلسلہ برسوں جاری رہتا۔ کبھی کبھی یہ عناد کا سلسلہ پشتوں تک قایم رہتا۔ اور جب کبھی موقع ملتا انتقام لیا جاتا۔ ایام جاہلیت میں سینکڑوں واقعات اس قسم کے ہو چکے تھے۔ مسلمان ہونے پر اس قسم کے واقعات میں تدریج کمی واقع ہو گئی تھی چونکہ اسلام میں پردہ کا رواج ہے پردہ کی بدولت عشق و محبت کے واقعات شاذ و نادر ہی ہوتے تھے۔ اگر کوئی واقعہ کبھی سننے میں آ بھی گیا۔ تو خون کی ندیاں نہ بہتی تھیں۔ البتہ رسوائی اور بدنامی کے خیال سے تعلقات کشیدہ ضرور ہو جاتے تھے۔

عذرا کو خوف تھا۔ کہ کہیں اس کی اور قیس کی محبت کا فسانہ طشت از بام نہ ہو جائے۔ جس سے وہ اور قیس ہمیشہ کے لئے جدا کر دیئے جائیں۔ اس لئے اس نے ایسی نظروں سے جن میں برہمی اور غصے کے آثار بھرے ہوئے تھے۔ سلمہ کو دیکھ کر کہا: دیکھو اب کہا سو کہا آئندہ مجھ سے ایسی باتیں نہ کہنا۔

سلمہ خفا نہ ہوئی اس نے مسکرا کر کہا۔ عذرا تم فضول بگڑتی ہو۔ میں پھر کہتی ہوں۔ تمہیں قیس سے محبت ہو گئی ہے۔ سنو! اہل محبت کو ہمیشہ راز دار، ہمدرد اور ہمراز کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ آگے چل کر تمہیں بھی ایک راز دار کی ضرورت ہو گی۔ میں تمہاری راز داری کر سکتی ہوں۔

سلمہ عمر میں عذرا سے تقریباً دو سال بڑی تھی۔ وہ شوخ تھی۔ اور سنجیدہ پختہ کار اور ہوشمند بھی تھی۔ عذرا نے اس کی گفتگو غور سے سنی۔ وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے سلمہ سے کہا

"نہیں! سلمہ!! مجھے تمہاری ضرورت نہ ہوگی خدا نہ کرے، جو مجھے کسی سے محبت ہو۔ میں جانتی ہوں

محبت........"

سلمہ نے قطع کلام کر کے کہا: "بری ہوتی ہے۔ لیکن یہ سمجھتے ہوئے بھی تم محبت کے ناپید کنار سمندر میں غوطہ زن ہو گئی ہو۔ عذرا! محبت اختیاری نہیں۔ تم لاکھ چھپاؤ۔ مگر تمہاری نگاہیں کہہ رہی ہیں۔ کہ تم محبت کے اتھاہ ساگر میں غوطہ کھا چکی ہو۔ تمہیں شرم یا افشائے راز کا خوف محبت کا اقرار نہیں کرنے دیتے۔ لیکن عنقریب اور عنقریب کیا آج ہی تمہیں اقرار کرنا ہوگا۔ کہ تم قیس سے محبت کرتی ہو۔

"زبردستی بھی" عذرا نے سلمہ کو دیکھکر مسکراتے ہوئے کہا۔

"زبردستی نہیں اپنی خوشی سے سلمہ نے کہا۔

عذرا کچھ کہنا چاہتی تھی کہ قیس آ گیا وہ سیدھا ان پری جمال لڑکیوں کی طرف آنے لگا۔ اسے دیکھتے ہی عذرا کے چہرہ پر خون جلد جلد دوڑنے لگا جس سے اس کے گلگونہ عارض ملکے گلابی معلوم ہونے لگے۔ سلمہ نے اس کی یہ کیفیت دیکھی اس نے مسکرا کر کہا عذرا! میں قیس کو منع کئے دیتی ہوں کہ وہ اس طرف نہ آئے۔"

عذرا جو قیس کو محویت کے عالم میں محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی چونک پڑی اس نے جلدی سے کہا نہیں نہیں۔ ایسا غضب نہ کرنا۔

سلمہ شوخی سے مسکرا رہی تھی۔ عذرا نے شوخ و شریر سلمہ کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے دیکھا۔ وہ اس کی شرارت بھری چتونوں کو دیکھ کر شرما گئی۔ اس نے شرم آلود نظروں سے سلمہ کو دیکھ کر کہا: "تم بھی خوب ہو۔ یہ مکان قیس کا ہے اُسے پورا حق ہے۔ وہ چاہے جہاں آئے جائے۔ میں یا تم اُسے منع

کرنے والی کون؟"

شوخ و شریر سلمہ نے کہا " آپ منع نہ کیجیے۔ میں ضرور منع کرتی ہوں یہ مکان اس کا ضرور ہے۔ وہ اپنے مکان میں آسکتا ہے۔ لیکن اُسے ہمارے پاس آنے کا کیا حق ہے " یہ کہتے ہی اس نے آواز سے کہا قیس!

عذرا تڑپ گئی۔ اس نے جلدی سے اپنا نازک ہاتھ غنچہ دہن سلمہ کے منھ پر رکھ کر کہا " کیا کرتی ہو۔ یہ سخت بدتہذیبی ہے "

سلمہ نے جلدی سے عذرا کا نازک ہاتھ الگ کر کے کہا " یا تو تم اقرار کرو کہ تمھیں قیس سے محبت ہے۔ ورنہ میں اُسے روکتی ہوں "

عذرا نے دبی زبان سے کہا "

سلمہ نے جلدی سے کہا " کیا؟"

" محبت " عذرا نے شرما کر جواب دیا۔

شریر سلمہ نے پھر دریافت کیا۔ کس سے "

" جس سے تم کہہ رہی ہو " عذرا نے سر جھکا کر جواب دیا

سلمہ نے کہا " اس کی سند نہیں اس کا نام لو "

عذرا نے حیا پرور نگاہوں سے سلمہ کو دیکھ کر کہا۔ بڑے شرم کی بات ہے

سلمہ نے شرارت آمیز لہجہ میں کہا " شرم ورم کچھ نہیں۔ یا تو اس کا نام لو ورنہ میں روکتی ہوں۔

عذرا نے شرم آمیز لہجہ میں کہا۔ سلمہ! تم بڑی شوخ ہو۔ مجھے قیس سے محبت ہے۔

سلمہ نے دریافت کیا۔

ہاں محبت ہے " عذرا نے کہا اور شرم سے پسینہ پسینہ ہو گئی۔ اس وقت اس کا پیارا چہرہ بہت ہی دلفریب ہو گیا تھا۔

اب قیس قریب آگیا تھا۔ اس نے ان دونوں پریزاد لڑکیوں کے

پاس آکر سلمہ سے دریافت کیا۔" کہئے اب طبیعت کیسی ہے؟"
سلمہ نے شوخی سے مسکرا کر کہا: "حضور اس قدر مدہوش نہ ہوجئے۔ جن کا آپ علاج کر رہے ہیں۔ وہ تو یہ شرم کی گڑیا بنی بیٹھی ہیں۔"
قیس بھی ظریف الطبع تھا۔ اس نے شوخ سلمہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ سلمہ ابھی تو میں تمہیں سے دریافت کر رہا ہوں۔۔۔۔۔"
سلمہ نے ہنسکر کہا۔ مجھ سے۔۔۔۔ زہے قسمت۔ لیکن کوئی بدگمان ہو کر آپ سے خفا نہ ہو جائے۔"
قیس نے مسکرا کر کہا: "آپ فکر نہ کیجیے۔ کوئی بدگمان نہ ہوگا۔ ہاں اگر آپ خود بدگمان ہو کر خفا ہوں تو اور بات ہے۔
سلمہ۔ میں کیوں بدگمان ہونے لگی۔ بدگمان ہونگی۔ تو بہن عذرا۔
عذرا شرم وحیا کی پتلی بنی بیٹھی تھی۔ اس کا نازک سر جھکا ہوا تھا۔ اس نے ایک ادائے جانانہ سے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر اٹھایا اور شرم آلود نظروں سے سلمہ کو دیکھ کر کہا: "یہ تم میرا ذکر کیوں لے دوڑیں۔"
سلمہ۔ اس لئے کہ یہ میرے توسل سے تم سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔
عذرا نے شوخ چشمی سے کہا: "آپ رشک نہ کیجئے۔ وہ تو تم سے ہی گفتگو کر رہی ہے۔
سلمہ شرما گئی۔ قیس نے کہا۔ سلمہ میں اس وقت صرف تم سے گفتگو کرنے آیا ہوں۔"
مجھ سے"، سلمہ نے نیچی نظروں سے دیکھ کر دریافت کیا۔
عذرا نے شوخی سے کہا۔" ہاں تم سے صرف تم سے۔۔۔۔۔ سن رہی ہو فضول رشک کر کرکے اپنے دل کو نہ کڑھاؤ۔
سلمہ نے شرم آلود نظروں سے گھور کر عذرا کو دیکھا۔ اور مسکراتے ہوئے کہا۔ اللہ اللہ آج کس قدر شوخی آگئی ہے۔ عذرا مجھ سے کوئی

گفتگو کرنے کے لئے کیوں آتا...."

ابھی سلمہ کا فقرہ پورا نہیں ہوا تھا۔ کہ حور وش عذرا ہنس پڑی۔ ہنسنے سے اس کے عارض تاباں اور بھی پر نور ہو گئے۔ سفید سفید دانتوں کی موتیوں جیسی لڑی نے چمک کر پیارے پیارے چہرہ پر رونق دوڑ گئی۔ قیس اس رشک قمر کو دیکھ کر تڑپ گیا۔ عذرا نے سلمہ سے مخاطب ہو کر کہا: "ابھی آپ کو یقین ہی نہیں آیا۔ سلمہ! میں تمہیں یقین دلاتی ہوں۔ کہ یہ صرف تم سے ہی گفتگو کرنے کے لئے آئے ہیں۔ فضول شک و شبہ کر کے اپنا دل چھوٹا نہ کرو۔"

سلمہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ کہ لیلےٰ آگئی لیلےٰ نے قیس سے مخاطب ہو کر کہا: "بیٹا قیس تم نے تو سارا دن باہر ہی گذار دیا۔ گھر میں کیوں نہیں آئے تھے؟"

قیس نے نہایت ادب سے سر جھکا کر جواب دیا۔ "میں اسی خیال سے نہیں آیا کہ کہیں میرے گھر میں آنے سے مہمانوں کو تکلیف نہ ہو۔ اب بھی عذرا کو دیکھنے چلا آیا۔"

لیلےٰ: "واہ واہ آپ کے آنے سے ہمیں کیا تکلیف ہوتی۔ عذرا کو آپ نے دیکھا ہے۔ اب کیسی طبیعت معلوم ہوتی ہے۔"

قیس۔ "بفضلہٖ تعالےٰ اب ان کی طبیعت نہایت اچھی ہے۔"

سلمہ نے شوخی کی آنکھوں سے عذرا کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا "چچی جان! عذرا کو ہوا ہی کیا تھا۔ یہ تو انہوں نے بہانہ......"

سلمہ خاموش ہو گئی۔ عذرا نے روح پرور تبسم سے سلمہ کو دیکھ کر کہا: "جی کہئے کہئے خاموش کیوں ہو گئیں؟ ہاں بہانہ.... میں نے بہانہ کیا تھا۔ یہی بات ہے نہ۔"

سلمہ نے ہنس کر کہا۔ "بہانہ تو تھا ہی۔"

قیس نے سلمہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ نہیں سلمہ! بہانہ نہ تھا۔ اس وقت انہیں گرمی نے پریشان کر دیا تھا۔"

شوخ و شریر سلمہ نے مسکرا کر قیس کو معنی خیز نظروں سے دیکھ کر کہا "جی تم تو طرفداری کیا ہی چاہو۔ تم نے حکمت پڑھی ہے۔ عذرا کا علاج کیا ہے اگر تم ہی بہانہ کہدو۔ تو تمہاری حکمت کو بٹہ نہ لگ جائے۔"

سلمہ کی باتیں سن کر لیلے ہنس پڑی۔ اس نے کہا "قیس! تم سلمہ سے باتوں میں نہیں جیت سکتے۔ یہ بڑی شوخ ہے۔ فی البدیہہ جواب دینے میں مشہور ہے۔

اب عامر بھی آگیا۔ وہ سیدھا اسی جگہ چلا آیا۔ اس نے عذرا کو دیکھ کر کہا "خدا کے فضل سے اس وقت تو بیٹی عذرا کی طبیعت اچھی معلوم ہوتی ہے۔

لیلے نے عامر سے مخاطب ہو کر کہا "یہ تم کہاں چلے گئے تھے؟ صبح کے گئے گئے اب آئے ہو۔"

عامر۔ میں مسجد نبوی میں چلا گیا تھا۔ آج کعبۃ اللہ (مکہ معظمہ) سے پچاس مجاہدین آئے ہیں۔

ملک شام سے بھی ایک قاصد آیا ہے۔

قیس۔ کچھ معلوم ہوا۔ یہ قاصد کس لئے آیا ہے؟

عامر۔ ابھی کچھ معلوم نہیں ہوا۔ وہ حضرت ابو عبیدہ ملک شام کے عامل (ہائی کمشنر) کا سربمہر ایک خط لایا ہے۔ خط ابھی کھولا نہیں گیا۔

قیس۔ خدا کی قسم حضرت ابو عبیدہ نہایت پرجوش اور بہادر مسلمان ہیں۔ اگرچہ وہ ضعیف العمر ہیں۔ لیکن تمام ملک شام میں ان کی بہادری کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ غالباً انہوں نے مدد طلب کی ہوگی۔

عامر۔ میں قاصد سے ملا تھا۔ اس نے صاف طور پر تو کچھ بتایا نہیں

مگر اس کی باتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ سالار اعظم نے مدد طلب کی ہے۔

قیس۔ کچھ یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے انطاکیہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ہے۔ یا ابھی نہیں۔

عامر۔ ابھی نہیں کی۔ انہوں نے دربارِ خلافت سے کچھ استفسار کیا ہے جواب پہنچنے پہ پیش قدمی کریں گے۔

اب عصر کا وقت ہو گیا تھا۔ قیس اور عامر نماز پڑھنے کے لئے چلے گئے لیلیٰ سلمہ اور عذرا بھی وضو کر کے نماز پڑھنے لگیں

حضرت ابو عبیدہ ملک شام کے بائی کمشنر تھے۔ وہ نہایت دیندار بزرگ مدبر۔ دور اندیش اور دلیر تھے۔ حضرت رسول خدا صلعم نے انہیں امین الامت کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ تمام مسلمان ان کی عزت و وقعت کرتے تھے انہوں نے ملک شام کا معتدبہ حصہ فتح کر لیا تھا آج ان کے پاس سے قاصد آیا ہے۔ اس قاصد کے آنے کی خبر مدینۃ الرسول میں گھر گھر پہنچ گئی تھی۔ جن لوگوں کے رشتہ دار عزیز یا دوست احباب جہاد پر گئے ہوئے تھے۔ وہ اپنی عزیزوں دوستوں اور رشتہ داروں کی خیر و عافیت دریافت کرنے کے لئے قاصد کے پاس آرہے تھے۔ یہ قاصد ابھی تک مسجد نبوی میں تھا تمام مسجد مسلمانوں سے بھری ہوئی تھی۔ قاصد جن لوگوں کے خطوط لایا تھا۔ انہیں تقسیم کر رہا تھا جن لوگوں کے خطوط نہیں تھے۔ ان کی خیر و عافیت بیان کر رہا تھا۔ مسلمانوں کی آمد و رفت سے خوب چہل پہل ہو رہی تھی۔ رات تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر قاصد کا پیچھا چھوٹا۔ اور وہ اپنے گھر جا کر گھر والوں سے ملا۔

دوسرے روز بھی شام تک لوگوں کی آمد و رفت بدستور جاری رہی یہانتک کہ عشاء کی نماز پڑھ کر قاصد اپنے مکان پر گیا۔ تیسرے روز جمعہ تھا۔ جمعہ کے روز صبح ہی

منادی ہوئی۔ کہ بعد نماز جمعہ مجاہدین اسلام کے حالات بیان کئے جائیں گے
سب لوگ مسجد نبوی میں جمع ہو جائیں۔ اس زمانہ کے مسلمان جمعہ کے روز
بغیر جمعہ کی نماز پڑھے کوئی کام نہ کرتے تھے۔ تمام کاروبار بند رہتے
تھے صبح ہی سے جمعہ کی نماز کی تیاری میں مشغول ہو جاتے تھے۔

منادی کی آواز سنتے ہی لوگ دس ہی بجے سے مسجد نبوی میں جاکر
جمع ہونے لگے۔ بارہ بجے سے پہلے ہی تمام مسجد پر ہو گئی۔ اذان ہوتے
ہی حضرت علی۔ حضرت عثمان۔ حضرت عباس اور دیگر اکابر قوم آئے
اذان کے تھوڑی ہی دیر بعد امیر المومنین۔ خلیفۃ المسلمین۔ حضرت
عمر فاروقؓ تشریف لائے۔ آتے ہی آپ نے سنتیں پڑھ کر جمعہ کا خطبہ
پڑھا۔ اور پھر فرض پڑھائے۔ فرض کے بعد سب نے سنتیں اور نفل پڑھے
جب سب لوگ سنتیں پڑھ کر فارغ ہو گئے۔ تو حضرت عمر فاروق ممبر پر
تشریف لائے۔ مسلمان نہایت ادب وسکون سے مودب بیٹھ گئے۔ آپ نے باواز
بلند فرمایا۔

" حمد کے قابل صرف اسی کی ذات اقدس ہے۔ جو جز و کل کا
مالک ہے۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کی خدائی میں کوئی شریک
نہیں نہ کوئی اس کا مددگار ہے۔ نہ اسے کسی مددگار کی ضرورت
ہے۔ وہ قادر مطلق ہے۔ اس نے ہی تمام چیزوں کو پیدا
کیا ہے۔ کوئی چیز اس وقت سے نہیں ہے۔ جب سے وہ
ہے۔ جس طرح وہ ازل اکیلا اور تنہا تھا۔ اسی طرح ابد میں
بھی تنہا اور اکیلا رہے گا۔ وہ حی قیوم ہے۔ وہی بیکسوں کا

جب محاذ جنگ سے کوئی قاصد مدینہ طیبہ میں آتا۔ تو تمام اسلامی لشکر میں منادی کرادی جاتی
تھی کہ جو کوئی خطوط تحفے یا نقدی بھیجنا چاہے۔ یہ قاصد کے حوالہ کردے جو لوگ منادی کی آواز سنتے
سنتے وہ اپنے عزیزوں کو کچھ نہ کچھ بھیجتے اور جو منادی کی آواز نہ سنتے وہ بیچارے محروم رہجاتے۔

حامی بے وارثوں کا والی اور ستم زدوں کا مددگار ہے اسکی تعریف حدِ امکان سے باہر ہے۔ اسنے یہ دنیا جو تم دیکھتے ہو۔ پیدا کی۔ اور وہ عالم بھی خلق کیا۔ جو دارِ آخرت کہلاتا ہے اسنے ہی انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ اور انسانوں کے فائدہ کے لئے چرند پرند اور دوسری تمام چیزیں پیدا کیں۔ وہی خدا پرستش کے قابل ہے۔ وہ انسانوں پر اسی قدر مہربان ہے۔ کہ جب کبھی انہوں نے گمراہی اختیار کی اور خدا کو چھوڑ کر شجر۔ حجر۔ چاند۔ سورج آگ۔ پانی یا کسی جانور کو پوجنے لگے۔ تو ضلالت و گمراہی دور کرنے اور انسانوں کو راہ راست پر لانے کے لئے پیغمبر بھیجے گئے۔ پیغمبروں نے تبلیغ کی۔ انسانوں کو خدا سے ملنے کا راستہ بتایا۔ یہ سلسلہ ابتدائے آفرینش سے آج تک جاری رہا۔ اس سلسلہ کے زنجیر کی آخری کڑی سارے پیغمبروں کے بعد باعث تخلیق عالم۔ فخر بنی آدم سرور کونین۔ شہنشاہ دارین۔ احمد مجتبیٰ سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلعم مبعوث ہوئے۔ آپ پیغمبر آخر الزمان ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ چونکہ کتاب ہدایت (قرآن شریف) اور دین اسلام کی حفاظت کا وعدہ خدا نے خود فرمایا ہے۔ جب اس مقدس کتاب اور اس پاک مذہب میں کوئی تغیر و تبدل ہی نہ ہوگا۔ تو نئے نبی کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ انبیائے سابقین کے صحیفے اس لئے منسوخ کر دیئے گئے۔ کہ ان میں بہت کچھ تحریف کر دی گئی تھی۔ قرآن شریف میں رد و بدل کا اس لئے امکان نہیں۔ کہ یہ مقدس کتاب لوگوں کے سینوں میں منقش رہے گی۔ آج دو چار حافظ نظر آرہے ہیں لیکن آئندہ انشاء اللہ ہزاروں حافظ ہو جائیں گے

رسول خدا حضرت محمد صلعم وہ نبی ہیں جن کے مبعوث ہونے کی خبر

صدیوں پہلے انبیائے سابقین نے دی تھی۔ زبور میں آپ کا ذکر ہے۔ توریت میں آپ کا تذکرہ ہے۔ انجیل میں آپ کی بشارت ہے۔ آپ کے مبعوث ہوتے ہی سعید ہستیوں نے آپ کو پہچانا۔ خوش قسمت لوگ آپ پر ایمان لائے۔ بدبختوں نے آپ کی نبوت سے انکار کیا۔ آپ پر درود و سلام ایک بار نہیں ہزار بار سلام ہو۔

اس وقت تمام مجمع نے باآواز بلند درود شریف پڑھنی شروع کردی تھی۔ اس لئے حضرت عمر فاروق رضؓ نے تھوڑی دیر کے لئے اپنی تقریر بند کردی۔ اور خود بھی درود شریف پڑھنے لگے۔ جب سب لوگ خاموش ہوئے تو حضرت عمر فاروقؓ نے پھر کہا۔

"مسلمانو! تمہیں معلوم ہے۔ کہ آج کل تمہارے بھائی! اسلام کے جانثار فرزند۔ ملک شام میں جہاد کر رہے ہیں۔ مسلمانوں نے ملک شام کا کثیر حصہ فتح کر لیا ہے۔ بڑے بڑے شہروں اور اہم مقامات شہروں اور قلعوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ عیسائیوں کی معزز ترین ہستیاں یا تو مسلمان ہو گئی ہیں یا مسلمانوں کی حلقہ بگوش ہو چکی ہیں۔ یہ خدا کی عنایت و مہربانی ہے۔ ہمارے محترم نبی صلعم نے ملک شام کے فتح ہونے کی خوش خبری دی تھی۔ وہ خوش خبری پوری ہوتی جارہی ہے عیسائیوں پر مسلمانوں کا رعب غالب آگیا ہے۔ وہ مسلمانوں سے ڈرنے لگے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہ ملک شام کے والی ہیں ان کے تدبر و شجاعت اور بے ریا اسلامی خدمات کی بدولت روزانہ اسلامی قلمرو میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ اب انہوں نے ملک شام کے دارالسلطنت "انطاکیہ" پر یورش کرنے کا

عزم صمیم کیا ہے۔ انطاکیہ میں عیسائیوں کا شہنشاہ ہرقل اعظم موجود ہے۔ تمام عیسائی اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اُس نے تمام عیسائیوں کو اپنی مدد کے لئے طلب کیا ہے۔ ہر طرف سے عیسائی دوڑ دوڑ کر انطاکیہ میں جمع ہونے لگے ہیں۔ مسلمان نسبتاً کم ہیں۔ اس وقت دو سو عیسائیوں کے مقابلہ میں صرف ایک مسلمان ہے۔ اس حیرت انگیز کمی پر بھی مسلمان انطاکیہ پر یورش کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ وہ عیسائیوں کا ملک ہے۔ اگر عیسائیوں کو شکست بھی ہوئی تو وہ انطاکیہ سے بھاگ کر غنیاریہ۔ یا قسطنطنیہ چلے جائیں گے۔ لیکن اگر خدانخواستہ مسلمانوں کو شکست ہوئی تو ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں۔ اُن کا ملک اُن سے سیکڑوں کوس کے فاصلہ پر ہے"

امین الامتہ کا خط آیا ہے۔ میں وہ خط آپ کو سناتا ہوں آپ غور سے سُنیں۔ لکھا ہے۔

از جانب ابو عبیدہ بن الجراح عامل ملک شام۔ مقام حلب۔

بجالی خدمت امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضہ

حمد اور تعریف کرتا ہوں میں اُس خدا کی جو واحد ہے۔ وہی عبادت کے لائق ہے۔ اُس کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے اور درود بھیجتا ہوں میں سرور کائنات فخر موجودات حضرت مولانا محمد صلعم پر۔

یا امیر المومنیں حال یہ ہے۔ کہ مسلمانوں پر خدا کے لطف و کرم کی بارش ہو رہی ہے۔ ہم اس کے احسان و اکرام کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ اس نے ملک شام کے مشہور شہروں اور فلک رفعت قلعوں کو فتح

کرا دیا۔ عیسائی ملوک یا تو مسلمان ہو گئے ہیں۔ یا مسلمانوں کے حلقہ بگوش جزیہ ادا کرتے ہیں۔ عیسائیوں کے وہ بادشاہ جن کے رعب وداب سے حجاز اور فارس والے کانپتے تھے۔ مسلمانوں کے محکوم ہو چکے ہیں۔ وہ تثلیث پرست عیسائی جو مسلمانوں سے سخت نفرت رکھتے تھے مسلمانوں کے پاس بیٹھنے تک کے بھی روادار نہ تھے۔ بہت رام ہو گئے ہیں۔ تثلیث پرستی کی جگہ توحید پرستی نے لے لی ہے۔ اسلام نے اپنی منور شعاعوں سے سرزمین شام کو جگمگا دیا ہے عیسائی شد و مد سے مسلمان ہو رہے ہیں۔ اسلام کی تسخیر نے ان کے قلوب کو مسخر کر لیا ہے۔ تمام ملک میں مساجدیں بن گئی ہیں۔ ہر مسجد پانچوں وقت خدا کی عبادت کرنے والوں سے بھر جاتی ہے۔

حلب اور اعزاز کے قلعے فتح ہو چکے ہیں۔ اب میرا ارادہ انطاکیہ پر یورش کرنے کا ہے۔ انطاکیہ ملک شام کا دارالسلطنت ہے۔ ہرقل اعظم (رومیوں کا شہنشاہ) انطاکیہ میں موجود ہے۔ اس نے کثیر التعداد عیسائی لشکر فراہم کر لیا ہے۔ ہر طرف سے عیسائی اس کے پاس اس کی مدد کے لئے آ رہے ہیں۔ جاسوس کی زبانی معلوم ہوا ہے۔ کہ تقریباً دس لاکھ عیسائی اس وقت تک جمع ہو چکے ہیں۔ اور ابھی برابر عیسائیوں کی آمد کا تانتا لگا ہوا ہے۔ اسلامی لشکر ان کے مقابلہ میں بہت کم ہے صرف سترہ ہزار مجاہدین ہیں۔ اگر ممکن ہو سکے تو کچھ لشکر کمک کے لئے روانہ فرمایئے۔ اور اگر کمک بھیجنا ممکن نہ ہو تو ہمارے لئے دعائے خیر کیجئے۔ دعا مومنوں اور مسلمانوں کے لئے ہتیار ہے۔ اور کافروں اور مشرکوں کے لئے ہلاکت کا باعث ہے۔ اگر خدا نے انطاکیہ فتح کرا دیا تو تمام ملک شام پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ خدا کی ذات سے امید ہے

کہ رومیوں کا شہنشاہ ہرقل اعظم یا تو مسلمان ہو جائے گا۔ یا اطاعت اختیار کرے گا۔ یا بھاگ جائے گا۔ وہ وقت قریب آرہا ہے۔ جس کا ہمارے محترم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے وعدہ فرمایا تھا۔ یعنی ملک شام کی فتح کا۔ والسلام علیک وعلیٰ من معک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

خادم قوم ابوعبیدہ بن الجراح۔

حضرت عمرؓ ایک ایک فقرہ بلند آواز سے رک رک کر سنا رہے تھے تمام مسلمان خاموش بیٹھے سُن رہے تھے۔ جب خط ختم ہو گیا تو امیرالمومنین نے کہا" مسلمانو! تم نے امیر الامۃ کا خط سُنا۔ اس وقت مسلمانوں کو امداد کی اشد ضرورت ہے۔ سالارِ اعظم ابوعبیدہ کے ہمراہ کل سترہ ہزار مجاہدین ہیں۔ جو لاکھوں عیسائیوں کے مقابلہ میں سر فروشی کے لئے پیشقدمی کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ مجاہدین میں جوش ہے۔ شہادت کی تمنا ہے۔ خدا اور خدا کے رسول کی خوشنودی حاصل کرنے کی آرزو ہے۔ مگر میں نے مناسب خیال نہیں کیا مٹھی بھر مسلمان ٹڈی دل عیسائیوں پر یورش کریں۔ چنانچہ میں نے امین الامۃ کو انطاکیہ پر بڑھنے سے روک دیا تھا۔ میرا منشا تھا۔ کہ کچھ مجاہدین کمک کے لئے فراہم کر کے بھیجوں۔ چنانچہ خدا کا شکر ہے۔ کہ ڈھائی ہزار مجاہدین جمع ہو گئے ہیں۔ یہ اسلام کے شیدائی انشاءاللہ آج عشاکی نماز پڑھ کر روانہ ہو جائیں گے۔ مسلمانوں کی دعائیں اگر خلوص دل سے مانگی جائیں تو ضرور مستجاب ہوتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سب اصحاب دل سے مسلمانوں کی فتحیابی کی دعا کریں۔

فوراً تمام مسلمان دوزانو قبلہ رو ہو کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے خلوص کے ساتھ صدق دل سے مسلمانوں کی فتحیابی کی دعا کی۔ حضرت عمر فاروق رضی نے بھی دعا مانگی۔ اب مجاہدین آہستہ آہستہ روانہ ہوئے۔ دعا مانگتے وقت آپ کے آنسو جاری تھے۔

دعا کے بعد مجلس شوریٰ۔ یا خلیفۃ المسلمین کا دربار برخاست ہوا۔ لوگ مسجد نبوی سے باہر نکل آئے۔ اور چونکہ پہلے سے بھی لوگوں کو معلوم تھا۔ اور اس وقت بھی خلیفۃ المسلمین نے اشارہ کر دیا تھا کہ مجاہدین آج ہی بعد عشا کے روانہ ہو جائیں گے۔ اس لئے مجاہدین ابھی سے اسباب باندھ باندھ کر روانگی پر تیار ہو گئے۔ یوں تو جب سے یہ مجاہدین مدینہ منورہ میں آئے تھے۔ اسی وقت سے ان کی دعوتیں ہو رہی تھیں۔ تحفے دیئے جا رہے تھے۔ مگر آج ان کے رشتہ دار دو دستوں اور عام مسلمانوں نے ان کے پاس تحائف کے ڈھیر لگا دیئے۔ مسلمان سمجھتے تھے کہ مجاہدین کی خدمت کرنا ثواب عظیم ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا۔ کہ اس ثواب کی لوٹ میں صرف چند ہی گھنٹے باقی رہ گئے ہیں۔ اس لئے تمام مسلمان مجاہدین کی خدمت میں مصروف تھے۔

قیس، اور عامر بھی تیاریوں میں مصروف تھے۔ لیلیٰ اور سلمہ عامر اور قیس کا ہاتھ بٹا رہی تھیں۔ حوروش عذرا کو چونکہ ملک شام کے دیکھنے کا شوق تھا اس لئے وہ زیادہ مسرور تھی۔ اس کی مسرت کی زیادتی کی وجہ یہ بھی تھی کہ قیس بھی جسے وہ پیار کرنے لگی تھی اس کے ساتھ چلنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ انکھ جھپکتے وقت گذر گیا۔ عصر سے مغرب کا اور مغرب سے عشا کا وقت ہوا۔ تمام مسلمانوں نے عشا کی نماز پڑھی۔ پڑھ کر سب لوگ مدینہ طیبہ سے باہر ملک شام کی شاہ راہ پر آکر جمع ہونے لگے۔ مجاہدین کو رخصت کرنے کے لئے سارا مدینہ امنڈ آیا۔

اس وقت رات کا کچھ حصہ گذر گیا تھا۔ چاندنی رات تھی۔ چاند نکل آیا تھا۔ سفید سفید ریت پر بکھری ہوئی چاندنی نہایت ہی دلفریب معلوم ہو رہی تھی۔ لوگ ریت کے تودوں پر بیٹھے تھے۔ بچے ریت کے اونچے اونچے ٹیلوں پر چڑھ چڑھ کر کھیل رہے تھے۔ وہ اس وقت

بہت زیادہ مسرور تھے۔

مجاہدین روانگی کے لئے صف بستہ ہو گئے تھے۔ نوجوان گھوڑوں پر سوار تھے۔ ضعیف العمر اور بچے شغدفوں میں بیٹھے تھے۔ عورتیں محملوں میں بیٹھی غرفوں سے جھانک رہی تھیں۔

اونٹ بڑبڑا رہے تھے۔ گھوڑے ہنہنا رہے تھے۔ بچے شور و غل کر رہے تھے۔ لوگ باتوں میں مصروف تھے۔ ان سب باتوں نے مل جلکر کچھ ایسا شور و شغب پیدا کر دیا تھا کہ کانوں پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

اس وقت بھی لوگ مجاہدین کی خدمت کر رہے تھے۔ کوئی پانی پلا رہا تھا۔ کوئی فالودہ کھلا رہا تھا۔ اور کوئی شربت پلا رہا تھا۔ بعض لوگوں نے ستو گھول رکھے تھے اور دہی پلا رہے تھے۔ بعض خرموں کی تواضع کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں حضرت سیدنا عمر فاروق رضؓ تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عثمان رضؓ حضرت عباس رضؓ اور دوسرے معزز ترین مسلمان تھے۔ ان کا غلام ایک علم اٹھائے ہوئے لا رہا تھا۔ مجاہدین نے حضرت عمر فاروق رضؓ کو دیکھتے ہی "اللہ اکبر" کا پر جوش نعرہ کی آواز ریت کے سر بفلک ٹیلوں سے ٹکرائی۔ حضرت عمرؓ مجاہدین کے قریب آ کھڑے ہوئے۔ اس وقت تمام لوگ خاموش ہو گئے تھے۔ ہر طرف خاموشی اور سکون کا تسلط ہو گیا تھا۔ جوان، بچے اور بڈھے سب چپ چاپ کھڑے ہو گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے آتے ہی دریافت کیا "عامر اور قیس کہاں ہیں"؟ فوراً یہ دونوں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت عمرؓ نے غلام سے علم لے کر عامر کو دیتے ہوئے کہا "عامر! یہ علم لو! تم ان ڈھائی ہزار مجاہدین پر سردار مقرر کئے جاتے ہو۔ تمہیں چاہیئے کہ رواداری کا برتاؤ کرنا۔ اس لشکر میں نوجوان بھی ہیں

ضعیف العمر بھی ہیں، بچے بھی ہیں۔ اور عورتیں بھی ہیں۔ تمہیں ان سب لوگوں کا خیال رکھنا چاہئے۔ ان سے ان کی طاقت کے مطابق کام لینا۔ ان کے آرام کا خیال رکھنا۔ انہیں تکلیف دے کر حشر کے روز مجھے خدا کے سامنے شرمندہ نہ کرنا۔ اگرچہ بازپرس تم سے ہی ہوگی لیکن مجھ سے بھی اس لئے دریافت کیا جائے گا۔ کہ میں نے تمہیں سردار مقرر کیا ہے۔

عامر! تم اس ملک میں جا رہے ہو جو دنیا کی بہشت کہلاتا ہے۔ وہ ملک نہایت سرسبز و شاداب ہے۔ اس ملک کی عورتیں نہایت خوبصورت ہوتی ہیں۔ وہ لوگ ریشمیں کپڑے پہنتے ہیں۔ وہاں کے مرد۔ عورتیں اور بچے سونے اور چاندی کے زیورات۔ ہیرے جواہرات اور موتی پہنتے ہیں۔ تمہیں اس ملک کی دلفریبیاں گمراہ نہ کر دیں۔ اگر اس لشکر میں سے ایک شخص بھی گمراہ ہو گیا تو قیامت کے روز تم سے بازپرس کی جائے گی۔ عدل و انصاف کے سامنے اپنے عزیزوں اور دوستوں کا لحاظ نہ کرنا نہ کسی کی طرف سے چشم پوشی نہ کرنا۔ لوگوں کو اُن کی ذرا سی غلطی پر بھی سرزنش کرتے رہنا۔ دینداری پاکیزگی گناہوں کی بیخکنی کرتی ہے۔ شرعی احکام سے کسی وقت بھی غفلت نہ کرنا۔ ملک شام میں داخل ہو کر کسی وقت بھی کسی عیسائی پر بیجا سختی نہ کرنا۔ کسی گرجہ کو منہدم نہ کرنا۔ راہبوں (عیسائی زاہدوں) سے تعرض نہ کرنا۔ اماں چاہنے والوں کو اماں دینا۔ عیسائی عورتوں۔ بچوں اور بڈھوں پر تلوار نہ اُٹھانا۔ جو اقرار کرو اُسے پورا کرنا۔ ابو عبیدہ کی فرماں برداری کرنا۔ اگر ابو عبیدہ کی اور تمہاری رائے میں تضاد ہو تو جو کثرت رائے سے پاس ہو اس پر عمل کرنا نااتفاقی کر کے اپنی قوم کو نقصان نہ پہنچانا۔ جب تک مسلمانوں میں اتفاق ہے۔ انشاء اللہ اس وقت تک کوئی ان کا بال بیکا نہ کر سکے گا اور جب نااتفاقی پیدا ہو جائے گی تو فوراً ان کی ہوا اکھڑ جائے گی۔ اطیعو اللہ

واطیعوا الرسول پر کار بند رہنا۔

قیس! تم نوجوان ہو۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم جہاد پر جاؤ مگر تمہارے شوق نے مجھے مجبور کر دیا۔ خیال رکھنا کہ تم اس ملک میں اپنی ضعیف والدہ کو چھوڑے جا رہے ہو۔ ملک شام کی دلفریبیاں تمہیں اس قدر از خود رفتہ نہ کر دیں کہ تم اپنی والدہ کو بھول جاؤ۔ اس ملک میں نوجوان کیلئے خطرات اور اندیشے ہیں۔

میں کیا کہوں اور کہاں تک کہوں۔ جی تو یہ چاہتا ہے۔ کہ ہر بات تمہیں بتا دوں۔ اگر اس کے لئے بہت زیادہ وقت چاہیئے۔ بیکار وقت کیوں ضائع کیا جائے۔ اچھا بسم اللہ کرو۔ جاؤ خدا تمہیں ساتھ خیریت کے لوٹائے۔ اور دشمنوں پر فتح و نصرت عطا کرے۔

عامر اور قیس نے سلام کر کے مصافحے کئے اور وسط لشکر میں پہونچے عامر نے اس علم کو جو ابھی خلیفۃ المسلمین نے اُسے دیا تھا جنبش دی۔ پھریرا ہوا میں لہرایا۔ عامر نے "اللہ اکبر کا نعرہ" لگایا۔ یہ لشکر کی روانگی کا اشارہ تھا۔ تمام مجاہدین نے "اللہ اکبر" کا فلک بوس نعرہ لگایا۔ مجاہدین کو رخصت کرنے والوں نے "اللہ اکبر" کا فلک شکوہ نعرہ بلند کیا۔ ان متواتر نعروں سے فضا گونج گئی۔ زمین لرز گئی۔ ریت کے فلک رفعت تودے کانپ گئے۔ اب تمام وہ مسلمان جو مجاہدین کو رخصت کرنے آئے تھے راستے کے دونوں طرف کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کی روانگی کا نظارہ کرنے لگے۔ مجاہدین نہایت اطمینان کے ساتھ قدم قدم چل رہے تھے اونٹ خاموشی سے اپنی لمبی لمبی گردنیں بلند کئے چلے جا رہے تھے تمام مسلمانوں نے ایک مرتبہ اور مجاہدین کی فتحیابی کی دعا کی۔ جب اسلامی لشکر دور نکل گیا اور بڑھتے ہوئے گرد و غبار نے اسے اپنے دامن میں لیکر دیکھنے والوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا

تو حضرت خلیفۃ المسلمین اور تمام مسلمان آہستہ آہستہ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔

چوتھا باب

اقرار محبت

بس جی اٹھا خوش ہو گیا بیمار محبت
اُس شوخ نے جو کر لیا اقرارِ محبت

جب تک عامر حجاز کی حدود میں رہا اس وقت تک رات کو سفر اور دن کو قیام کرتا بڑھتا رہا۔ مجاہدین کا یہ لشکر جس قصبہ یا گاؤں میں پہنچتا وہاں کے مسلمان بہت زیادہ خاطر مدارات کرتے۔ سارے سارے دن ان کی خدمت میں مشغول رہتے اور رات کو دور تک پہونچا کر واپس ہوتے جو اپس ہوتے وقت خلوص دل سے اُن کی فتحیابی کی دعا مانگتے۔ یہ عسکر اسلامیہ دعاؤں کے سایہ میں حجاز کی سرحد کو عبور کر کے ملک شام کی حدود میں داخل ہوا۔

جب سے ملک شام میں مسلمانوں کا تسلط ہوا تھا اُسی وقت سے عیسائیوں کا یہ وطیرہ ہو گیا تھا کہ جب کوئی اسلامی لشکر ان کے مواضع وقصبات یا شہروں میں ہو کر گذرتا تو وہاں کے باشندے لشکر کے قریب بازار لگا دیتے اسی بازار میں سے مجاہدین ضروریات کی چیزیں خریدا کیا کرتے۔ اس تجارت میں رومیوں کو خاطر خواہ فائدہ ہوتا۔

بڑے بڑے شہروں اور قلعوں میں مسلمانوں نے چھاونیاں قایم کرلی تھیں۔ ان چھاونیوں میں اسلامی لشکر فرد کش رہتا تھا۔ یہ لوگ امن دامان قائم رکھتے۔ انتظام کرنے اور جزیہ وصول کرکے دربار خلافت میں بھیجنے پر مامور رہتے۔ مال اور فوجداری کے مقدمات بھی یہی کیا کرتے تھے۔ عیسائیوں کے باہمی تنازعات یا عیسائی اور مسلمانوں کے مقدمات ان کے روبرو پیش ہو کر فیصل ہوتے تھے۔

جب کوئی اسلامی لشکر ان چھاونیوں میں آتا تو یہ لوگ اس کی بہت زیادہ خاطر مدارات کرتے۔ اور ایک ایک منزل تک ان کی محبت میں جاتے

عامر نے ملکِ شام کی حدود میں داخل ہو کر سفر کا وقت بدل دیا تھا۔ چونکہ اس ملک میں سردی زیادہ ہوتی تھی۔ اس لئے رات کو سفر کرنے میں سخت تکلیف کا سامنا تھا۔ اب بجائے رات کے دن کو سفر کیا جاتا تھا۔

ملک شام کی سرسبزی اور شادابی دیکھ کر یہ لوگ بہت زیادہ محظوظ ہوئے یہاں کی آب و ہوا نے ان سب کی صحت پر نہایت اچھا اثر کیا۔ خصوصاً حور وش عذرا کی صحت بہت ہی اچھی ہو گئی۔ اُس کے چہرہ کا رنگ نکھر کر ایسا سرخ و سپید ہو گیا کہ وہ بالکل رومی جیسی لڑکی معلوم ہونے لگی۔ اُس کے عارض تاباں ایسے پر نور ہو گئے تھے۔ کہ اُن کی طرف دیکھنے والوں کی آنکھوں میں چکا چوند ہو جاتی تھی۔

قیس پر حور وش عذرا کی ہمنشینی نے بہت گہرا اثر کیا تھا۔ وہ ہر وقت اُس کے چہرہ اور نشیلی آنکھوں کو دیکھتا اور حیات بخش تبسم دیکھنے کا منتظر رہتا۔ جب کبھی وہ اس کے پھول سے عارض پر نظر ڈالتا تو پر توحسن سے مسحور ہو کر رہ جاتا۔ چونکہ اُسے اندیشہ تھا کہ کہیں اس ناز آفریں کو کسی

کی نظر نہ لگ جائے۔ اس لئے اُسے گوارا نہ تھا کہ کوئی اُسے دیکھے اُس کی خواہش تھی کہ اس ماہ تمثال کو اپنے سینے میں رکھ لے یا آنکھوں میں چھپالے

عذرا پر بھی قیس کی محبت پورے طور پر اثر کر چکی تھی۔ وہ بھی یہ چاہتی تھی کہ قیس ہر وقت اُس کی نظروں کے سامنے رہے۔ اگر قیس کچھ دیر کے لئے اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا تو وہ بیقرار ہو جاتی چہرہ پژمردہ ہو جاتا۔ آنکھوں سے خوف وہراس ظاہر ہونے لگتے لیکن وہ ضبط وصبر کرتی اور اپنے دل کا حال کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتی۔

سلمہ جو نہایت شوخ اور ہوشیار لڑکی تھی۔ ان دونوں کی راز دار ہو گئی تھی۔ جب کبھی یہ قیس یا عذرا کو مشوش یا متفکر دیکھتی تو اپنی پر مذاق گفتگو سے انہیں خوش کر دیا کرتی۔

عامر خلیفۃ المسلمین کی ہدایت کے بموجب بہت آہستہ آہستہ سفر کر رہا تھا۔ وہ تھوڑی تھوڑی مسافت طے کر کے قیام کر دیتا تھا۔ اور ہر منزل پر اپنے ہمراہیوں کے پاس جا جا کر ان کی خیر و عافیت دریافت کرتا۔ اگر کسی کو ذرا بھی کسلمند دیکھتا تو دوسرے روز سفر نہ کرتا۔ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر سفر کرنے سے اس کے ہمراہی سیر و سیاحت خوب کر لیتے تھے۔

جب مسلمانوں نے ملک شام میں داخل ہو کر ان سر بفلک قلعوں کو دیکھا جن کو مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا۔ تو وہ ان کی مضبوطی اور بلندی کو دیکھ کر نہایت متعجب ہوئے۔ اُنھوں نے فاتح مسلمانوں کی تعریف کی

مجاہدین کا یہ لشکر تقریباً ایک مہینہ میں قنسرین پہونچا۔ عامر نے یہاں قیام کر دیا۔ چونکہ متواتر ایک مہینہ سفر کرنے سے مسلمان تھک گئے تھے اس لئے عامر نے دو روز قنسرین میں قیام کیا۔ یہ لشکر ایک چشمہ کے کنارے

پر خیمہ زن ہو گیا۔ مسلمانوں نے قیام کر کے اپنے کپڑے دھوئے ہتھیار صیقل کئے۔ اور قنسرین سے ضروریات کی چیزیں خریدیں۔

ایک روز جبکہ آفتاب کسی قدر بلند ہو گیا تھا۔ دھوپ سبز سبز گھاس اور چشمہ کے پانی پر لوٹ رہی تھی۔ حور وش عذرا خیمہ سے نکل کر باہر آئی وہ خرام ناز سے چل کر چشمہ کے کنارے پہ پہونچی۔ آج مطلع صاف تھا۔ دھوپ میں تمازت آگئی تھی۔ عذرا پانی کی روانی دیکھنے لگی۔ چشمہ کے کنارے پہ کھڑی ہوئی سبز سبز گھاس ہوا کے خفیف جھونکوں سے لہرا رہی تھی۔ یا یوں سمجھو کہ حور وش عذرا کو دیکھ کر چشمہ کے کنارے پہ کھڑے ہوئے پودے اور گھاس وجد میں آکر جھوم رہے تھے۔ عذرا گھاس پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے دونوں پاؤں شلوار کو اوپر چڑھا کر پانی میں ڈالدیئے۔ اور پیروں سے پانی کو اچھالنے لگی۔ اس وقت وہ تنہا تھی۔ مسلمان یا تو اپنے خیموں میں بیٹھے ہتھیاروں کی دیکھ بھال کر رہے تھے یا دس دس پانچ پانچ آدمیوں کی ٹولیاں بنائے درختوں کے نیچے گھاس پر بیٹھے باتوں میں مشغول تھے عامر قنسرین گیا ہوا تھا۔ لیلیٰ اور سلمہ کھانا تیار کر رہی تھیں۔ غرض سب لوگ کسی نہ کسی کام میں مصروف تھے۔ اس لئے ملکہ حسن عذرا کو اس وقت تنہا پانی سے کھیلنے کا موقعہ مل گیا۔ وہ اس وقت پیروں سے پانی اچھال اچھال کر بہت زیادہ محظوظ ہو رہی تھی۔ پانی کی چھینٹے جو اُڑ اُڑ کر اس کے رُخ روشن پر پڑ رہی تھیں۔ وہ بالکل ایسی معلوم ہو رہی تھیں۔ جیسے گلاب کے خوشرنگ پھول پر شبنم کے قطرے۔ اس وقت پانی سے کھیلنے میں وہ کچھ ایسی محو تھی کہ اُسے یہ بھی خیال نہ ہوا کہ اس کے نازک سر سے دوپٹہ کھسک کر اُس کے کندھوں پر آپڑا ہے۔ اور اس کے سیاہ دراز گیسو نہایت دلفریبی سے چمکنے لگے ہیں۔ آفتاب کی تپش سے اُسکی سیاہ زلفیں ایسی چمک رہی تھیں جیسے کالا ناگ۔ کچھ گھونگر والے بال اُس

کی منور پیشانی پر سپولیوں کی طرح لوٹ رہے تھے۔ جو نہایت ہی دیدہ زیب معلوم ہو رہے تھے۔ وہ اس طرح بیٹھی دنیا و مافیہا سے بے خبر پانی سے کھیل میں مصروف تھی۔ پیچھے سے قیس آ گیا۔ وہ آہستہ آہستہ دبے پاؤں آ رہا تھا۔ اُس کی نظر عذرا پر تھی۔ وہ اُس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا اور للچائی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھنے لگا۔

اُس وقت آفتاب عالمتاب نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا سبز سبز گھاس پر دھوپ لوٹ رہی تھی جو بہت ہی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ سورج کی کرنیں عذرا کے منور چہرہ پر نثار ہو کر دیکھنے والوں کی نظروں میں خیرگی پیدا کر رہی تھیں۔

کچھ عرصہ کے بعد قیس نہایت آہستگی سے بیٹھ گیا۔ چونکہ وہ بالکل عذرا کے قریب بیٹھا تھا۔ اس لئے اُس نازنیں کے جسم کی بھینی بھینی خوشبو نے اُسے مست و بیخود بنا دیا تھا۔ کچھ دیر تو وہ مافیہا سے بے خبر رہا۔ لیکن جب اُسے خیال ہوا کہ وہ نایاب وقت کو ہاتھوں سے کھو رہا ہے۔ تو وہ سنبھلا اُس نے اپنے ہاتھ بڑھائے اور نہایت آہستہ سے عذرا کے خوبصورت آنکھوں پر رکھدیئے۔

عذرا ابھی تک محویت کے عالم میں بیٹھی پانی سے کھیل رہی تھی۔ وہ چونک پڑی۔ اُس نے اپنے نازک ہاتھوں سے قیس کے ہاتھوں کو الگ کرتے ہوئے کہا" کون ہے؟ دیکھو میری آنکھیں درد کرنے لگیں۔

اتنا سنتے ہی قیس بیچین ہو گیا۔ اُسے اپنی حماقت پر افسوس ہوا۔ اُس نے جلدی سے اپنے ہاتھ ہٹا لئے۔ عذرا نے گھوم کر اُسے دیکھا وہ شرما گئی۔ اُس نے شرم آلودہ نظروں سے قیس کو دیکھکر مسکراتے ہوئے کہا" یہ کیا شرارت سوجھی؟ واہ وا! آپ اس وقت آ کہاں سے گئے؟"

اب قیس بڑھ کر اُس کے برابر بیٹھ گیا۔ اُس نے مداخلت خیز نظروں سے عذرا کو دیکھ کر کہا۔ "واقعی مجھ سے حماقت ہوئی۔ میں نے سخت غلطی کی۔ مجھے معاف کر دو۔"

عذرا نے ایسی نظروں سے جن میں شرم کے ساتھ شوخی بھی بھری ہوئی تھی۔ قیس کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "واہ! یہ اچھی دلگی ہے۔ پہلے قصور کر لیا۔ پھر معافی مانگ لی۔ میں معاف نہیں کر سکتی۔"

قیس کے چہرہ سے اس وقت ندامت آشکارا تھی۔ اُس نے نہایت عاجزی سے کہا۔ "عذرا مجھے معاف کر دو۔ خدا کے لئے معاف کر دو میں نے قصور کر لیا ہے۔ میں ناقابل تلافی کا مرتکب ہوا ہوں میری روح تحلیل ہوئی جا رہی ہے۔"

عذرا نے شوخی سے کہا۔ "نہیں صاحب۔ میں معاف نہیں کر سکتی تم نے مجھے ڈرا دیا۔ میری آنکھوں پر اس زور سے ہاتھ رکھا کہ اب تک درد کر رہی ہیں۔"

قیس بیچارے کی روح سلب ہوئی جا رہی تھی۔ اُس نے پھر کہا۔ "عذرا! میں نے سخت غلطی کی ہے۔ میری حماقت کی وجہ سے تمہاری خوبصورت آنکھوں کو تکلیف پہونچی۔ میں سخت نادم ہوں۔ خدا کے لئے معاف کر دو۔"

قیس کی مسکین صورت دیکھ کر عذرا کو بے اختیار ہنسی آ گئی ہنسنے سے اس کا پیارا چہرہ روشن ہو گیا اس نے کہا۔ "تم بڑے ہوشیار ہو۔ کیسی بھولی صورت بنائی ہے۔ جس سے دیکھنے والے کو خواہ مخواہ رحم آ جائے"

قیس نے کہا۔ "رحم! کس کو ... تمہیں۔ آہ تم وہ ستم پرور ہو جس کا دل گرچہ نازک ہے۔ لیکن اُس دل میں رحم و کرم کا شائبہ بھی نہیں۔"

عذرا مسکرائی اُس نے کہا۔ "تو گویا میں بے رحم ہوں۔"

قیس نے عذرا کے رخ رد شن پر نظریں گڑ ہ کر کہا۔ تم... !ہاں تم بیرحم ہو۔ بیدر دہو۔ ... آہ تم برا مان گئیں .... عذرا ! خدا ۔ ے ۔ لئے سچ بات سُنکر خفا نہ ہو۔ ہائے ۵

کیا کہوں میں تم کو جو بے مہر و فسوں گر نہ کہوں
جسکو دیکھے اس بات کو کیوں کر نہ کہوں

عذرا بگڑ گئی ۔ اس نے اپنی منور جبیں پر بل ڈالکر کہا ۔ جی میں بے مہر ۔ بیرحم ۔ بیدرد ۔ اور فسوں گر ہوں ۔ خیر ......"

عذرا کے جبین ناز پر خفگی سے شکن دیکھ کر قیس کی جان نکل گئی ۔ اس نے قطع کلام کرتے ہوے کہا ۔ اے حسن و جمال کی بے نظیر تصویر ! .... خدا کے لیئے اپنے پرستار سے خفا نہ ہو ۔ آہ میں برداشت نہیں کر سکتا خدا کی قسم تمہاری غیض بھری نظروں کو برداشت نہیں کر سکتا ۔ عذرا ! .. میری حیات تمہاری نگاہ کرم پر منحصر ہے ۔ میں وفور محبت سے دیوانہ وحشی اور خبطی ہو گیا ہوں ۔ میری ہر غلطی قابل معافی ہے ۔

عذرا کو پھر ہنسی آ گئی ۔ وہ بے اختیار ہنس پڑی ۔ اس نے کہا ۔ کیوں نہیں تمہاری ہر غلطی قابل معافی ہے ۔ کس قدر مطلب ....

قیس نے محبت بھری نظروں سے عذرا کو دیکھ کر کہا ۔ مطلب ہوشیار ؟ کاش میں مطلب ہوشیار ہوتا ۔ عذرا میں مطلب ہوشیار نہیں ہوں ۔ بلکہ سادہ لوح ہوں ......"

عذرا نے جلدی سے قطع کلام کر کے مسکراتے ہوے کہا ۔ جی کیوں نہیں بڑے سیدھے ۔ بڑے سادہ لوح "

قیس ۔ اب کوئی جان سے گذر جائے تو آپ کو یقین آ ہی ئے ۔

عذرا ۔ خدا نہ کرے ۔ کوئی جان سے کیوں گذرنے لگا ۔

قیس ۔ عذرا ! میں کب سے تمہاری منت کر رہا ہوں ۔ خدا کے لئے مجھے

معاف کر دو۔

عذرا۔ معاف تو کر دیا جائے لیکن آئندہ ایسی حرکت نہ ہوگی اسکا کون ضامن ہے۔

قیس۔ اس کا میں خود ضامن ہوں۔

عذرا نے مسکرا کر کہا "بس تو جب آئندہ کوئی ایسی حرکت نہ ہوگی تو معاف کر دیا جائے گا۔"

اب قیس سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اس نے عذرا کے حیات بخش لبوں کو دیکھتے ہوئے کہا "بہت خوب اب تم خفا تو ہو ہی کیوں نہ اور بھی گستاخی کروں۔"

عذرا نے دلکش ادا سے مسکرا کر قطع کلام کرتے ہوئے کہا "اب کیا شرارت سوجھی ہے؟"

قیس نے منتیں صورت بنا کر کہا شرارت؟... جی شرارت نہیں دیکھو تم ابھی خود ہی میرا قصور معاف کر دو گی۔"

قیس نے عذرا کے نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں مضبوط پکڑ لیئے عذرا نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "اچھا ٹھہرو! میں معاف کر دوں گی قیس نے لاپرواہانہ انداز سے کہا۔ جی نہیں اب معافی کی کوئی ضرورت نہیں"

اوّل اوّل تو عذرا نے اپنے مقدور بھر ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی لیکن وہ نازآفریں تھی ہاتھ نہ چھڑا سکی۔ اس نے عجز بھری نظروں سے قیس کو دیکھ کر بھولے پن سے کہا "قیس! چھوڑ دو۔ دیکھو کوئی آجائے گا۔

قیس اس کی عاجزانہ درخواست سن کر بیتاب ہو گیا۔ اس نے جلدی سے ہاتھ چھوڑ دیئے۔ عذرا اپنے نازک ہاتھوں کو ملتے ہوئے مسکرا کر کہا "خدا تمہیں کیسی زور سے ہاتھ پکڑے ہیں۔ ہتھیلیاں درد کرنے لگیں۔"

قیس نے کہا "لائیے میں آہستہ آہستہ مل دوں۔ ابھی درد جاتا رہے گا عذرا نے حیات بخش تبسم کے ساتھ کہا۔ جی بس معاف فرمایئے۔ آپ کے ہاتھ

ہیں یا بیاہا۔ اور مل کر میرے ہاتھوں کا ناس کر دیجیے گا۔

قیس نے محبت پاش نظروں سے عذرا کو دیکھ کر دریافت کیا: اب بھی آپ نے میرا قصور معاف کر دیا یا میں خود معاف کرا لوں؟"

عذرا نے جلدی سے کہا۔ نہیں صاحب معاف کر دیا۔"

قیس نے عذرا کی موٹی چور آنکھوں کو دیکھ کر کہا۔ عذرا! تم اس قدر سنگدل کیوں ہو؟"

عذرا نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا "جی آپ کا قصور معاف کر دیا اور پھر بھی سنگدل ہی رہی۔"

قیس نے آہ سرد بھر کر کہا "اس سے کیا ہوتا ہے۔ آہ.... مجھے دیکھو میں تم پر فدا ہوں۔ میری رگ رگ میں تمہاری محبت...... سرایت کر گئی ہے۔ لیکن تم تغافل شعار ہو میری پرواہ نہیں کرتیں۔ آخر یہ بے رخی کیوں ہے؟

عذرا نے پیاری پیاری نظروں سے گھور کر قیس کو دیکھا اور کہا "آپ نے پھر وہی ذکر چھیڑا۔ آخر تمہارے جی میں کیا ہے؟"

قیس ان ہوشربا آنکھوں سے متاثر ہوا! لیکن وہ حواس باختہ نہیں ہوا۔ اس نے کہا "میرے جی میں ہے۔ کہ میں تم پر فدا ہو جاؤں۔ تمہارے قدموں پر میری جاں نکلے......"

عذرا نے قطع کلام کر کے کہا "بس کرو۔ ایسی باتوں سے کیا فائدہ؟"

قیس نے عذرا کا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت سے دبایا اور کہا۔ عذرا! تمہیں ان باتوں سے نفرت ہے۔ لیکن مجھے دیکھو..... محبت نے مجھے گھلا دیا ہے۔ یا تو اپنی محبت سے کہو کہ مجھے ستانا چھوڑ دے یا تم میری......"

قیس رعب حسن سے فقرا پورا نہ کر سکا۔ عذرا نے سنجیدگی سے کہا "قیس! محبت کے جال میں نہ پھنسو۔ محبت بری اور بہت بری۔ عقلمند

آدمی کبھی محبت نہیں کرتا۔ تم دانشمند ہو محبت کا جال توڑ کر نکل جاؤ۔"

قیس نے محبت بھری گہری نظروں سے عذرا کو دیکھکر کہا۔" یہ ناممکن ہے۔ عذرا! میں نے دنیا میں صرف تُم سے محبت کی ہے۔ میری طاقت سے باہر ہے۔ کہ میں محبت کے جال کو توڑ دوں۔"

عذرا نے مسکرا کر کہا" اگر یہ ناممکن ہے۔ تو ضبط و صبر کرو۔"

قیس نے کہا" ضبط و صبر...... ؛ جو بہت کر چکا۔ اب ضبط و صبر کی بھی طاقت نہیں رہی۔"

عذرا بے اختیار ہنس پڑی اُس نے کہا" پھر کیا ہوا۔"

قیس نے متمردوں کی سی صورت بنا کر کہا" تم میری حالت زار پر ہنستی ہو۔ افسوس پیاری عذرا ؎

خندۂ اہلِ جہاں کی مجھے پروا کیا تھی
تم بھی ہنستے ہو مرے حال پہ رونا ہے یہی

قیس نے کچھ اس انداز سے یہ شعر پڑھا کہ حور دش عذرا بیچین ہو گئی اُس نے تڑپ کر کہا" قیس توبہ کرو۔ توبہ۔ میں اور تم پر ہنسوں۔ آہ... تم میرے دل کا حال نہیں جانتے اور خدا کرے کوئی میرے دل کے حال سے خبر دار نہ ہو۔..... خدا کی قسم بری بات ہے۔ بہت بری۔ نہیں قیس! میرے جذبات کو ٹھیس نہ لگاؤ..... ہائے دنیا کیا کہے گی؟"

قیس کی مظلومانہ صورت اور درد بھرے لہجے نے یہ اثر کیا کہ حور دش عذرا کے ضبط و استقلال رخصت ہو گئے۔ اس وقت وہ محبت کے ناپید کنار سمندر میں بہہ گئی۔ وہ اپنے جذبات کا اظہار کرنے لگی تھی لیکن اس کی فطرتی حیا نے اسے روکا وہ سنبھلی اُس نے کہا" قیس! مجھے ایسی نظروں سے نہ دیکھو جس سے میں ضبط و استقلال.... قایم نہ رکھ سکوں۔ ہمیں یہاں بیٹھے ہوئے دیر ہو گئی ہے۔ چلو اب واپس خیمہ میں چلیں۔

عذرا نے اپنے نازک پیر پانی سے نکال لئے۔ اس نے اٹھنا چاہا۔ قیس نے اس کا دامن پکڑ لیا اور اپنے پاس بیٹھے رہنے کا اشارہ کر کے کہا۔ "عذرا! ٹھہرو۔ تھوڑی دیر ٹھہرو۔ میری طرف دیکھو۔ آہ میری طرف جو ساری رات شب بیدار کرتا ہے۔ جس کی آنکھوں سے نیند۔ دماغ سے عقل دل سے صبر و قرار رخصت ہو چکے ہیں۔ مجھے ایک بات بتا دو۔ صرف ایک بات"

عذرا نے بھولے پن سے قیس کو دیکھ کر کہا۔ "کیا؟"

قیس نے انتہائی محبت خیز نظروں سے عذرا کو دیکھ کر کہا۔ "عذرا! مجھے یہ بتا دو کہ تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے یا نہیں"

عذرا خاموش ہو گئی۔ اس نے اپنا نازک سر جھکا لیا۔ اس کے دل میں قیس کی محبت خیز نظروں نے تلاطم پیدا کر دیا۔ اسے اپنی بگڑی ہوئی طبیعت پر قابو رکھنا دشوار ہو گیا۔ ابھی وہ اپنے جذبات کو دبانے کی کوشش ہی کر رہی تھی کہ قیس نے پھر کہا۔ "اے حور عالم! خاموش کیوں ہو گئیں؟ میری حیات کا انحصار تمہارے جواب پر ہے۔ یا تو تم میرے حق میں زندگی کا حکم صادر کر دو یا موت کا فتویٰ"

اب عذرا کو اپنے جذبات پر قابو رکھنا دشوار ہو گیا۔ اس نے قیس کی طرف دیکھا۔ قیس کی نگاہیں اب بھی محبت پاشی کر رہی تھیں۔ وہ ان نگاہوں سے اس درجہ متاثر ہوئی کہ اس نے فطری حیا کو بالائے طاق رکھ کر کہا۔ "قیس! ......"

فوراً ہی عذرا کے محبت خیز جذبات پر دوشیزگی کی حیا غالب آگئی شرم نے اس کی زبان پکڑ لی۔ وہ خاموش ہو گئی۔ قیس اسے برابر دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے عذرا کو خاموش دیکھتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ "کہو میری راحت روح! کہو۔ دیکھو خاموش رہنے کا وقت نہیں ہے۔ جو کچھ تمہارے سننے

سے دل میں ہے کہدو۔"

عذرا نے شرم آلود نظروں سے قیس کو دیکھ کر کہا "نہیں قیس! میری بات یاد ہے۔ ایسی بات میری زباں سے ادا نہ ہوگی۔"

قیس نے جلدی سے کہا "عذرا! اس وقت میری روح بیچین ہے۔ جان کندنی کی سی کیفیت ہے۔ خدا کے لئے کہدو۔ جو کچھ تمہارے دل میں ہے۔ کہدو۔

قیس کی بیچینی نے عذرا کو بھی بیچین کر دیا۔ اس نے کہا، "تم مجھ سے کیا کہلانا چاہتے ہو؟"

قیس نے فوراً جواب دیا "یہی کہ تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے یا نہیں"

عذرا نے ایک نظر قیس پر ڈالی۔ وہ قیس کی نظروں کو دیکھ کر مسحور ہوگئی اُس نے دبی زبان سے کہا "قیس!... مجھے تم سے... محبت ہے"

اس روح پرور نغمہ نے قیس کو زندہ کر دیا۔ وہ خوش ہو گیا۔ ازدیاد مسرت سے اس کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔

حوروش عذرا شرما گئی۔ اُس کے پھول سے رخساروں پر بڑھی ہوئی حیا کے باعث عرق آگیا۔ اس سے اسکی رعنائی اور بھی دلفریب ہوگئی۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے شرم آلود نظروں سے قیس کو دیکھ کر کہا "قیس! بہت دیر ہوگئی۔ آؤ اب واپس چلیں۔"

قیس بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا اُسے قریب ہی مشرق کی طرف جھاڑی کے نیچے ایک نوجوان عرب بیٹھا ہوا پانی سے کھیلتا نظر آیا وہ ان دونوں کے بہت ہی قریب تھا۔ قیس کو خوف ہوا کہ کہیں اُس نے ان دونوں کی باتیں تو نہیں سُن لیں۔ تھوڑی ہی دیر دیکھنے سے قیس کو اطمینان ہو گیا۔ کہ اس نے ان دونوں کی گفتگو کا ایک لفظ بھی نہیں سُنا۔ کیونکہ وہ پانی سے کھیلنے میں کچھ ایسا محو تھا کہ اسے مافیہا کی خبر نہ تھی۔ لیکن قیس اس

گے کتان کے کپڑے دیکھ کر متعجب ہوا۔ کیونکہ اس وقت تک تمام عرب موٹے کپڑے پہنتے تھے مگر اس نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔ کیونکہ۔ عذرا واپس لوٹ چکی تھی۔ وہ بھی جلدی سے لپک کر عذرا کے ہمراہ ہو گیا۔ اب یہ دونوں آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے چلے اور سبزہ زار میدان کو عبور کر کے خیمہ میں داخل ہوئے۔

عامر قنسرین سے آ گیا تھا۔ وہ خیمہ میں موجود تھا۔ کھانا تیار ہو گیا تھا۔ عامر نے قیس کو دیکھ کر کہا۔ قیس! کہاں چلے گئے تھے؟ عرصہ سے کھانا تیار ہے۔"

قیس عامر کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ اُس نے کہا "جی میں اور عذرا چشمہ کے کنارے پر بیٹھے تھے۔"

اس وقت لیلیٰ بھی خیمہ میں آ گئی تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ "واہ وا! دونوں سودائی ہو گئے۔ بھلا چشمے کے کنارے پر بیٹھنے سے کیا فائدہ؟"

قیس نے ندامت خیز لہجہ میں جواب دیا" جی کچھ بھی نہیں۔ عذرا بیٹھی پانی سے کھیل رہی تھی۔ میں بھی اس کے پاس جا بیٹھا۔"

لیلےٰ نے ہنسکر کہا۔ "اور تم بھی پانی سے کھیلنے لگے۔"

قیس نے سادگی سے جواب دیا۔ "بس آپ تو بیٹھے ہی رہے۔"

عامر بھی ہنس پڑا۔ عذرا بھی مسکرانے لگی۔ خیریت ہوئی اس وقت شوخ و شریر سلمہ موجود نہیں تھی۔ ورنہ وہ اس وقت کبھی نہ چوکتی۔ اور کوئی نہ کوئی ایسا فقرہ ضرور کہہ دیتی جس سے قیس کو بہت زیادہ شرمندہ ہونا پڑتا۔

تھوڑی دیر میں ان لوگوں نے کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کیا۔ ابھی یہ اچھی طرح آرام کرنے بھی نہ پائے تھے کہ ظہر کی اذان ہوئی۔ عامر اور قیس نماز پڑھنے کے لئے چلے گئے۔ یہ دونوں چشمہ کے کنارے پر پہونچے۔ یہاں کنارہ پر دور تک مسلمان بیٹھے وضو کر رہے تھے۔ یہ دونوں بھی ایک طرف بیٹھکر وضو کرنے لگے وضو سے فارغ ہو کر انہوں نے کھلے ہوئے میدان میں کھڑے

ہو کر پہلے سنتیں پڑھیں۔ پھر فرض ادا کئے۔ فرض سے فارغ ہو کر عامر نے دوسرے روز کوچ کرنے کا اعلان کر دیا۔

لوگوں نے کوچ کی تیاری شروع کر دی۔ اسباب باندھا جانے لگا۔ سامان کی دیکھ بھال ہونے لگی۔ اس دیکھ بھال اور باندھ جوڑ میں عصر اور عصر سے مغرب کا وقت ہو گیا۔ مغرب کے وقت سب نے کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر عشا کی نماز پڑھی۔ اور سو رہے۔ صبح یہ سب لوگ بہت سویرے بیدار ہوئے حوائج ضروری سے فارغ ہو کر انہوں نے صبح کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر مسلح ہوئے۔ عورتیں بچے اور بوڑھے محملوں شغدفوں پر سوار ہوئے۔ نوجوان گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ عامر نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ نعرہ کی آواز بلند ہوتے ہی تمام مسلمانوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر کے نعرہ کی تکرار کی اور یہ مختصر لشکر قدم قدم حلب کی طرف روانہ ہوا۔

پانچواں باب

رخصت

گریہ شوق سے نکلے جو تمہارے آنسو
بن گئے ہیں فلک حسن کے تارے آنسو

عامر کو قلعہ حلب میں پہنچنا تھا۔ اگرچہ ایک تیز رو گھوڑا صرف ایک دن میں قنسرین سے حلب جا سکتا تھا۔ لیکن عامر آہستہ روی سے چل رہا تھا۔ اس نے قنسرین سے حلب تک دو مقام کئے۔ تیسرے روز وہ حلب کے قریب جا پہنچا۔

عامر کی آمد کی خبر حلب میں پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ حلب کے مسلمان اس لئے لشکر کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ اگرچہ یہ لشکر کچھ زیادہ نہیں تھا۔ کل ڈھائی ہزار تھا۔ مگر اس وقت اس لشکر کا آنا بھی بسا غنیمت تھا۔

ایک روز دوپہر سے قبل قنسرین کی طرف سے غبار اڑتا نظر آیا۔ حلب کے

مسلمانوں نے اس غبار کو دیکھا وہ خوش ہو گئے۔ انہوں نے قیاس سے سمجھ لیا کہ اس غبار کے پیچھے مسلمانوں کا لشکر ہے۔ فوراً سالار اعظم حضرت ابو عبیدہ نے تمام لشکر کو مسلح ہو کر آنے والے مجاہدین کے استقبال کا حکم دیا چشم زدن میں سارے مسلمان مسلح ہو گئے۔ وہ صف بستہ ہوئے۔ انہوں نے "اللہ اکبر" کا فلک شگاف نعرہ بلند کیا اور آہستہ آہستہ قنسرین کی طرف بڑھے۔

حلب کے عیسائیوں نے مسلمانوں کے نعرہ کی آواز سنی۔ وہ دوڑ دوڑ کر شہر اور قلعہ سے باہر نکل آئے۔ اور راستہ کے دونوں طرف کھڑے ہو کر حیرت سے مسلمانوں کو قنسرین کی طرف کوچ کرتے ہوئے دیکھنے لگے۔

مسلمانوں نے حلب کا قلعہ اور شہر دونوں فتح کر لئے تھے۔ قلعہ میں مسلمانوں نے چھاونی قایم کر لی تھی۔ یہاں کے عیسائیوں نے جزیہ کی ادائیگی پر مسلمانوں سے صلح کر لی تھی۔ وہ مسلمانوں کو قنسرین کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر اس لئے حیران ہو رہے تھے کہ انہوں نے سنا تھا کہ مسلمان انطاکیہ پر یورش کرینگے

ابھی مسلمان تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ سامنے سے بلند ہونے والے غبار کا دامن چاک ہوا اور محملوں کے کلس۔ اونٹوں کی لمبی لمبی گردنیں۔ اور سیاہ اسلامی علم نظر آنے لگے۔ اور آگے بڑھنے پر عربوں کے عمامے اور عباؤں کے لمبے لمبے دامن ہوا میں لہراتے دکھائی دینے لگے۔ آنیوالا لشکر قدم قدم آرہا تھا۔ آفتاب کی کرنیں۔ تلواروں خودوں۔ نیزوں اور محملوں کے کلسوں پر پڑ کر ایسی چمک دمک پیدا کر رہی تھیں کہ آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔

اب دونوں لشکر بالکل قریب آگئے۔ آنیوالا لشکر عساکر کا تھا۔ اس لشکر نے مسلمانوں کو اپنے استقبال کے لئے آتا ہوا دیکھ کر دور ہی سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ استقبال کرنے والوں نے بھی۔ اس نعرہ کی تکرار کی۔ ان نعروں کی آواز پہاڑی گھاٹیوں سے ٹکرائی۔ آواز بازگشت پیدا ہوئی۔ یا یوں سمجھو کہ اس مبارک کلمہ کی تکرار پتھروں۔ کنکروں اور درختوں

نے بھی کی۔

اس آنے والے اور استقبال کرنے والے مسلمان سب ہی بہت زیادہ مسرور تھے۔ جب یہ دونوں لشکر ملے تو مسلمانوں نے ایک دوسرے کو سلام کیا اور مصافحے ہوئے۔ خیر وعافیت دریافت کی گئی۔ عامر بڑھ کر ابوعبیدہ کے قریب آئے۔

ابوعبیدہ ضعیف العمر تھے۔ ان کی داڑھی لمبی اور سفید تھی۔ رنگ گندمی تھا۔ پیشانی بلند اور کشادہ تھی جس سے اقبال مندی کا اظہار ہوتا تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ جن میں علم ومروت کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔ ناک لمبی اور نوک پر کسی قدر خمیدہ تھی۔ رخسارے کسی قدر بیٹھے ہوئے تھے لیکن نہ ایسے جو بدنما معلوم ہوں۔ ان کے قویٰ مضبوط تھے۔ وہ زرہ بکتر پر عربی وضع کی لمبے دامنوں والی موٹے اون کی عبا تھی۔ کمر میں پیٹی کسی ہوئی تھی پیٹی میں پر تلہ تھا۔ پر تلہ میں تلوار لٹک رہی تھی۔ بائیں شانہ پر کمان۔ کمان پر ترکش اور ترکش پر ڈھال پڑی تھی۔ داہنے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ بائیں ہاتھ میں گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے اور اسلامی علم اٹھائے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کا افسر اعلیٰ ملک شام کا حاکم، کمشنر ملک سوریہ کا والی اس شان سے عربی گھوڑے پر سوار تھا۔ عام مسلمانوں میں اور ان میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ عامر نے قریب آکر انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیکر نہایت گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ خیر وعافیت دریافت کی۔ راستہ کا حال پوچھا۔ عامر نے مختصر سب کا مناسب جواب دے کر کہا۔ یا امین الامتہ! (ابوعبیدہ کی کنیت ہے) میں اس اعزاز کے قابل کیسے ہوا کہ آپ خود معہ تمام مجاہدین کے میرے استقبال کو دوڑے چلے آئے۔

ابوعبیدہ نے جواب دیا۔ "عامر! تم یمن کے رئیس ہو۔ جہاد کرنے آئے۔ میں کیسے تمہارے استقبال کو نہ آتا۔"

عامر کی آنکھوں میں آنسو وفور مسرت ومحبت سے جھلک آئے۔ اُس نے کہا: یا سردار المسلمین! آپ وہ ہیں جنہیں حضرت رسول خدا صلعم نے امین الامتہ کا خطاب دیا۔ آپ عرصہ سے جہاد کر رہے ہیں۔ آپ کی قوت بازو نے ملک شام کے اُن مشہور شہروں اور قلعوں کو فتح کر لیا ہے جن پر عیسائیوں کو ناز تھا۔ اور جو واقعی ناقابل تسخیر سمجھے جاتے تھے۔ اس وقت ساری دنیا میں آپ کی شہرت ہے۔ رومی آپ کا نام سُنکر کانپتے ہیں۔ آپ کے کارنامے تواریخ میں جلی قلم سے لکھے جائیں گے۔ انشاء اللہ قیامت تک آپ کا نام لوگوں کی زبان پر رہے گا۔ میں ایک ناچیز ہستی ہوں۔ گمنام ہوں۔ یمن کا رئیس سہی۔ لیکن آج تک میں نے اسلام کی کوئی خدمت نہیں کی۔ آپ کو مجھ جیسا ناچیز ہستی کے لئے اس قدر تکلیف گوارا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

ابو عبیدہ نے کہا: عامر! میں نے اب تک جو کچھ کیا ہے۔ حاشا ناموری کے لئے نہیں کیا۔ دنیا میں میرا نام مشہور ہو جائے یا تاریخ میں جلی قلم سے لکھا جائے۔ مجھے کیا فائدہ؟ ہاں اگر خدا کے نیک بندوں میں میرا شمار ہو جائے فرشتے میرا نام نیک بندوں کی فہرست میں شامل کریں۔ خدا کا رسول صلعم میرے کارناموں سے خوش ہو جائے۔ خدا راضی ہو جائے تو میرے لئے سب کچھ ہے۔ میں سمجھوں میری محنت ٹھکانے لگی۔ مجھے میری محنت اور جانکاہی کا انعام مل گیا۔ اب میرا ضعفی کا عالم ہے۔ یہ دن گوشہ نشین ہو کر اللہ اللہ کرنے کے تھے۔ لیکن میں نے گوشہ نشین ہو کر عبادت و ریاضت کرنے پر جہاد کو اس لئے ترجیح دی۔ کہ شاید میں خدا کی خوشنودی حاصل کر سکوں۔ عامر! یہ دنیا اور اس دنیا کا ساز و سامان چند روزہ ہے۔ اس کی دلفریبیاں عارضی ہیں۔ اس دار فانی میں آکر وہ عصیاں ہونا سخت کم فہمی ہے۔ انسان وہ کام کرے جس سے عاقبت میں آرام و سکون حاصل ہو۔ عالم آخرت ہمیشگی کی جگہ ہے۔ جس نے دنیا میں تکلیف اٹھائی اور صبر و شکر سے تکلیف برداشت کی۔ احکام خداوندی کی تعمیل کرتا

رہا۔ یقیناً اُس کی نجات ہوگی۔ اور جس کو نجات ہوگئی۔ اسے دائمی راحت و آرام حاصل ہوا۔ اُس سے زیادہ کون خوش قسمت ہو سکتا ہے۔ وہ انسان سب سے زیادہ بدبخت ہے جو گناہوں میں سرشار ہو کر چند روزہ عیش و عشرت کی بدولت خدا کا غضب مول لے اور آخرت میں دہکتی ہوئی آگ میں ڈھکیل دیا جائے ''

عامر نہایت غور سے سالار اعظم کی گفتگو سن رہا تھا۔ جب وہ خاموش ہوئے تو عامر نے کہا ''سالار اعظم! میں گوشہ میں ایک طرف بیٹھا عبادت ریاضت میں مشغول تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا ایک بزرگ شخص جن کی صورت نہایت نورانی تھی میرے پاس آئے اور کہا '' عامر! تم یہ سمجھتے ہو کہ ایک کونے میں بیٹھکر عبادت و ریاضت کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کر لو گے؟ اگر تمہارا یہ خیال ہے تو محض غلط ہے۔ خدا کی خوشنودی اس طرح حاصل نہیں ہو سکتی آجکل جانبازان اسلام مصروف جہاد ہیں۔ ان کی امداد کے لئے سرفروشوں کی ضرورت ہے جہاد سے بڑھکر کوئی عبادت نہیں۔ اُٹھو اور جہاد کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کرو۔ میں فوراً بیدار ہو گیا اور جلد سے جلد تیاری کر کے شہادت کی آرزو میں جہاد کرنے گھر سے نکل کر سیکڑوں کوس کے فاصلہ پر آیا ہوں۔ میری آرزو ہے کہ خدا مجھے شہادت عطا فرما دے۔ باری تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ شہید مرتے نہیں بلکہ زندہ رہتے ہیں اور یہ کہ شہیدوں کے لئے آخرت میں آرام ہی آرام ہے۔

ابو عبیدہ۔ بیشک۔ جہاد سے بڑھکر کوئی عبادت نہیں۔ عبادت و ریاضت میں شب بیداری کرنے سے جہاد کرنا ہزار درجہ افضل ہے۔ خدا کے نزدیک محبوب ترین فعل جہاد ہے ..... اب چلو لشکر گاہ میں چلکر آرام کرنا

اب ابو عبیدہ نے لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔ لشکر واپس ہو کر آہستہ آہستہ چلا۔ تھوڑی دیر میں یہ لشکر فرودگاہ پر پہنچا تمام لشکر اتر پڑا۔ جو لشکر پہلے سے

خیمہ زن تھا وہ اپنے اپنے جائے قیام پر چلا گیا۔ عامر کے لئے لشکر کے شمال کی طرف کھلے ہوئے میدان میں جگہ بتائی گئی۔ عامر کے ہمراہیوں نے اس میدان میں جلد جلد خیمے اور راوٹیاں نصب کر لیں۔

مسلمانوں کا لشکر نہایت قرینے سے دور تک خیمہ زن تھا۔ اُس میں باقاعدہ سنتریں قایم تھیں۔ ہر سنتر نہایت وسیع تھی۔ عامر کے ہمراہیوں نے بھی دو سنتریں قایم کیں۔

اب دوپہر کا وقت ہو گیا تھا۔ مسلمان کھانے کا بندوبست کرنے لگے۔ عامر نے اپنے لئے لشکر کے کنارے پر خیمہ نصب کر لیا تھا۔ وہ اپنے خیمہ کے اندر داخل ہوا۔ خیمہ میں کمبل کا فرش تھا۔ عامر فرش پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں قیس بھی آکر عامر کے پاس بیٹھ گیا۔ لیلیٰ اور سلمہ کھانا تیار کرنے لگیں۔ عذرا پہلے ہی سے عامر کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ عامر نے کہا۔ "قیس! میری سب سے بڑی آرزو ہے۔ کہ خدا مجھے شہادت عطا فرمائے۔ اگر میں شہید ہو جاؤں...."

قیس نے قطع کلام کر کے کہا۔ "جو آرزو آپ کی ہے۔ وہی میری ہے۔ اور میری اور آپ کی ہی کیا ہر مسلمان کی یہی آرزو ہے۔ شہادت غیر مترقبہ نعمت ہے ہم سب لوگ جہاد کرنے اسی امید میں آئے ہیں۔"

عامر۔ یہ سچ ہے۔ لیکن قیس! شہادت بڑے قسمت والے کو نصیب ہوتی ہے۔ میرے عزیز فرزند! تم نے راستہ میں جو میری خدمت کی ہے۔ اُس نے میرے دل میں بہت کچھ تمہاری محبت اور عزت پیدا کر دی ہے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے۔ کہ شاید میں شہید ہو جاؤں۔ ممکن ہے کہ مجھے ایسی عجلت میں شہادت نصیب ہو کہ وصیت بھی نہ کر سکوں۔ اس لئے میں اپنی بیٹی عذرا کے سامنے آج ہی وصیت لئے دیتا ہوں۔ قیس! اگر میں شہید ہو جاؤں تو تم......"

حوروش عذرا نے اپنے باپ کو تحیر خیز نظروں سے دیکھ کر قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "ابا! کیا تم......"

عامر نے جلدی سے کہا۔ "بیٹی عذرا! مجھے حیرت ہے۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے جب جنگ ہوتی ہے۔ تو ہزاروں آدمی دم بھر میں شہید ہو جاتے ہیں اور جب جنگ پر مسلمان جا رہے ہیں اُس میں اِس کا بہت کچھ امکان ہے۔ کیونکہ ۱۰۔۱۱ لاکھ عیسائی اس وقت تک انطاکیہ میں جمع ہو چکے ہیں۔ مسلمان زیادہ سے زیادہ ۲۰ ہزار ہیں۔۔ ہاں بیٹا قیس! اگر میں شہید ہو جاؤں۔ تو تم میرے عزیزوں کی خبر گیری کرنا۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ میں اس طرف سے غافل رہا۔ میں نے تمہاری کوئی مدد نہیں کی۔ اب اُسکی تلافی کرنا چاہتا ہوں میرے ترکہ میں سے نصف حصہ تمہارا ہوگا اور نصف حصہ لیلیٰ اور عذرا کا

قیس حیرت زدہ ہوا۔ اس نے حیرت خیز نظروں سے عامر کو دیکھ کر کہا "آپ۔۔۔

عامر نے قطع کلام کر کے کہا "ہاں میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں۔ اب اس فیصلہ میں ترمیم نہیں کر سکتا"

قیس: لیکن یہ عذرا کی حق تلفی ہے۔

عامر۔ بالکل نہیں۔ تم میرے بھتیجے ہو۔ عذرا بیٹی ہے۔ میرے کوئی لڑکا نہیں ہے۔ اگر میرے کوئی لڑکا ہوتا تو نصف حصہ اسے ملتا۔ میں نصف حصہ تمہیں دیتا ہوں۔ اس میں کسی کی حق تلفی نہیں ہے۔

قیس۔ میری تو یہ دعا ہے۔ کہ خدا آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سر پر قایم رکھے۔

عامر نے کبیدہ خاطر ہو کر کہا "یہ میرے لئے دعا ہے۔۔۔۔ قیس! میں نے عذرا کے سامنے وصیت کر دی ہے۔ تم اس وصیت پر کاربند رہنا"

قیس کچھ کہنا چاہتا تھا کہ لیلیٰ کھانا لے کر آ گئی۔ کھانا چنا گیا سب نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کیا۔ تھوڑی دیر میں ظہر کی اذان ہوئی اذان کی آواز سنتے ہی قیس اور عامر اُٹھ کر خیمہ سے باہر آئے۔ اُنہوں نے مسلمانوں کو ایک نہایت وسیع میدان میں جمع ہوتے ہوئے دیکھا یہ دونوں بھی چل کر اس میدان میں پہنچے۔ اس میدان کے مغربی گوشہ میں نہر کاٹ کر لائی گئی تھی۔ مسلمان

اس نہر کے کنارے پر برابر برابر دور تک بیٹھے ہوئے وضو کر رہے تھے
عامر اور قیس بھی ایک طرف بیٹھ کر وضو کرنے لگے۔ وضو کرکے لوگ
کھلے ہوئے میدان میں سبز سبز گھاس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے
تھوڑی ہی دیر میں یہ تمام میدان خدا کے پرستاروں سے پر ہو گیا۔ ابو عبیدہؓ
کے آتے ہی جماعت کھڑی ہوئی۔ سو۔ سوا سو صفیں قایم ہوئیں۔ ہر صف
میں پانچ پانچ سات سات رؤسائے عرب یا لشکر کے سردار آگے بڑھ کر
صفوں کو سیدھا کرنے لگے۔ سب سے پیچھے دو تین صفیں خود ہی سیدھی کریں
جب سب صفیں سیدھی ہو گئیں۔ تو موذن نے تکبیر کہی۔ تکبیر کے بعد حضرت
ابو عبیدہ نے نیت باندھی۔ نماز شروع ہوئی۔ چونکہ نمازیوں کی صفیں دور
تک پھیلی ہوئی تھیں۔ امام کی آواز تمام مقتدیوں تک نہیں جا سکتی تھی۔
اس لئے ۵۰۔۶۰ مسلمان بلند آواز سے تکبیر بھی کہہ کر ارکان نماز
ادا کر رہے تھے۔ تقریباً نصف گھنٹہ میں جماعت ختم ہوئی۔ جماعت کے
بعد دعا مانگی گئی۔ دعا کے بعد حضرت ابو عبیدہ نے تمام مسلمانوں کو سنتیں
پڑھ کر بیٹھے رہنے کا حکم دیا۔ جو لوگ تکبیریں کہہ رہے تھے۔ انہوں نے
کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکار دیا کہ سنتیں پڑھ کر سب لوگ بیٹھے
رہیں۔ سنتیں پڑھ پڑھ کر سب لوگ نہایت خاموشی اور سکون سے
بیٹھ گئے۔ اُنہوں نے آج کل کے مسلمانوں کی طرح فضول باتوں
کا سلسلہ شروع نہیں کیا۔

ابو عبیدہ سنتیں پڑھ کر بیٹھے۔ انہیں اُس وقت مسلمانوں سے
کوئی مشورہ کرنا تھا۔ چونکہ تمام مسلمانوں سے مشورہ کرنا دشوار تھا
اس لئے انہوں نے اپنے غلام کو بھیجکر سرداروں کو طلب کیا۔ بہت جلد
تمام سردار ابو عبیدہ کے قریب آکر بیٹھ گئے۔ جب سب لوگ آگئے۔ تو
ابو عبیدہ نے کہا۔

مسلمانو! میں جس لشکر کا انتظار کر رہا تھا وہ آج آگیا۔ دربار خلافت سے انطاکیہ پر یورش کرنے کی اجازت بھی آگئی ہے۔ اب مشورہ کہ کس طرح انطاکیہ پر لشکر کشی کی جائے۔

ابو عبیدہ کے سامنے ایک نوجوان عرب بیٹھا تھا۔ اس کا رنگ کسی قدر سیاہ تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ قوئ نہایت مضبوط تھے۔ سینہ کشادہ تھا اس عرب کا نام ضرار تھا۔ یہ پر جوش مجاہد تھا۔ تمام ملک شام میں اس کی بہادری کا شہرہ تھا۔ یہ اکثر گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر ننگے بدن صرف ایک تہ بند باندھ کر نیزے سے لڑا کرتا تھا۔ عیسائیوں پر اس کی ایسی دھاک بندھی ہوئی تھی۔ کہ اس کا نام سنکر کانپ جاتے تھے۔ اس نے کہا۔ سالار اعظم میرے خیال میں ابھی انطاکیہ پر یورش نہ کی جائے بلکہ انطاکیہ کے قریب جو مواضعات یا قصبے ہیں۔ ان پر تاخت کی جائے۔

ضرار کے قریب ہی ایک طویل القامت شخص بیٹھے تھے۔ یہ اس قدر دراز قد تھے۔ کہ جب گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو ان کے پیر زمین سے مل جاتے تھے۔ یہ نہایت قوی الجثہ دوہرے بدن کے پر رعب صورت کے آدمی تھے۔ عیسائی ان کو دیکھ کر ہی لرز جاتے تھے۔ ان کا نام مالک بن اشتر تھا۔ انہوں نے کہا۔ میں نہیں سمجھتا اس میں کیا فائدہ ہے اس سے تو دشمنوں کو اور استحکام کا موقع ملے گا۔ میری تو یہ رائے ہے کہ ہم اس امدادی لشکر کی آمد ہی کا انتظار نہ کرتے۔ قاصد کے یہاں سے جانے اور واپس آنے میں دو مہینے لگ گئے۔ یہ دفعہ ہرقل اعظم (رومی شہنشاہ) کو لشکر فراہم کرنے اور قلعہ کے استحکام کے لئے جان بوجھ کر دیا گیا۔ اب مزید موقع دینا دانشمندی کے خلاف ہے۔ اب ہمیں ایک روز کا بھی توقف کئے بغیر فوراً انطاکیہ پر حملہ کر دینا چاہئے۔

مالک اشتر کے سامنے ایک ادھیڑ عمر کے خوشرو عرب بیٹھے تھے۔ یہ بھی قوی الجثہ تھے۔ ان کی بہادری کا بھی شہرہ تھا۔ ان کا نام میسرہ

۔۔۔۔۔۔۔ انہوں نے کہا ہر شخص کی رائے ایک دعویٰ ہے اور ہر دعویٰ کی دلیل ہوتی ہے۔ ہمیں نکتہ چینی کرنے سے پہلے دلائل کو سن لینا چاہیئے۔ اس بات کو سب جانتے ہیں۔ کہ ضرار صائب الرائے ہیں انکی رائے کے ساتھ دلائل ضرور ہونگے۔ پہلے ان کے دلائل سن لو پھر رائے قائم کرو

میسرہ کے قریب ایک اور مضبوط جسم کے عرب بیٹھے تھے۔ ان کے چہرہ سے شجاعت ہویدا تھی۔ ان کا نام رافع تھا۔ انہوں نے کہا بیشک میسرہ نے سچ کہا پہلے ضرار کے دلائل سن لینا چاہئیں۔

ابو عبیدہ نے ضرار سے مخاطب ہو کر کہا ضرار! بتاؤ تم کن دلائل کی بناپر انطاکیہ پر یورش کرنا نہیں چاہتے؟

ضرار سنبھل کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے کہا ہمارے جاسوسوں نے اس وقت تک انطاکیہ میں لاکھوں آدمی جمع ہو چکے ہیں۔ جو سب کے سب لڑنے والے نہیں ہیں۔ بلکہ بیشتر تعداد ناکارہ آدمیوں کی ہے۔ جب ہم انطاکیہ کے قرب و جوار کے دیہات اور قصبات پر تاخت و تاراج کریں گے۔ تو وہاں سے عیسائی دوڑ دوڑ کر انطاکیہ ہی میں پناہ لیں گے۔ اس سے ناکارہ عیسائیوں کی تعداد زیادہ جمع ہو جائے گی۔ چونکہ رسد کا خرچ بڑھ جائے گا۔ اس لئے رسد کا ذخیرہ جلد ختم ہو جائے گا۔ جب رسد ختم ہو جائے گی۔ تو ہرقل اعظم ان عیسائیوں کو جو ناکارہ ہیں انطاکیہ سے نکال دے گا۔ ایسی صورت میں جو لوگ نکالے جائیں گے۔ ان کے دوست یا عزیز برہم ہوں گے۔ اس سے انہیں تفرقہ اندازی ہو گی۔ اور کیا عجب ہے۔ کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ ہم بغیر لڑے بھڑے ہی انطاکیہ پر قبضہ کر لیں۔

مالک اشتر نے کہا جب تو میں نے غلطی کی کہ بغیر آپ کے دلائل سنے نکتہ چینی شروع کر دی۔ بے شک ضرار کی رائے نہایت ہی مناسب ہے۔

ابو عبیدہ کے قریب ہی ایک اور گرانڈیل قوی الجثہ عرب بیٹھے تھے
ان کا سینہ نہایت کشادہ تھا۔ داڑھی گھنی۔ لمبی اور سیاہ تھی۔ پیشانی بلند
اور آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ ان کا رنگ کسی قدر سانولا تھا۔ چہرے پر چیچک
کے داغ تھے۔ ان کا نام خالد تھا۔ ان کی بہادری کا ایران اور شام
دونوں ملکوں میں شہرہ تھا۔ یہ سیف اللہ کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا نام سنتے
ہی بہادر سے بہادر عیسائی کے بدن میں لرزہ پڑ جاتا۔ یہ ابھی تک خاموش تھے
ابو عبیدہ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے ابا سلیمان (حضرت خالد کی کنیت
ہے) آپ نے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔

خالد نے جواب دیا۔ اے امین الامتہ! یہ بات دو ماہ سے مشہور ہو چکی
کہ مسلمان انطاکیہ پر یورش کرنے والے ہیں۔ ہرقل اعظم نے صرف ابھی
وقت سے نہیں جب سے انطاکیہ پر حملہ کی خبر گرم ہوئی ہے۔ بلکہ اس وقت
سے جب سے ہم نے قلعہ حلب پر حملہ کیا تھا قلعہ کا استحکام اور لشکر کی فراہمی
شروع کر دی تھی۔ گویا اُسے جو کچھ تیاری کرنی تھی کر چکا۔ اگر اُسے مزید
مہلت اور بھی ملے تو اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کر سکے گا۔ جو اس وقت
تک کر چکا ہے۔ اس لئے یہ ہی مناسب ہے۔ کہ پہلے انطاکیہ کے مضافات
پر تاخت کی جائے۔

ابو عبیدہ نے عامر سے مخاطب ہو کر کہا عامر! آپ کی کیا رائے ہے؟
عامر نے جواب دیا۔ میں آج ہی یہاں آیا ہوں۔ مجھے یہاں کے حالات
اور جاسوسوں کی اطلاعات کا علم نہیں ہے۔ اس لئے میں کیا رائے دے سکتا
ہوں۔ اس وقت میں نے جو کچھ سنا ہے۔ اس سے اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ سردست
ضرار کی رائے پر ہی عمل کرنا چاہیے

ابو عبیدہ نے کہا جب سب کا یہی مشورہ ہے۔ تو کل صبح ایک مختصر دستہ
تاخت و تاراج کے لئے بھیجا جائے۔

عامر۔ جی ہاں۔ اب تاخیر کرنا فضول ہے۔ اگر چند دستے متفرق طور پر بھیجے جائیں تو مناسب ہے

قیس ابھی تک خاموش بیٹھا تھا۔ اُس نے حضرت ابو عبیدہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ میرے خیال میں زیادہ دستوں کا بھیجنا مناسب نہیں ہے۔ اسی ہماری قوت منتشر ہو جائے گی۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ جس طرح ہمارے جاسوس انطاکیہ میں موجود ہیں۔ اسی طرح عیسائیوں کے جاسوس ہمارے لشکر میں بھی ہوں گے۔ جب ہرقل اعظم کو معلوم ہوگا کہ بہت تھوڑا لشکر مسلمانوں کا حلب میں باقی رہ گیا ہے۔ تو وہ موقع پاکر ہمارے بقیہ لشکر پر حملہ کر دے گا۔ اس سے ممکن ہے۔ کہ ہمیں نقصان پہنچ جائے اس کے علاوہ صرف ایک دستہ بھیجنے سے یہ بھی اندازہ ہو جائے گا۔ کہ عیسائیوں پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔

قیس نوجوان تھا۔ کسی نوجوان کا صائب الرائے ہونا مشکل ہے۔ ابو عبیدہ حیرت سے اس کی گفتگو سن رہے تھے۔ جب قیس خاموش ہوا تو ابو عبیدہ نے کہا۔ صاحبزادے! تم کس کے لڑکے ہو؟"

عامر نے کہا یہ میرے بھتیجے ہیں۔ ان کا نام قیس ہے۔ یہ طارق بن ارشد کے بیٹے ہیں۔

ابو عبیدہ نے مسکرا کر کہا کیوں نہ ہو۔ جیسا باپ عقل مند۔ مدبر۔ اور بہادر تھا۔ ویسا ہی بیٹا بھی ہے۔ ماشاء اللہ خدا عمر دراز کرے۔ قیس تمہاری رائے نہایت مناسب ہے۔ صرف ایک دستہ کل صبح فجر کی نماز کے بعد روانہ ہونا چاہیے۔ اس دستہ میں صرف دو سو مجاہدین ہوں۔ پچیس پچیس مجاہدین پر ایک ایک سردار ہو۔ اور کل دستہ کا ایک سپہ سالار ہو۔ سپہ سالار کو میں منتخب کئے دیتا ہوں۔ سرداروں کو سپہ سالار خود منتخب کرے گا۔ میں اس دستہ کا سپہ سالار ضرار کو مقرر کرتا ہوں۔

ضرار خوش ہو گئے۔ وہ مسکرائے۔ انہوں نے کہا۔ اس انتخاب پر میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں اپنے نائبوں کو خود منتخب کر لوں گا۔

ضرار نے قیس کو دیکھ کر کہا۔ قیس سب سے پہلے میں تمہیں نائب سپہ سالار منتخب کرتا ہوں۔

قیس اس قدر خوش ہوا کہ فرطِ مسرت سے اس کا چہرہ شگفتہ ہو گیا۔ آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے کہا میں بصد شکریہ اس اعزاز کو قبول کرتا ہوں

ضرار نے قیس کے بعد سات آدمیوں کو اور منتخب کیا۔ جب آٹھوں سردار منتخب ہو گئے تو ابو عبیدہ نے دو سو سواروں کو منتخب کر کے حکم دیا کہ وہ صبح کی نماز پڑھتے ہی روانہ ہو جائیں۔

اب عصر کا وقت ہو گیا تھا۔ اذان ہوئی۔ مسلمانوں نے عصر کی نماز پڑھی۔ جب نماز پڑھ کر مسلمان منتشر ہونے لگے تو ابو عبیدہ نے ضرار کو روک کر کہا۔ ضرار! تم اس ملک کے راستوں سے ناواقف ہو۔ تمہیں ایک رہبر کی ضرورت ہے۔ یوشا رومی اس نواح کے راستوں سے خوب واقف ہے۔ میں علی الصباح اسے تمہارے خیمے پر بھیج دوں گا اسے اپنے ہمراہ رکھنا۔

ضرار نے کہا نہایت مناسب ہے۔

مسلمان اپنے اپنے جائے قیام پر پہونچے۔ جن لوگوں کو جہاد پر جانے کا حکم ہوا تھا۔ انہوں نے ابھی سے تیاریاں شروع کر دیں۔ ان کے دوست احباب اور عزیز ان کے پاس آ آ کر مبارکباد دینے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں مغرب کی اذان ہوئی۔ مسلمانوں نے مغرب کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر عامر اور قیس کھانا کھایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر قیس ہتھیاروں اور زرہ کی دیکھ بھال

کرنے لگا۔ روشنی کا تو وہاں کوئی انتظام نہ تھا۔ خیمے کے باہر آگ کا الاؤ روشن
تھا۔ قیس اس الاؤ کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ عامر۔ لیلےٰ۔ سلمہ اور عذرا بھی وہیں
آ بیٹھیں۔ لیلےٰ نے دریافت کیا۔ قیس اس وقت ہتھیاروں کی دیکھ کیوں
کر رہا ہے۔

عامر نے کہا۔ قیس بڑا خوش قسمت ہے۔ کل ایک دستہ جہاد پر روانہ ہوگا
قیس اس دستہ میں جائے گا۔

شوخ سلمہ نے کہا "خوب! ہم میں سے کسی کو خبر بھی نہیں کی چپکے ہی چپکے
تیاری شروع کر دی۔ قیس! لاؤ ہم بھی تمہارا کچھ کام کر کے ثواب میں داخل
ہو جائیں۔

قیس نے شوخ دوشیزہ سلمہ کو دیکھ کر جواب دیا۔ سلمہ! تمہارا شکریہ۔ یہ
یہ کوئی ایسا کام نہیں ہے۔ جسے تم کر سکو۔

سلمہ نے مسکرا کر کہا "میں کیا نہیں کر سکتی، تلواروں کو بھی صیقل کر
سکتی ہوں۔ نیزوں کو صاف اور تیروں کے پروں کو سیدھا کر سکتی ہوں۔
میں عذرا کی طرح نازک نہیں ہوں۔

قیس نے بیساختہ کہا۔ کیوں نہیں تم تو میدان جنگ میں جا کر لڑ سکتی ہو۔
اس میں کچھ شک بھی نہیں۔ سلمہ نے مسکرا کر کہا۔

عذرا نے سلمہ کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا سلمہ! تم خود کو بڑا بہادر سمجھتی
ہو۔ لیکن اگر کوئی وقت آئے۔

سلمہ نے قطع کلام کر کے کہا "تو میں مردوں سے بھی آگے بڑھ کر
کافروں سے لڑوں۔

اس کی اس بات پر سب بیساختہ ہنس پڑے۔ عذرا نے کہا کیوں نہیں
تمہارے ہاتھ پیر بھی ایسے ہی مضبوط ہیں۔

سلمہ نے فوراً جواب دیا ہاتھ پیر مضبوط نہیں ہیں تو کیا ہے۔ دل تو مضبوط

ہے۔ ابھی اسی قدر گفتگو ہوئی تھی کہ عشا کی اذان ہو گئی۔ قیس نے جلدی جلدی ہتھیاروں اور زرہوں کو اکٹھا کر کے رکھا۔ اور عامر کے ہمراہ نماز پڑھنے کے لئے روانہ ہوا۔

اس وقت اسلامی کیمپ میں ہر خیمہ اور راوٹی کے سامنے آگ کثرت سے روشن ہو رہی تھی۔ جن لوگوں کے پاس خیمے وغیرہ نہ تھے۔ اُنھوں نے تیروں پر کمبل تان لئے تھے۔ اور اُن کمبلوں کے سامنے آگ روشن کر رکھی تھی۔ ان آگ کے الاؤ کے گرد مسلمان بیٹھے تاپ رہے تھے۔ اذان کی آواز سنتے ہی یہ سب لوگ نماز کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ تمام کیمپ میں عام چلبل ہو گئی۔ آگ کی روشنی میں مسلمان ادھر سے اُدھر آنے جانے لگے۔ ان لوگوں نے عشا کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر واپس لوٹے۔ عامر ابو عبیدہ کے ہمراہ چلا گیا۔ قیس عامر کے خیمہ پر آیا۔

اس وقت ایک چوتھائی رات گذر چکی تھی۔ قمری مہینے کی وسطی تاریخیں تھیں۔ چاند عزوار ہو گیا تھا۔ چاندنی کے پرتو نے اجالا کر دیا تھا۔ قیس خیمہ سے نکل کر کھلے ہوئے میدان میں پہنچا اور چہل قدمی کرنے لگا۔ وہ اس وقت کسی خیال میں ایسا متغرق تھا کہ اُسے ما فیہا کی کچھ خبر نہ تھی۔ ابھی اسے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ کسی نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا وہ چونک پڑا۔ اُس نے گھوم کر دیکھا۔ وہ حور وش عذرا کو سامنے کھڑا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اُس نے فوراً کہا "حور لقا عذرا اس وقت میں تمہیں ہی یاد کر رہا تھا۔

اس وقت حور وش عذرا کے پیارے پیارے چہرے سے افسردگی کے آثار ظاہر تھے۔ اُس نے کہا، "قیس میں اس وقت سب کی نظروں سے چھپکر تمہارے پاس آئی ہوں۔

قیس نے حیرت خیز نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔ تم میرے پاس آئی ہو۔ میں جس قدر بھی اپنی قسمت پر ناز کروں کم ہے۔

عذرا نے متفکر نظروں سے اُسے دیکھ کر کہا۔ ہاں میں تمہارے پاس آئی ہوں تم تعجب کر رہے ہو۔ مجھے اس وقت تم سے ملنا ضرور تھا۔ آؤ ذرا اور آگے بڑھ چلیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہاں سلمہ آجائے۔

قیس حیران تھا کہ عذرا افسردہ خاطر کس لئے ہے۔ اور وہ کیا کہنے کے لئے آئی ہے وہ اس کے ہمراہ ٹہلتے ہوئے میدان کی طرف بڑھا۔ اس میدان میں سبز سبز گھاس کھڑی تھی کہیں کہیں بڑے چھتارے درخت بھی کھڑے تھے۔ چاند بہت کچھ بلند ہو گیا تھا۔ چاندنی گھاس پر لوٹنے لگی تھی اس وقت منظر نہایت ہی دلفریب ہو گیا تھا۔ قیس اور عذرا دونوں میدان میں بڑھے چلے جا رہے تھے چلتے چلتے قیس نے دریافت کیا۔

یا غزالۃ الیمن! میں حیران ہوں کہ آج تم کس لئے مجھ پر اسقدر مہرباں ہو۔

عذرا نے قیس کو غور سے دیکھا۔ اور کہا قیس! تم صبح جہاد پر روانہ ہو جاؤ گے۔ قیس عذرا کے اس سوال پر اور بھی متحیر ہوا۔ اس نے جواب دیا۔ عذرا خوشقسمتی سے میں پہلے ہی دستہ کے ہمراہ جہاد پر جانے کیلئے منتخب کر لیا گیا ہوں۔

اور تم صبح چلے جاؤ گے؟ عذرا نے دریافت کیا۔

قیس نے جواب دیا۔ ہاں میں صبح چلا جاؤں گا؟

عذرا نے یاس بھری نظروں سے قیس کو دیکھ کر کہا۔ قیس! تمہارے جہاد پر جانے کی خبر سن کر میرا دل خوش ہونے کی بجائے کچھ مضطرب ہو گیا ہے قیس نے اپنی پرشوق نگاہیں حوروش عذرا کے چاند سے چہرے پر گاڑ کر کہا۔ تمہارا دل میرے لئے مضطرب ہے۔ کاش اس میں صداقت ہو۔

عذرا۔ گویا میں غلط کہہ رہی ہوں۔

قیس۔ حور لقا عذرا! اگر میں نے .....

عذرا۔ (قطع کلام کر کے) ٹھہرو۔ وقت کم ہے۔ مجھے بہت کچھ کہنا ہے۔ قیس میں سچ کہہ رہی ہوں۔ جب سے میں نے تمہارے جہاد پر جانے کی خبر سنی ہے اسی وقت سے میرا دل مضطرب ہے۔

قیس۔ جب تو مجھے اپنی خوش بختی پر ناز ہے۔ لیکن یہ اضطراب کیوں ہے؟

عذرا۔ میں نہیں کہہ سکتی۔ جی چاہتا ہے۔ تمہیں جہاد پر جانے سے روک دوں

قیس نے انتہائے حیرت سے عذرا کو دیکھکر کہا۔ یہ میں ایک مسلمان لڑکی کی زبان سے کیا سن رہا ہوں۔ کیا تم جہاد کے ثواب سے ناواقف ہو۔ یا مجھے ثواب سے روکتی ہو۔

عذرا نے اپنی ہوشربا آنکھیں جھکا کر جواب دیا قیس! میں جہاد کے ثواب سے بخوبی واقف ہوں۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تمہیں جہاد سے روک کر گنہگار ہو رہی ہوں۔ لیکن دل سے مجبور ہو کر تمہیں روکتی ہوں۔ تم اس دستہ کے ساتھ جہاد پر نہ جاؤ ....

قیس نے قطع کلام کر کے کہا یہ کیسے ممکن ہے۔ میرا انتخاب ہو چکا روانگی کا حکم مل چکا۔ اب میں اگر نہ جاؤں تو ایک تو خدا کی نافرمانی ہوتی ہے۔ دوسرے اپنے ہمعصروں میں سُبکی ہو گی۔ اور میں اپنی نظروں میں آپ ہی حقیر ہو جاؤں گا

عذرا نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ اچھا جاؤ۔ مجھے رنج ہو گا۔ برداشت کرونگی اور خدا سے دعا کروں گی کہ وہ تمہیں مجھ سے جلد ملائے۔

قیس عذرا کی یاس بھری گفتگو سن کر سخت متعجب ہوا۔ اس نے دریافت کیا عذرا۔ تم اس قدر افسردہ خاطر کیوں ہو تمہیں پھر ملنے سے ناامیدی کیوں ہے!

عذرا نے حسرت بھری نظروں سے قیس کو دیکھ کر جواب دیا۔ میں نہیں جانتی ہوں! کوئی غیبی طاقت میرے کان میں کہہ رہی ہے۔ کہ یہ ملاقات ہماری

تمہاری آخری ملاقات ہے۔ یا کم سے کم عرصہ کے بعد ملاقات ہو گی۔

قیس۔ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ انشاء اللہ میں ہفتہ عشرہ میں واپس آجاؤں گا تم ناامید نہ ہو۔

عذرا۔ خدا کرے۔ تم بخیریت واپس آؤ۔ مگر قیس! آہ میرا دل سخت بے چین ہے ضرور کوئی اُفتاد پڑنے والی ہے۔ خدا وندا! رحم کیجیو۔

قیس نے دلدہی کے طور پر کہا۔ عذرا! فکر نہ کرو۔ خدا بہتر کرے گا۔ سلمہ تمہارے پاس رہے گی۔ اس سے باتیں کر کے دل بہلاتی رہنا۔

عذرا نے یاس آمیز لہجہ میں کہا۔ میں دل بہلانے کی کوشش کروں گی لیکن قیس میرا دل امنڈا چلا آتا ہے۔ کلیجہ بیٹھا جاتا ہے۔ جی چاہتا ہے۔ خوب روؤں۔ عذرا یہ کہتے ہی کہتے کچھ ایسی از خود رفتہ ہوئی کہ شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر قیس سے لپٹ کر رونے لگی۔ اس کی موتی چور آنکھوں سے آنسو موتیوں کی طرح نکل نکل کر اس کے پھول سے رخساروں پر بہنے لگے۔

قیس سخت مضطرب ہوا۔ وہ عذرا کو روتے ہوئے دیکھ کر نہایت غمزدہ ہو گیا۔ باوجود انتہائے ضبط و صبر کے اس کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ جوش عذرا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔ قیس تڑپ گیا۔ اس کے نزدیک عذرا کا ایک آنسو اس قدر قیمتی تھا کہ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں اس کے مقابلہ میں ہیچ تھیں۔ اس وقت وہ سخت بےقرار تھا۔ اس نے تشفی آمیز لہجہ میں کہا۔ میری روح رواں! خدارا اس قدر غم نہ کرو دل کو قابو میں رکھو۔ تمہارے آنسو موتیوں سے زیادہ قیمتی ہیں۔ رونا تو رونا تمہیں غمگین ہونے سے ہی میری روح کو صدمہ ہوتا ہے۔

عذرا نے ضبط کیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔ اس نے دوپٹہ کے آنچل سے اپنے آنسو پونچھے۔ لیکن ابھی تک اس کے عارض تاباں آنسوؤں سے تر تھے

قیس نے اُس کی نازک ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ لگا کر اس کا چاند سا منھ اوپر کر کے کہا۔ میری راحت روح! ضبط کرو۔ تمہارے آنسو میری جان لینے کی فکر کرنے لگے ہیں۔

عذرا کی نرگسی آنکھوں میں ابھی تک آنسو بھرے ہوئے تھے۔ وہ ٹپک رہی تھی۔ اُس نے گہری ٹھنڈی سانس بھر کر کہا قیس! میں نے بہت کچھ ضبط کیا۔ لیکن نہ ہو سکا۔ دل اُمنڈ آیا۔ بیساختہ آنسو جاری ہو گئے۔ مگر اب..... ہاں اب میں ضبط و صبر کر دوں گی۔ تم بھی دعا کرو خدا مجھے ضبط و صبر کی قوت عطا فرمائے۔ افسوس میں نے کس قدر بزدلی کی مجھے ضبط ہی کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن اب..... آہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ قیس!! اُف..... ہاں ہمیں آئے ہوئے دیر ہو گئی۔ چلو واپس خیمہ پر چلیں۔ قیس نے حور وش عذرا کو پیار و محبت کی نظروں سے دیکھ کر کہا۔ عذرا خیمہ پر کیسے چلیں۔ ابھی تک تمہاری آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ہیں۔ اگر تمہاری والدہ نے تمہاری یہ کیفیت دیکھ لی تو آفت آجائے گی۔

عذرا نے دوپٹہ کے آنچل سے اچھی طرح آنکھیں صاف کر کے کہا۔ اب چلو۔ اب کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ آنسو خشک ہو گئے ہیں۔

قیس۔ چلو۔ لیکن اپنی طبیعت کو بشاش رکھو۔

اب یہ دونوں واپس لوٹے۔ اور خیمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ خیمہ یہاں سے دور تھا۔ اس وقت چاندنی نے تمام میدان میں کھیت کر لیا تھا صاف و شفاف چاندنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اسلامی لشکر میں ہر جگہ آگ روشن تھی مسلمان آگ کے پرتو میں چلتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ طلایہ گردستہ لشکر کی حفاظت کے لئے طلایہ گردی کرنے لگا تھا۔ ابھی یہ دونوں تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ کسی نے ایک لمبا ٹھنڈا سانس بھرا۔ اور یا اللہ کا پر ہیبت نعرہ لگایا۔ عذرا اور قیس دونوں اس نعرہ کی آواز کو سُن کر

چونک پڑے ان دونوں نے اس طرف دیکھا جس طرف سے نعرہ کی آواز آئی تھی۔ انہیں ایک عرب نظر آیا جو لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا ان کے قریب آکر دونوں کو دیکھتا ہوا چلا گیا۔

قیس اور عذرا نے اس عرب کو غور سے دیکھا۔ جب وہ دور نکل گیا تو عذرا نے کہا۔ یہ عرب کون تھا؟ کس قدر جاں گداز نعرہ لگایا ہے۔ میرا دل تو دھڑکنے لگا۔ قیس نے جلدی سے کہا دل دھڑکنے لگا۔ دیکھوں

عذرا نے مسکرا کر شرم آلود نظروں سے قیس کو دیکھ کر کہا بس معاف کیجئے۔ خدا جانے یہ کون تھا؟

قیس۔ میں نے اس عرب کو دیکھا ضرور ہے۔ لیکن یہ یاد نہیں پڑتا کہ کہاں؛

عذرا۔ اور شاید میں نے بھی اسے کہیں دیکھا ہے۔ یہ ردی کتان کے کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ قیس نے کچھ دیر غور کر کے کہا۔ یاد آگیا۔ ہم نے اسے قنسرین میں چشمہ کے کنارے پر بیٹھا ہوا دیکھا تھا۔

عذرا نے اپنے انداز میں جیسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی ہو۔ کہا بیشک۔ یہ عرب وہی ہے۔ لیکن بیچارہ کسی غم و فکر میں مبتلا ہے

قیس۔ غم و فکر میں نہیں۔ یا تو یہ عارف باللہ ہے یا کسی پر عاشق ہے۔

عذرا۔ عاشق ہے۔ لیکن عاشق کو جنگل سے کیا کام؟

قیس۔ عذرا تم نہیں جانتی ہو۔ عاشقوں کو صحرا نوردی ہی میں لطف آتا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے۔ کہیں یہ تمہارے شمع رخ کا تو پروانہ نہیں؟

عذرا شرما گئی۔ اس نے شرمیلی نظروں سے قیس کو دیکھ کر کہا۔ جی کیوں نہیں اب تم سارے زمانے کو میرا بتاؤ گے۔

قیس نے ایسی نظروں سے جس میں محبت ہی محبت بھری تھی عذرا کو دیکھ کر کہا ظالم تیری صورت ہی ایسی ہے۔ کہ جو کوئی تجھے دیکھے تیرا والہ وشیدا ہو جائے۔

عذرا نے مسکرا کر کہا بس معاف کرو......

قیس نے جواب دیا۔ تم اپنے حسن عالم افروز سے واقف نہیں ہو۔ خدا کی قسم تمہارے چاند سے چہرہ میں بلا کی دل کشی ہے۔ دیکھو ماہ تاباں بھی اسوقت تمہیں ہی گھور رہا ہے۔

عذرا ہنس پڑی۔ اس نے کہا جی کیوں نہیں۔ اور یہ آسمان بھی شاید مجھ ہی گھور رہا ہے۔

قیس۔ بیشک یہ آسمان۔ یہ چاند۔ اس جنگل کے درخت سب تمہاری صورت زیبا کو دیکھ رہے ہیں۔

عذرا۔ اور تم۔......

قیس نے قطع کلام کر کے کہا میں تمہارا پجاری ہوں۔ میرا دل جو خانہ خدا کہلاتا ہے۔ تمہارا مسکن ہو گیا ہے۔ سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے۔ ہر وقت تمہاری پیاری پیاری صورت نظروں کے سامنے رہتی ہے۔ عذرا تم نے مجھ پر جادو کر دیا ہے۔

عذرا نے مسکرا کر کہا بس رہنے دو۔ اس ذکر ہی کو چھوڑ دو۔

اب یہ دونوں خیمے کے قریب ہی آ گئے تھے۔ اس لئے خاموش ہو گئے۔ عذرا اپنے خیمہ میں چلی گئی۔ قیس دوسرے خیمہ میں جا کر پڑ رہا۔ اسے پڑتے ہی عذرا کی غمزدہ صورت کا خیال آ گیا۔ وہ بے چین ہو گیا۔ اور ساری رات بے چینی سے کروٹیں بدلتے گذاری۔ اور وہ صبح سویرے اٹھا۔ حوائج ضروری سے فارغ ہو کر نماز پڑھنے چلا گیا۔ نماز پڑھ کر واپس آیا۔ اور مسلح ہو کر عامر کے پاس پہنچا۔ عامر خیمہ میں بیٹھا ہوا قرآن شریف کی تلاوت کر رہا تھا۔ اس کے پاس ہی حور طلعت عذرا۔ پری جمال سلمہ اور لیلے بیٹھی تھیں عامر نے قیس کو دیکھ کر تلاوت بند کی اور کہا بیٹا قیس! تم جا رہے ہو؟ تو خدا حافظ۔ تم مجھ سے زیادہ خوش قسمت ہو کہ آتے ہی جہاد پر جا رہے ہو

لیلیٰ نے کھڑے ہو کر قیس کو اس طرح پیار کیا جیسے وہ اپنے بیٹے کو
پیار کر رہی ہو۔ اُس نے کہا بیٹا قیس! خدا کا نام لے کر جاؤ۔ انشاءاللہ تم
مظفر و منصور واپس آؤ گے۔

لیلیٰ نے عذرا سے مخاطب ہو کر کہا۔ بیٹی عذرا دیکھو قیس جہاد پر جا رہے
ہیں اُٹھ کر مل لے۔ سلمہ کیا تو بیٹھی ہی رہے گی۔

دونوں پریزاد لڑکیاں ادائے جانانہ کے ساتھ اُٹھیں۔ عذرا نے
قیس کے قریب آ کر کہا۔ قیس غم و فکر نے مجھے ساری رات سونے نہیں دیا
میرا دل اب بھی سخت مضطرب ہے۔ لیکن میں ضبط و صبر کرنا سیکھ گئی ہوں
میں تمہارے لئے دعا کروں گی۔ تم میری دعاؤں کے سایہ میں رہو گے
خدا تمہاری حفاظت کرے گا۔

عذرا نے نہایت آہستہ سے یہ گفتگو کی تھی۔ اس آنکھوں سے غم۔ اور
پیارے چہرے سے تردد کے آثار ظاہر تھے۔ قیس نے سرگوشی کے لہجہ میں
کہا۔ میری زندگی کے روشن چاند! غم و فکر نہ کرو۔ انشاءاللہ میں بہت
جلد واپس آؤں گا۔

شوخ و شریر سلمہ نے آہستہ سے کہا یہ چپکے ہی چپکے کیا راز و نیاز
ہو رہے ہیں۔ (آواز سے) قیس! میں دعا کروں گی۔ خدا تمہیں مظفر و
منصور کرے اور ساتھ خیریت کے واپس لائے۔

سب نے آمین کہی۔ قیس نے عامر اور لیلےٰ کو سلام کیا۔ دونوں نے
اُسے دعا دی۔ وہ خیمہ سے باہر آیا۔ عذرا اور سلمہ اور لیلےٰ اُ
رخصت کرنے کے لئے خیمہ کے دروازے تک آئیں۔ وہ دروازے
پر کھڑی ہو کر اُسے دیکھنے لگیں۔

خیمہ کے باہر قیس کا غلام گھوڑا لئے کھڑا تھا۔ قیس گھوڑے پر سوار
ہوا۔ اس نے سرسری نظر خیمہ پر ڈالی۔ اس نے حور وش عذرا کو

اُسے اِس وقت عذرا سخت متوحش و متفکر معلوم ہوئی۔ اس کا پیارا چہرہ اترا ہوا تھا۔ وہ قیس کو افسوس بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ گویا وہ ہمیشہ کیلئے اُسے رخصت کر رہی ہے۔ قیس اُس کی یہ کیفیت دیکھ کر تڑپ گیا۔ لیکن اُس نے مردانہ وار ضبط کیا۔ اور مسکراتے ہوئے اپنے رخصت کرنے والوں پر ایک نظر ڈالی۔ اور گھوڑے کو مہمیز لگا کر سالار اعظم حضرت ابوعبیدہ کے خیمے کی طرف چلا۔

عذرا۔ سلمہ۔ اور لیلیٰ نے اُس کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعائے خیر مانگی۔ اور بدستور اُسے دروازے پر کھڑی دیکھتی رہیں۔

اب آفتاب طلوع ہو گیا تھا۔ دھوپ قلعہ حلب کی سر بفلک فصیل اور اونچے درختوں کی چوٹیوں پر پھیل گئی تھی۔ قیس بہت جلد سالار اعظم کے خیمے پر پہنچ گیا۔ یہاں ضرار اور دو سو عرب مسلح کھڑے قیس کا انتظار کر رہے تھے جب قیس آ گیا۔ تو ابوعبیدہ نے ایک سیاہ علم ضرار کو دے کر کہا۔ ضرار! یہ علم لو۔ تم ان دو سو عربوں پر سردار مقرر کئے گئے۔ تمہیں ان کے راحت و آرام کا خیال رکھنا چاہئے۔ تم ملک شام کے اس حصہ میں جا رہے ہو۔ جہاں قدم قدم پر آدمیوں کے گروہ تم سے ملیں گے۔ اس وقت رومی سخت غضبناک ہو رہے ہیں، وہ مسلمانوں کو دنیا سے نیست و نابود کر دینا چاہتے ہیں۔ تم کہیں دور نہ بڑھ جانا۔ اور عیسائیوں کے کسی بڑے لشکر پر حملہ نہ کر دینا۔ نہ عیسائیوں کا قتل عام کرنا۔ عیسائیوں عورتوں بچوں اور بڈھوں پر ہرگز تلوار نہ اٹھانا۔ یوشا رہبر موجود ہے۔ یہ مسلمانوں کا وفادار ہے۔ اس نواح کے راستوں۔ گھاٹیوں اور دروں سے بخوبی واقف ہے۔ اس کو ساتھ لو۔ خدا پر بھروسہ رکھو۔ بسم اللہ کرو۔ جاؤ خدا فتح و نصرت عطا فرمائے گا۔

ضرار نے علم لے کر اس کو جنبش دی۔ پھریرا ہوا میں لہرایا۔ ضرار نے بلند آواز سے کہا۔ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ۔ ترجمہ۔ فتح اللہ کی طرف سے ہے اور قریب ہے۔ ضرار کے ہمراہیوں نے اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ بلند کیا

مجاہدین کا یہ مختصر لشکر آہستہ آہستہ روانہ ہوا۔ حضرت ابو عبیدہ نے اس لشکر کی فتحیابی کیلئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔

چھٹا باب

گرفتاری

خانہ زاد زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں
ہیں گرفتار وفا زنداں سے گھبرائیں گے کیا

ضرار معہ اپنے ہمراہیوں کے سارے دن سفر کرتے رہے۔ انہوں نے ظہر کی نماز ایک چشمہ کے کنارے پر قیام کر کے پڑھی۔ نماز پڑھ کر کھانا کھایا۔ اور پھر روانہ ہوئے۔ اس عرصہ میں انہیں رومیوں کا کوئی لشکر نہیں ملا۔ نہ کوئی گاؤں نظر آیا۔ وہ برابر سفر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ ایک صاف سے میدان میں انہوں نے عصر کی نماز ادا کی نماز پڑھ کر وہ پھر روانہ ہوئے۔

ملک شام کا یہ حصہ جہاں ضرار سفر کر رہے تھے خط زمہریر پر تھا۔ یہاں بلا کی سردی ہوتی تھی۔ عصر کے وقت ہی سے برف پڑنے لگتی تھی۔ آفتاب سردی کی شدت کے باعث لڑکھڑاتا ہوا قدم بڑھائے جلد مغرب میں چھپنے کے لیے چلا جا رہا تھا۔ مسلمان برابر سفر کر رہے تھے۔ انہیں دور سے سامنے گاؤں نظر آیا۔ وہ اسی گاؤں کی طرف روانہ ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر میں گاؤں کے قریب پہنچ گئے۔

گاؤں سے باہر ایک بڑا کنواں تھا۔ اس کنویں پر عیسائی عورتیں پانی بھر رہی تھیں۔ ان عورتوں میں جوان بھی تھیں اور بوڑھی اور ادھیڑ عمر

کی بھی تھیں۔ کم سن لڑکیاں اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ یہ سب نہایت بے فکری سے پانی کھینچ رہی تھیں۔ اور آپس میں چہل بھی کر رہی جاتی تھیں۔ انہوں نے دور سے اسلامی لشکر کو آتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اسے عیسائیوں کا لشکر سمجھیں۔ لیکن جب یہ لشکر کنوئیں کے بالکل قریب آ گیا۔ اور انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا تو وہ گھبرا گئیں۔ انہوں نے پانی کے گھڑے اور ڈول سب چھوڑے اور اپنے اپنے بچوں کو گودی میں اٹھا کر گاؤں کی طرف بھاگیں۔ بچے رونے چلانے لگے۔ لڑکیاں چیخنے لگیں۔ بڑھیوں نے غل مچانا شروع کیا۔ وہ پیچھے پھر پھر کر دیکھتیں اور خوف و ہراس سے کانپتی بھاگی چلی جا رہی تھیں۔

مسلمانوں نے انہیں بھاگتے ہوئے دیکھا۔ وہ کنوئیں کے قریب کھڑے ہو گئے۔ ضرار نے بلند آواز سے کہا رومی عورتو تم فضول بھاگ رہی ہو ہم تمہیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں گے۔

رومی عورتیں عربی نہ جانتی تھیں وہ ضرار کی گفتگو نہ سمجھیں۔ اور برابر متوحش ہرنیوں کی طرح بھاگتی رہیں۔ یہاں تک کہ وہ گاؤں میں داخل ہو کر نظروں سے غائب ہو گئیں۔

اب اسلامی لشکر گاؤں کی طرف بڑھا۔ گاؤں قریب ہی تھا۔ مسلمان اس گاؤں میں داخل ہوئے۔ انہیں گاؤں میں داخل ہوتے ہی سر راہ ایک کلیسا ملا۔ اس کلیسہ کے دروازے پر ایک ضعیف العمر راہب کھڑا تھا اس کی داڑھی لمبی اور سفید تھی۔ سر کے تمام بال چاندی کی طرح سفید تھے وہ موٹے سرخ اون کا جبہ پہنے تھا۔ جو ٹخنوں تک لمبا تھا۔ کمر ریشم کی سرخ ڈوری سے باندھ رکھی تھی۔ اس ڈور میں داہنی طرف موٹے موٹے دانوں کی لمبی تسبیح پڑی لٹک رہی تھی بائیں طرف چابیوں کا گچھا لٹک رہا تھا۔ گلے میں بھی ایک بڑی تسبیح پڑی تھی۔ سینہ پر سرخ صلیب لٹک رہی تھی

سر پر اونچی سرخ رنگ کی اونی ٹوپی تھی۔ پیروں میں تسمہ دار جوتا تھا۔ وہ پہلے تو مسلمانوں کو دیکھ کر متوحش ہوا۔ پھر اس کی آنکھوں سے نفرت وحقارت کے آثار ظاہر ہوئے۔ مسلمان کلیسا کے سامنے رک گئے۔ ضرار نے راہب سے مخاطب ہو کر دریافت کیا۔ مقدس راہب تمہارا کیا نام ہے۔

پادری برہم ہوگیا۔ اُس کے چہرہ پر شکنیں پڑگئیں۔ اُس نے تحقیر آمیز لہجہ میں جواب دیا۔ میرا نام "نقیطا" ہے۔ لیکن آپ کو مطلب؟

ضرار نے پادری کے نفرت وحقارت آمیز رویہ کو دیکھا انہیں سخت ناگوار ہوا۔ لیکن اُنہوں نے ضبط کیا۔ اور پھر نرمی سے پوچھا تم اسی کلیسا میں رہتے ہو۔

نقیطا نے بُرا سا منہ بنا کر جواب دیا۔ ہاں میں اسی کلیسا میں پیدا ہوا اسی میں جوان ہوا۔ اور اسی میں بڑھا ہوگیا۔

ضرار۔ اس گاؤں کا کیا نام ہے؟

نقیطا۔ اس کا نام عمنہ ہے۔ یہ بہت پرانی بستی ہے۔ قبل ولادت حضرت مسیح یہ بڑا زبردست شہر تھا۔ اب امتداد زمانہ نے اسے مٹا دیا ہے اور یہ ایک معمولی گاؤں رہ گیا ہے۔

ضرار۔ اس گاؤں کے قریب اور کون کون سے مواضعات یا شہر ہیں؟

نقیطا۔ یہاں سے قریب ہی نقاع ایک مشہور قصبہ ہے۔ نقاع سے ایک دن کی مسافت پر مرعش کا مشہور شہر ہے۔ ہرقل اعظم نے اپنی بیٹی زیتون کو مرعش جاگیر میں دے دیا ہے۔ اس گاؤں کے شمال کی طرف "مرج دائق"

عمنہ۔ قلعہ سب اور مرعش کے درمیان ایک گاؤں تھا۔ اب بالکل کف دست میدان ہوگیا ہے نہ آبادی رہی۔ نہ آبادی کا نشان باقی رہا۔ (صادق سردھنوی)

ایک مشہور مقام ہے۔

ضرار کچھ اور دریافت کرنے والے تھے کہ کلیسہ کے اندر سے تقریباً ۲۵ دوشیزہ نوجوان عورتیں نکل آئیں۔ وہ مسلمانوں کے لشکر کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئیں۔ یہ تمام عورتیں کچھ عجب قسم کا ڈھیلا ڈھالا مگر سفید لباس پہنے ہوئے تھیں۔ ہر ایک کے سر پر سفید رنگ کا رومال بندھا ہوا تھا۔ یہ سب عورتیں خوبصورت تھیں۔ اگرچہ انہوں نے بھدا سا لباس پہن رکھا تھا۔ مگر پھر بھی وہ بڑھے ہوئے حسن کی بدولت دلفریب معلوم ہو رہی تھیں اس وقت اُن کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں سے خوف و ہراس کے آثار ہویدا ہو گئے تھے۔ وہ سب سہم کر دروازے پر ہی کھڑی ہو گئی تھیں۔ ضرار نے ان عورتوں کو دیکھ کر نقیطا سے دریافت کیا۔ یہ عورتیں کون ہیں؟

نقیطا نے سن رکھا تھا۔ کہ مسلمان رومی عورتوں کو زبردستی پکڑ کر لیجاتے ہیں۔ وہ اس لیے وقت ان عورتوں کے کلیسہ سے باہر نکل آنے پر خود بھی بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا۔ اُس نے جواب دیا۔ یہ مقدس ترین عورتیں ہیں۔ یہ نن کہلاتی ہیں۔

ضرار۔ نن کسے کہتے ہیں؟

نقیطا۔ نن اُن عورتوں کو کہتے ہیں۔ جو گرجا کے نام پر اپنی زندگیاں وقف کر دیتی ہیں۔ یہ عورتیں ساری عمر کنواری رہتی ہیں۔ دنیا اور دنیا کے لذائذ سے ناواقف محض ہوتی ہیں۔ زندگی بھر عبادت و ریاضت کرتی رہتی ہیں۔

ضرار۔ خدا تم لوگوں سے سمجھے۔ تم عورتوں کے جذبات کا خون کرتے ہو۔ فطرت کے خلاف اُن پر جبر کر کے انہیں نن بنا لیتے ہو۔ کس قدر ظلم ہے۔

نقیطا نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اگرچہ اُسے ضرار کی گفتگو ناگوار گذری۔ مگر وہ اس خیال سے کچھ نہ بولا کہ کہیں مسلمان برافروختہ ہو کر اُسے

اور اس کے ساتھ عورتوں کو بھی گرفتار نہ کریں۔

ضرار نے بھی زیادہ گفتگو کرنی مناسب نہ سمجھی۔ وہ اپنا مختصر لشکر لے کر گاؤں میں داخل ہوئے۔

گاؤں قریب قریب خالی تھا۔ نوجوان عیسائی ایک بھی نظر نہ آتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ مسلمانوں کی آمد کی خبر سنکر یا تو بھاگ گئے ہیں۔ یا کہیں چھپے بیٹھے تھے۔ بڈھے۔ بچے اور عورتیں گھبرائے پھرتے تھے۔ اُن کے چہروں کا رنگ فق ہو رہا تھا۔ وہ مسلمانوں کو دیکھتے ہی بھاگتے اور گھروں میں گھس کر دروازے بند کر لیتے۔

مسلمانوں کو تعجب تھا کہ سارے گاؤں میں ایک بھی نوجوان عیسائی نہ ملا انہوں نے ایک بڈھے آدمی کو پکڑ کر دریافت کیا۔ کیا اس گاؤں میں نوجوان عیسائی نہیں رہتے؟"

یہ بڈھا رومی عربی نہ جانتا تھا۔ وہ گفتگو کا مفہوم نہ سمجھا۔ اور حیرت سے گفتگو کرنے والے مسلمان کو دیکھنے لگا۔ ضرار نے خیال کیا۔ کہ رومی بہرہ ہے انہوں نے بلند آواز سے پھر دریافت کیا۔ بڈھے میاں! اس گاؤں کے جوان عیسائی کہاں چلے گئے؟"

بڈھا رومی اب بھی کچھ نہ سمجھا۔ وہ سخت خوفزدہ تھا۔ ایسا خوفزدہ گویا وہ موت کے جنگل میں پھنس گیا تھا۔ بیچارہ سہما ہوا آنکھیں پھاڑے مسلمانوں کو تک رہا تھا۔

ضرار کے قریب قیس کھڑا تھا۔ قیس نے کہا میرے خیال میں یہ رومی عربی نہیں جانتا۔

ضرار۔ بیشک ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اچھا یوشا راہبر کو بلاؤ۔ وہ اس سے دریافت کرے گا۔ فوراً یوشا کو طلب کیا گیا۔ اُس کے آنے پر ضرار نے کہا۔ یوشا۔ اس بوڑھے رومی سے دریافت کرو کہ اس گاؤں

کے نوجوان عیسائی کہاں چلے گئے۔

یوشا نے بڈھے آدمی سے کچھ دیر رومی زبان میں گفتگو کی۔ اور ضرار سے مخاطب ہو کر کہا یا سردار المسلمین یہ بڈھا رومی کہتا ہے کہ اس گاؤں کے عیسائیوں کو صبح کے وقت ایک عرب نے مسلمانوں کے اس گاؤں پر تاخت و تاراج کرنے کی خبر دی تھی۔ اس لئے نوجوان عیسائی اور متمول عیسائیوں کے اہل و عیال بھاگ کر مرعش چلے گئے ہیں۔

ضرار کو تعجب ہوا کہ وہ کون عرب تھا جس نے مخبری کی۔ انہوں نے یوشا سے کہا۔ ذرا اس سے دریافت کرو کہ وہ کون عرب تھا؟

یوشا نے بڈھے رومی سے دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ اس عرب کا نام "حازم" تھا۔ خود کو جبلہ کا بھتیجا بتاتا تھا۔ اس کی داڑھی خشخشی تھی اور وہ رومی کتاں کے کپڑے پہنے تھا۔ اور نوجوان تھا۔

قیس یہ تمام گفتگو سن رہا تھا۔ اُسے مخبر عرب کا حلیہ سن کر سخت تعجب ہوا اور حیرت ہوئی۔ اس عرب کا حلیہ اُس شخص سے ملتا تھا۔ جو پہلی مرتبہ قنسرین میں چشمہ کے کنارے پر بیٹھا ہوا۔ اور دوسری مرتبہ حلب میں رات کے وقت یا اللہ کا نعرہ لگا کر جاتا ہوا نظر آیا۔ لیکن وہ خاموش ہو رہا ضرار نے کہا۔ حازم تھا۔ بیشک حازم جبلہ کا بھتیجہ ہے۔ نہایت متفنی اور چالاک آدمی ہے۔ غالباً وہ کل ہمارے لشکر میں موجود تھا۔ خیر کچھ پرواہ نہیں۔ چونکہ اس گاؤں میں لڑنے والے آدمی نہیں ہیں۔ صرف عورتیں اور بچے اور بڈھے ہیں۔ اس لئے اس گاؤں پر تاخت کرنا انسانیت۔ بہادری اور شرافت کے

ف۔ جبلہ۔ ہمدان کا بادشاہ تھا۔ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ وہ حج کرنے گیا۔ طواف کرتے وقت اُس کی چادر کا پلہ ایک شخص غزادی کے پیر کے نیچے آگیا۔ چادر گر پڑی جبلہ کو طیش آیا اُس نے اُس شخص کے منہ پر طمانچہ مارا جس سے اُس کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ اُس نے حضرت عمرؓ سے استغاثہ کیا۔ آپ نے قصاص طلب کیا۔ جبلہ ملک شام میں بھاگ آیا۔ اور مرتد ہو گیا۔

خلاف ہے۔ آؤ اب مرعش یا مرج دائق کی طرف چلیں۔

اسلامی لشکر عمہ سے نکل کر مرج دائق کی طرف روانہ ہوا۔

عیسائی مسلمانوں کو وحشی ڈاکو اور ظالم سمجھتے تھے۔ اہل عمہ اس لئے سخت متفکر اور متوحش تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان بڈھوں کو قتل کر ڈالیں گے اور عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر لے جائیں گے۔ مویشی اور مال و اسباب لوٹ لیں گے۔ لیکن جب مسلمانوں نے عمہ سے کوچ کر دیا تو عیسائیوں کو سخت تعجب ہوا۔ اُنہوں نے ایک دوسرے کو بچ جانے پر مبارک باد دی اور اکثر لوگوں نے کہا۔ یہ بالکل غلط مشہور ہے۔ کہ عرب وحشی۔ جابر۔ ظالم اور ڈاکو ہیں۔ اگر وہ ایسے ہوتے تو فوراً ہمارے گاؤں کو لوٹ لیتے عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر لے جاتے۔ ہمارے خیال میں مسلمان نہایت ہی مہذب۔ خدا ترس۔ شریف اور حلیم الطبع ہیں۔

مسلمان عمہ سے نکل کر مرج دائق کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ اُنھوں نے ایک کھلے ہوئے میدان میں مغرب کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر وہ پھر روانہ ہوئے اور عشا کے وقت مرج دائق میں پہونچے۔ مسلمانوں نے اس جگہ قیام کیا گھوڑوں کو دانہ کھلا کر چرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ اور خود عشا کی نماز پڑھ کر کھانے کے انتظام میں مصروف ہوئے۔ کھانا سادہ تھا۔ جو بہت جلد تیار ہو گیا کھانا کھا کر وہ زمین پر کمبل بچھا بچھا کر سرھانے کاٹھیاں رکھ کر اور کمبل اوڑھ کر پڑ گئے۔

آج سردی کسی قدر زیادہ تھی۔ برف پڑ رہی تھی۔ ہوائے سرد کے جھونکے چل رہے تھے۔ مسلمانوں کے پاس کافی کمبل نہ تھے۔ وہ اپنی عبائیں پہنے۔ کمبل اوڑھے سکڑے پڑے تھے۔ گھوڑے سردی کی شدت کے باعث ہنہنا رہے تھے۔

اس وقت رات زیادہ آگئی تھی۔ چاند نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ اگرچہ برف باری نے چاندنی کو دھندلا کر دیا تھا۔ لیکن پھر بھی چاندنی کی ضو میں ہر چیز چمک رہی تھی۔ یہ وقت قدرت نے ہر ذی روح کے لئے آرام کا بنایا ہے۔ اس وقت خدا کی خدائی آرام کر رہی تھی۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ مجاہدین غفلت کی نیند پڑے سو رہے تھے۔ قیس بھی لشکر کے کنارہ پر پڑا سو رہا تھا۔ سوتے سوتے دفعتاً اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔ اس نے جلدی سے سر کمبل میں سے باہر نکال کر دیکھا اسے قریب ہی ایک آدمی کھڑا ہوا نظر آیا۔ اس کا منہ قیس کی طرف تھا۔ پہلی ہی نظر میں قیس نے اسے پہچان لیا۔ یہ وہی عرب تھا جس کو اس نے پہلی مرتبہ قنسرین میں اور دوسری مرتبہ حلب میں دیکھا تھا۔ اسے یہ بھی یاد آگیا کہ حمہ میں بڈھے رومی نے اس عرب کا نام حازم بتایا تھا۔ وہ حازم کو دیکھ کر متحیر ہوا۔ حازم ٹکٹکی لگائے قیس کو دیکھ رہا تھا۔ وہ قیس کو سوتا ہوا دیکھ کر مرعش کی طرف چل پڑا۔ جب وہ دور نکل گیا اور چاندنی میں اسکا عکس شاشا سا نظر آنے لگا۔ تو قیس اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا حازم کا یہاں ہونا خالی از علت نہیں۔ اس کی حالت تو سودائیوں کی سی ہے۔ لیکن جاسوسی کرتا ہے۔ یا جاسوسی نہ کرتا ہو۔ مگر عیسائیوں کا ہوا خواہ ہے۔ حمہ کے عیسائیوں کو مسلمانوں کی تاخت کی خبر اس نے دی ہے۔ یہ ہمارے ساتھ قنسرین سے ہے۔ اس کے چہرے سے شیطنیت ظاہر ہوتی ہے۔

قیس ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس وقت تمام مسلمان آرام کی نیند پڑے سو رہے تھے۔ مرج دابق کی وادی پر ہر طرف سکون اور خاموشی طاری تھی۔ البتہ کبھی کبھی ناقابل برداشت سردی کی وجہ سے گیدڑوں کے بولنے کی آواز آجاتی تھی۔ قیس پھر لیٹ گیا۔ لیکن اب اس کی نیند اچاٹ ہوگئی تھی

دل میں ایک نامعلوم فکر پیدا ہو گئی تھی۔ پڑے پڑے اُسے حور دشت عذرا کا خیال آیا۔ اس خیال میں وہ کچھ ایسا محو ہوا کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔ نیند کوسوں دور بھاگ گئی۔ تھوڑی دیر میں اُس نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی۔ وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔ اور جس طرف سے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز آ رہی تھی اُس طرف دیکھنے لگا۔

اس وقت چاند نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ چاندنی ٹھنڈی دھوپ کی طرح بکھری پڑی تھی۔ نکھری ہوئی چاندنی کے پرتو میں دور کی چیزیں بھی صاف نظر آ رہی تھیں۔ قیس کو مرعش کی طرف سے ایک عظیم الشان لشکر گھوڑے دوڑائے آتا ہوا نظر آیا۔ وہ فوراً کمبلوں کو پھینک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔ مسلمانو! اٹھو۔ اٹھو۔ دشمن سر پر آگیا

قیس کی آواز فضا میں گونجی۔ کچھ مسلمان بیدار ہو کر اٹھ بیٹھے تھے کچھ نے کروٹ لی اور پھر سو گئے۔ کچھ سوتے ہی رہے۔ جو مسلمان اٹھ بیٹھے تھے اُنہوں نے سامنے سے لشکر کو تیزی دوڑ کر آتے ہوئے دیکھا۔ وہ جلد جلد کمبل پھینک کر کھڑے ہو گئے۔ اُن میں سے اکثر مجاہدین نے چلا کر کہا۔ مسلمانو! ہوشیار ہو جاؤ دشمن کا لشکر آگیا۔

مسلمان جلد جلد اٹھنے لگے وہ گھوڑوں پر زین کسنے میں مشغول ہو گئے لیکن اب بھی زیادہ تر مسلمان سو ہی رہے تھے۔

اب رات کا قدرتی سکون ٹوٹ گیا تھا۔ آنے والے لشکر کے گھوڑوں کی آواز اور مسلمانوں کے زین کسنے کی صدا فضا میں گونج پیدا کر رہی تھی

ضرار بھی اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو گئے اور اُنہوں نے بلند آواز سے کہا۔ خدا کی قسم ہم فریب میں آگئے مسلمانو آؤ ان کافروں کو روکو۔ ہائے ابھی تو مسلمان سو رہے ہیں۔ خدایا کیا ان گبروں کے گھوڑے مسلمانوں کو روند ڈالیں گے؟

اب آنے والا لشکر بہت قریب آگیا تھا۔ وہ سرپٹ گھوڑے دوڑائے چلا آتا تھا۔ ابھی مسلمان نصف کے قریب بیدار ہوئے تھے۔ نصف ابھی تک سو ہی رہے تھے۔ جو مسلمان بیدار ہوئے تھے وہ مسلح ہو کر زین کسنے میں مصروف ہو جاتے تھے۔ اس لئے ان کو اتنا موقع نہ تھا۔ کہ وہ اپنے بھائیوں کو بیدار کر سکیں۔

ضرار نہایت بیتاب تھے۔ وہ مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لئے آوازیں پر آواز دے رہے تھے۔ لیکن جب مسلمان اس پر بھی بیدار نہ ہوئے تو انہوں نے کہا۔ کون ہے جو آج میرے ساتھ مل کر اس عظیم الشان لشکر کو روکے؟

قیس نے بڑھ کر جواب دیا۔ میں نے اپنی جان کو خدا کے نام پر ہبہ کر دیا ہے۔ میں آپ کے ساتھ مل کر اس لشکر کو روکوں گا۔

ضرار نے بےچین ہو کر کہا۔ خدا کے لئے آؤ۔ اس لشکر کو روکیں خدایا مسلمانوں کی حفاظت کر۔

اب آنے والا لشکر بہت قریب آگیا تھا۔ وہ برابر گھوڑے دوڑائے بڑھا چلا آ رہا تھا۔ خیال ہوتا تھا کہ مسلمانوں کو ٹاپوں سے روندنا چاہتا ہے۔

فوراً قیس اور ضرار نے آگے بڑھ کر کہا۔ تم مجاہدین کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندنا چاہتے ہو۔ لیکن جب تک ہم زندہ ہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ یا تو تم ٹھہر جاؤ ورنہ ہم حملہ کر کے تمہارے لشکر کو پارہ پارہ کر دیں گے۔

اب آنے والا لشکر ضرار اور قیس کے قریب آ کر رک گیا۔ یہ لشکر عیسائی عربوں کا تھا۔ اس لشکر میں تقریباً ایک ہزار سوار تھے۔ جو سب کے سب اچھی پہنے ہوئے تھے۔ لشکر کے رکتے ہی ایک قد آور ڈیل سوار آگے بڑھا

یہ سوار زرہ بکتر پہنے ہوئے تھا۔ شانوں اور کہنیوں پر چاندی کی زنجیریں آویزاں تھیں جو چاندنی میں سفید سفید چمک رہی تھیں۔ سر پر خود تھا خود پر سونے کا تاج۔ تاج میں ہیرے اور جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔ جو جھلمل کر رہے تھے۔ اُس نے بلند آواز سے کہا۔ مسلمانو! میں جبد کا بیٹا ابہم ہوں۔ میرے ہمراہ ایک ہزار سوار ہیں۔ تم کل دو سو ہو۔ اس بات پر ناز نہ کرو کہ تم نے عیسائیوں کے بڑے بڑے لشکروں کو شکست دی ہے۔ وہ رومی تھے۔ ہم عرب ہیں جو خون تمہاری رگوں میں ہے وہی ہمارے جسم میں بھی ہے۔ تم ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر تم اپنی حماقت سے لڑو گے تو یقیناً قتل کر ڈالے جاؤ گے۔ بہتر یہ ہے کہ ہتھیار ڈالدو۔ اور ہماری اطاعت قبول کر لو۔

ضرار کو ابہم کی گفتگو ناگوار گذری۔ انہیں اس قدر طیش آیا۔ کہ وہ اُس پر حملہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن فوراً انہوں نے ضبط کیا۔ اور نرمی سے کہا۔ ابہم! تم اس بات پر غرور نہ کرو کہ تمہارا لشکر زیادہ ہے بیشک تم عرب ہو لیکن تمہیں دنیا کا عیش و عشرت پسند ہے۔ تم موت سے ڈرتے ہو۔ ہم دنیا اور اُس کی دل فریبیوں پر لات مارتے ہیں۔ زندگی سے موت کو عزیز رکھتے ہیں۔ تم ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے نہ ہم نے آج تک کسی کے سامنے ہتھیار ڈالے ہیں۔ نہ تمہارے سامنے ڈال سکتے ہیں۔ اگر تمہیں اپنی بہادری پر ناز ہے تو آؤ میں اور تم لڑ کر اس جنگ کا فیصلہ کر لیں تم اپنے لشکر کے سردار ہو۔ میں بھی اس وقت اس لشکر کا سردار ہوں۔ میرا نام ضرار ہے۔ اگر تم نے مجھے مار ڈالا تو مسلمان تمہاری اطاعت کریں گے اور اگر میں نے تمہیں مار ڈالا تو تمہارے ہمراہیوں کو اختیار ہو گا۔ کہ وہ چاہے لڑیں یا اطاعت اختیار کریں۔

ضرار کا نام سنتے ہی ابہم خوفزدہ ہو گیا۔ وہ جلدی سے واپس ہوا اور

لشکر کے وسط میں چلا گیا۔ اُس نے فوراً لشکر کو حملہ کرنے کا اشارہ کیا۔ نقارں پر چوب پڑی۔ قرنا پھونکا گیا۔ اور عرب میسرہ نے اپنی پوری قوت سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔

اس وقت تک صرف سو مسلمان ہی مسلح ہوئے تھے۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر ضرار اور قیس کے برابر میں جا کھڑے ہوئے تھے۔ بقیہ سب مسلمان نقاروں کی آواز سن سن کر ہڑبڑا کر اُٹھ رہے تھے۔ وہ نہایت پھرتی سے مسلح ہو ہو کر گھوڑوں کی طرف لپکے۔ لیکن اُن کے گھوڑے نقاروں کی آواز سُن کر پہلے ہی بھاگ چکے تھے۔ مجبوراً یہ لوگ پیدل ہی رہ گئے تھے۔ یہ پیادہ ہی دشمنوں سے جا بھڑے۔ اور انہوں نے حیرت انگیز جرات کے ساتھ مدافعت شروع کر دی۔

عیسائیوں نے نہایت جوش و خروش سے حملہ کیا۔ مسلمانوں نے بھی پوری قوت مدافعت میں صرف کر دی تھی۔ جنگ زور شور سے شروع ہو گئی تھی۔ نقاروں کی صدا۔ قومی نعروں کی آواز ہتھیاروں کی جھنکار اور زخمیوں کی چیخ پکار سے تمام میدان گونج اُٹھا۔ بیچارے چرند و پرند جو اس وقت اپنے گھروں اور بلوں میں گھسے آرام کر رہے تھے گھبرا گھبرا کر اُڑنے اور بھاگنے لگے تھے۔

اگرچہ مسلمان بہت کم تھے۔ جو بقدر نصف کے سوار تھے۔ اور نصف پیادہ ہی رہ گئے تھے۔ لیکن وہ موت کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ اُنہوں نے بہت سے دشمنوں کو خاک و خون میں لٹا دیا تھا۔ ابہم کے ہمراہی بھی نہایت جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ ابہم انہیں جوش دلا دلا کر بڑھا رہا تھا۔ وہ جوش میں آ آ کر حملے کر رہے تھے۔ لیکن انکا جوش و خروش اُن کی شجاعت و دلیری مسلمانوں پر کوئی اثر نہ کرتی تھی۔

ضرار اور قیس دونوں ہمعنان تھے۔ یہ دونوں ایک ساتھ حملہ کرتے تھے۔ اور ہر حملہ میں کم سے کم دو دو آدمیوں کو مار ڈالتے تھے۔ ابہم کے ہمراہیوں پر اُن دونوں کا کچھ ایسا رعب طاری ہو گیا تھا۔ کہ اُن کے سامنے سے ہٹنے لگے تھے۔

جس طرف یہ دونوں رخ کرتے تھے دشمن کائی کی طرح پھٹ جاتے تھے۔ قیس الصبر الصبر کا نعرہ لگا رہا تھا۔ ضرار کی زبان پر تھا۔ الجنۃ تحت ظلال السیوف۔ ترجمہ۔ جنت تلوار کے سایہ میں ہے۔

جس وقت قیس اور ضرار کی آواز بلند ہو کر مسلمانوں کے کانوں سے گذر کر دل میں اترتی تو اُن کے قلوب میں تازہ جوش پیدا ہو جاتا۔ اور وہ سنبھل کر نہایت پرجوش حملہ کرتے۔

ابہم سمجھا تھا کہ کل دو سو مسلمان ہیں۔ بہت جلد مغلوب ہو جائیں گے لیکن جب جنگ نے طول پکڑا۔ تو وہ مسلمانوں کی جرات اور دلیری کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اُس نے کڑک کر اپنے ہمراہیوں کو للکارا۔ انہیں مختصر تقریر کر کے غیرت دلائی۔ عیسائی جوش میں آ کر بڑھے مسلمانوں نے نہایت سرفروشی سے اُن کے یلغار کو روکا۔ اِسوقت جنگ شباب پر تھی۔ مسلمان عیسائیوں پر اور عیسائی مسلمانوں پر پلے پڑتے تھے۔ تلواریں اور نیزے جلد جلد چل کر خون کی بارش کر رہے تھے سر و تن کے فیصلے ہو رہے تھے۔ موت سرفروشوں کی روح جلد جلد نکال رہی تھی۔ سرسبز وادی خون کی بارش ہونے سے لالہ زار ہو رہی تھی۔ مسلمان سر جھکائے جدال و قتال میں مشغول تھے۔ قیس اِسوقت نہایت دلیری اور سرفروشی سے لڑ رہا تھا۔ اس نے بہت سے عیسائیوں کو خاک و خون میں لٹا دیا تھا۔ اُس خارا شگاف تلوار جس عیسائی کے سر پر پڑتی تھی اس کو دوپارہ کر دیتی تھی۔ وہ نہایت جوش عقب میں بھرا ہوا داد

شجاعت دے رہا تھا۔ خون کے چھینٹے پڑنے سے اس کا تمام جسم گلنار بن گیا تھا۔

قیس نوجوان تھا۔ اس سے پہلے وہ کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس وقت وہ نہایت پختہ کاروں کی طرح جنگ کر رہا تھا۔ عیسائیوں پر اُس کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔ ابہم سب سے زیادہ اُسی سے ڈرنے لگا تھا ابھی تک ابہم جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا۔ وہ علیحدہ کھڑا اپنے لشکر کو جوش دلا رہا تھا۔ لیکن جب اُس نے قیس کو شیر ببر کی طرح حملہ کرتے ہوے دیکھا تو اُسے غیرت آئی۔ وہ بھی جنگ کی آگ میں کود پڑا۔ اس کے جنگ میں شریک ہونے سے عیسائیوں کے دل بڑھ گئے۔ اُنھوں نے نہایت جوش اور ولولے سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ عیسائیوں کا یہ حملہ نہایت سخت تھا۔ اگرچہ مسلمانوں نے اس حملہ کی مدافعت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا لیکن انہیں چند قدم پھر بھی پیچھے ہٹنا پڑا

قیس مسلمانوں کے پیچھے سے برافروختہ ہوا۔ اُس نے گھوڑے کو مہمیز لگا کر بڑھایا۔ اور نہایت شدت سے حملے شروع کر دیئے۔

اس وقت گھوڑوں کی ٹاپوں سے غبار بلند ہونے کی وجہ سے چاندنی مکدر ہو گئی تھی۔ نہایت غور سے دیکھنے پر بھی کوئی چیز صاف نظر نہ آتی تھی قیس نے ایک لمحہ غور سے ابہم کو دیکھا۔ ابہم لڑ رہا تھا۔ وہ ابہم کی طرف بڑھا عیسائیوں نے اس کی مزاحمت کی۔ لیکن وہ بپھرا ہوا شیر کسی کی مزاحمت سے باز نہ آیا۔ عیسائیوں کو مارتا کاٹتا ابہم کے قریب جا پہنچا۔ ابہم بھی اس کے مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا۔ قیس نے ابہم پر حملہ کیا۔ اتفاق سے قیس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ قیس نے سنبھلنا چاہا۔ لیکن نہ سنبھل سکا۔ وہ زمین پر گرا اور اس کے گرتے ہی عیسائیوں نے ہر طرف سے اُس پر نرغہ کر لیا۔

ضرار یہ منظر دیکھ کر تڑپ گئے۔ انہوں نے نہایت جوش سے عیسائیوں پر حملہ کیا۔ لیکن سیکڑوں عیسائی اُس کے اور قیس کے درمیان میں آ گئے۔ اس وجہ سے ضرار قیس کی مدد نہ کر سکے۔ اور قیس عیسائیوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا۔

مسلمانوں نے قیس کو گرفتار ہوتے ہوئے دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اُنہوں نے نہایت غیظ و غضب میں آکر ابہم کے ہمراہیوں پر حملہ کیا مسلمانوں کا یہ حملہ نہایت سخت تھا۔ ابہم کے ہمراہی اس حملہ کی تاب نہ لا کر بہت دور تک پیچھے ہٹتے چلے گئے۔

ابہم نے یہ کیفیت دیکھی اُسے غصہ آ گیا۔ اُس نے غضبناک ہو کر کہا دلیرو یہ کیا بزدلی ہے۔ تم دو سو مسلمانوں کے مقابلہ سے بھاگے جاتے ہو شرم کرو۔ ٹھہرو۔ اور جم کر مقابلہ کرو۔ ان مسلمانوں میں صرف دو آدمی بہادر تھے۔ ایک کو ہم نے گرفتار کر لیا ہے۔ صرف ایک ضرار باقی رہ گیا ہے۔ تم ضرار کے گھوڑے کو تیروں سے چھید کر گرا دو۔ اور جس طرح قیس کو گرفتار کیا ہے۔ اسی طرح ضرار کو بھی گرفتار کر لو۔ ضرار کے گرفتار ہوتے ہی لڑائی کا خاتمہ ہے۔

ابہم کے ہمراہیوں نے اُس کی آواز سُنی انہیں غیرت آئی وہ رُک گئے اور نہایت جوش اور دلیری سے پھر جنگ کرنے لگے۔

ضرار کو قیس کے گرفتار ہو جانے کا سخت رنج و قلق تھا۔ وہ غیظ و غضب میں بھرے ہوئے نہایت شدت سے حملے کر رہے تھے۔ ان کی تمنا تھی کہ کسی طرح وہ قیس کو رہا کرا لیں۔ لیکن عیسائیوں نے قیس کو اپنے لشکر کے عقب میں پہنچا دیا تھا۔ اس لئے ان کی رسائی قیس تک کسی طرح ممکن نہ تھی۔

جنگ اب بھی نہایت زور و شور سے ہو رہی تھی۔ تلواریں تند دمد

سے اپنا کام کر رہی تھیں۔ ابھی کے کچھ ہمراہیوں نے ضرار کے گھوڑے پر تیروں کی بارش شروع کی۔ بے زبان جانور بری طرح مجروح ہو گیا۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے سوار کے اشارہ پر بدستور چلتا رہا۔ مگر جب شدید ترین زخمی ہو گیا اور اس میں چلنا پھرنا تو درکنار کھڑے رہنے کی بھی طاقت نہ رہی تو اس کے جسم میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ ضرار سمجھ گئے کہ گھوڑے کا اب آخری وقت ہے۔ وہ فوراً کود پڑے۔ اُن کے کودتے ہی رومیوں نے ہر طرف سے اُن پر نرغہ کیا۔ چاروں طرف سے کمندوں کے جال اُن پر پھینکے گئے۔ بالآخر وہ بھی اسیر کر لیے گئے۔ ان کا وفادار گھوڑا گرا اور تڑپ تڑپ کر سرد ہو گیا۔

قیس اور ضرار کے گرفتار ہو جانے سے مسلمانوں میں کھلبلی اور بددلی کے آثار پیدا ہوئے۔ ربیعہ ایک بہت بہادر اور پرجوش مجاہد تھے۔ وہ ذی علم اور اچھے مقرر تھے۔ نہایت فصاحت سے تقریر کرتے تھے انہوں نے مسلمانوں کو بددل دیکھتے ہوئے کہا۔

یافتیان ربیعہ ومضر (اے جوانمردان ربیعہ ومضر) تعجب ہے۔ تم بیدل کیوں ہوئے جاتے ہو۔ کیا تم خدا کو بھول گئے۔ کیا اس سے پہلے تمہیں خدا نے کثیر التعداد دشمنوں پر فتح نہیں دی ہے؟ کیا ضرار اور قیس ہی بہادر تھے کیا اب تم میں کوئی بہادر نہیں رہا۔ کس قدر غیرت اور شرم کی بات ہے۔ ہم جہاد کرنے آئے ہیں۔ اور شہادت ہماری تمنا ہے۔ موت ہماری زندگی ہے۔ خدا کے لئے کافروں کے سامنے سے بھاگ کر خدا کا غضب مول نہ لو۔ اگر ہماری زندگی باقی ہے تو کوئی ہمیں نہیں مار سکتا۔ اور اگر موت آئی ہے تو دنیا کی محفوظ ترین جگہ میں بھی ہم نہیں بچ سکتے۔ اے دلیران عرب بہشت آراستہ کر دی گئی ہے۔ حوریں تمہاری منتظر ہیں۔ فرشتے تمہاری پیشوائی کے لئے آ گئے ہیں۔ جنگ کرو اور بہشت کے حقدار

بن جاؤ۔ خدا تمہاری طرف دیکھ رہا ہے۔ وہی تمہاری مدد کرے گا۔ آؤ خدا کے بندو آؤ۔ خدا کی خوشنودی کے لئے۔ خدا کے رسول کی خوشنودی کیلئے اور آخرت میں دوامی راحت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرو۔ اپنی قوم کی بقا کے لئے جنگ کرو۔ توحید پرستی کو عروج دینے کے لئے جنگ کرو۔

ربیعہ کی اس مختصر تقریر نے مسلمانوں کے جوش میں ہیجان پیدا کر دیا۔ انہوں نے سنبھل کر اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگایا۔ اور نہایت جوش وخروش سے حملہ کر دیا۔

ابہم کے ہمراہی مسلمانوں کا جوش وخروش دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے۔ مسلمانوں نے نہایت خوفناک جنگ شروع کر دی۔ دار وگیر کی صدا اسمان تک پہنچنے لگی۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ خون چھینٹے اس طرح اڑنے لگے جیسے زمین سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا ہو۔

ابہم نے مسلمانوں کی یہ کیفیت دیکھی۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔ رومی دلیرو۔ مسلمانوں کو متفرق کر کے مار ڈالو یا گرفتار کر لو۔

اس حکم کو سنتے ہی عیسائی دور تک پھیل گئے۔ مسلمان سمجھ گئے۔ کہ عیسائی انہیں محاصرہ میں لینا چاہتے ہیں۔ مجبوراً انہیں بھی اپنی صف کو کشادہ کرنا پڑا اس سے عیسائیوں کا مطلب حاصل ہو گیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو متفرق کر کے خونریز جنگ شروع کر دی۔ باوجودیکہ مسلمان متفرق ہو گئے تھے۔ لیکن اب بھی وہ نہایت جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ رومی انہیں زندہ گرفتار کرنے کی فکر میں تھے۔ مگر وہ خونخوار شیر کی طرح بپھرے ہوئے تھے۔ عرصہ تک وہ نہایت جوانمردی سے لڑتے رہے۔ لیکن۔ آخر کار عیسائیوں نے انہیں انکی پشتوں کی طرف سے کمندیں پھینک پھینک کر گرفتار کر ہی لیا۔

جب تمام مسلمان گرفتار ہو گئے۔ تو ابہم نے انہیں سب کو اپنے سامنے

بلا کر کہا۔ مسلمانو تمہاری عدیم النظیر شجاعت نے میرے دل میں تمہاری بہت کچھ عزت اور حرمت قایم کر دی ہے۔ حضرت مسیح کی قسم تم نہایت جانبازی سے لڑے۔ کاش تم عیسائی ہوتے۔ یا عیسائی ہو جاتے اگر تم رومی جھنڈے کے نیچے اس طرح داد شجاعت دیتے تو آج تمہارے قدموں پر سیم و زر کے انبار لگا دیئے جاتے۔ ہرقل اعظم تمہاری بے انتہا قدر و منزلت کرتے۔ رومی تمہیں اپنے سر اور آنکھوں پر بٹھاتے۔ اب میں تمہیں اپنے ہمراہ انطاکیہ لیجاؤں گا۔ اگر تم نے.... ہائیں۔ یہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز کہاں سے آئی۔ کیا کوئی لشکر آرہا ہے ہ؟

ابہم خاموش ہو گیا۔ اُس کے ہمراہی آواز کی طرف کان لگا کر سننے لگے۔ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز صاف طور پر آرہی تھی۔ پہلے تو عیسائی اس آواز کو سن کر حیران ہوئے۔ لیکن پھر فوراً اس خیال سے خوفزدہ ہو گئے کہ کہیں مسلمانوں کے لئے مدد تو نہیں آئی۔

آواز دمبدم قریب آتی جا رہی تھی۔ مسلمان بھی کان لگائے اس آواز کو سُن رہے تھے۔ اُن کے دل میں مخلصی کی اُمید کی جھلک نظر آئی اُنہیں یہ بھی خیال ہوا کہ شاید کسی طرح سے مسلمانوں کو جنگ کی خبر ہو گئی اور وہ مدد کے لئے دوڑے چلے آرہے ہیں۔ اس خیال سے اُن کے چہروں پر مسرت کے آثار ظاہر ہوئے اور انہیں اپنی رہائی کا یقین ہونے لگا۔

دنیا میں امید ہی ایک ایسی چیز ہے۔ کہ جس کے وجود کی بنا پر زندگی سے تنگ آیا ہوا انسان بھی ایک مرتبہ اور قسمت آزمائی کرتا ہے۔ جو شخص لب گور پہنچ گیا ہو۔ اس پر نزع کا عالم طاری ہو۔ موت نے اُس کی روح سلب کرنی شروع کر دی ہو۔ لیکن اس کے عزیزوں، دوستوں

کو پھر بھی اس کے دم نکلنے کے وقت تک اس کی حیات کی امید رہتی ہے اور وہ اس امید ہی کے بھروسہ پر مریض کے بچنے کے لئے انتہائی جد وجہد کرتے رہتے ہیں۔

امید صرف انسانوں ہی کی مسرت کا باعث نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک ذی روح کو اس کا احساس ہوتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو بھی اپنی رہائی کی امید ہوئی۔ اور اس امید سے ان کے دلوں میں خفیف سی مسرت پیدا ہو گئی۔

ساتواں باب

شاہزادی زیتون

وہ قامت بلند نہیں در قبائے ناز!
اک سرو ناز ہے جو نیا ہو بجائے ناز!

اب آواز بہت قریب آ گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گھوڑے آہستہ آہستہ آ رہے ہیں۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کے ساتھ ردیموں کے بولنے کی بھی آوازیں آنے لگی تھیں۔ ان آوازوں کو سُن سُن کر عیسائیوں اور مسلمانوں کی جداگانہ کیفیتیں ہو رہی تھیں۔ دونوں تذبذب میں تھے۔ ان کے دلوں میں اس تذبذب سے اضطراب اور اضطراب سے انتشار پیدا ہو چلا تھا۔

عیسائی اور مسلمان دونوں اس طرف جس طرف سے آواز آ رہی تھی آنکھیں پھاڑے امید و بیم کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ اس طرف غبار نے بلند ہو کر چاندنی کو مکدر کر دیا تھا۔ بڑھے ہوئے غبار کی وجہ سے یہ نہ معلوم

ہوتا تھا۔ کہ اس کے پیچھے کون لوگ ہیں؟

رفتہ رفتہ یہ غبار بڑھتے بڑھتے بالکل قریب آگیا۔ ہوا نے گرد کو منتشر کر دیا۔ غبار چھٹا اور آنے والا لشکر صاف نظر آنے لگا۔

یہ وقت عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں کے لئے نہایت کرب و اضطراب کا تھا۔ وہ نہایت غور و خوض سے آنے والے لشکر کو دیکھنے لگے۔ یہ لشکر عیسائیوں کا تھا۔

ابہم اور اس کے ہمراہی اس لشکر کو دیکھ کر خوش ہو گئے۔ انہوں نے فرط مسرت سے بیخود ہو کر نعرہ انبساط بلند کیا۔

مسلمانوں کی شعاع امید معدوم ہو گئی۔ انہوں نے صبر و شکر کر کے سر جھکا لیا۔ اور راضی برضائے الٰہی ہو گئے۔

اب آنے والا لشکر بالکل قریب آگیا۔ وہ چند ہی قدم کے فاصلہ پر رکا۔ ایک شخص اس لشکر میں سے نکل کر ابہم کے پاس آیا۔ اس نے دریافت کیا۔ میں اس لئے آپ کے پاس بھیجا گیا ہوں کہ یہ معلوم کروں کہ آپ کون ہیں اور یہاں کس لئے کھڑے ہیں؟

ابہم کو اس کا تحکمانہ لہجہ ناگوار گذرا۔ لیکن وہ ٹال گیا۔ اس نے کہا۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ یہ لشکر جس کے ساتھ تم آئے ہو کہاں سے آرہا ہے؟ کس کا ہے؟ اس کا افسر اعلیٰ کون ہے؟۔

چونکہ اس شخص نے ابہم کو پہچانا نہیں تھا اس لئے اسے بھی ابہم کی گفتگو ناگوار گذری۔ مگر اس نے بھی درگذر کی۔ اور نرم لہجہ میں جواب دیا یہ لشکر حضور عالیہ شاہزادی صاحبہ زیتون کا ہے۔ مرعش سے آرہا ہے اس کے افسر اعلیٰ یوقنا ہیں۔

شاہزادی زیتون ہرقل اعظم کی بیٹی تھی۔ اس کی شادی نسطورس سے ہوئی تھی۔ ہرقل اعظم نے مرعش اسے جاگیر میں دیدیا تھا۔ یہ عالم

شباب ہی میں بیوہ ہو گئی تھی۔ اس کا شوہر نسطورس جنگ یرموک[1] میں مارا گیا تھا
ابہم اس نوید جانفزا کو سن کر خوش ہو گیا۔ اس نے کہا زہے قسمت!
آج شاہزادی صاحبہ کے حضور میں شرف باریابی حاصل ہوگا۔ لیکن یہ یوقنا
کون ہیں؟

اس شخص نے تعجب خیز نظروں سے ابہم کو دیکھ کر جواب دیا۔ کہ آپ
یوقنا کو نہیں جانتے؟ تعجب ہے۔ ان سے تو ساری عیسائی دنیا خوب
واقف ہے۔ یہ وہ بزرگ ہستی ہے۔ جس نے اپنے بھائی یوحنا کو محض
اس وجہ سے اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا تھا۔ کہ وہ مذہب اسلام کا مداح
تھا۔

ابہم نے جلدی سے کہا۔ میں سمجھ گیا۔ یہ حلب کے بادشاہ ہیں۔

وہی شخص۔ جی ہاں۔ یہ عرصہ تک مسلمانوں سے جنگ کرتے رہے۔
جب مسلمانوں نے حلب کو فتح کر لیا تو وہ انطاکیہ چلے آئے۔ چونکہ شہنشاہ
اعظم (ہرقل)، کو اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں مسلمان مرعش پر حملہ نہ کر دیں اس
لئے انہوں نے یوقنا کو بھیجکر حضور شاہزادی صاحبہ کو دار السلطنت میں طلب
کیا ہے۔ یوقنا شاہزادی صاحبہ کو لے کر انطاکیہ جا رہے ہیں۔

ابہم۔ مجھے یوقنا سے ملاقات کرنے کی عرصہ سے تمنا تھی۔ یوقنا نہایت
بہادر۔ ذی عقل، ذکی، مدبر اور دور اندیش ہے۔ آج اس کا کوئی ہمعصر
نہیں ہے۔ عیسائی مذہب سے اسے عشق ہے۔ وہ ملک و قوم کا خیرخواہ
ہے۔ میں نے اس کی بہت کچھ تعریف سنی ہے۔

وہی شخص۔ براہ کرم اب آپ فرمائیے کہ آپ کون ہیں؟ کہاں تشریف
لے جا رہے ہیں؟

---

[1] جنگ یرموک کا مفصل حال ہمارے مشہور ناول فتح یرموک میں ملاحظہ کرو۔ صادق سردھنوی

ابہم۔ میرا نام ابہم ہے۔ میں بھی انطاکیہ جارہا ہوں
اُس شخص نے حیرت خیز نظروں سے ابہم کو دیکھ کر کہا" ابہم! کیا بادشاہ جبلہ کے فرزند ارجمند؟"
ابہم۔ ہاں میں ہمدان کا ولی عہد ہوں۔ چلو یوقنا سے ملاقات کروں گا
اب ابہم بڑھا۔ وہ شخص نہایت ادب سے اُس کے پیچھے ہو لیا۔ یہ دونوں آنے والے لشکر کے وسط میں پہونچے۔ یہاں ایک گرانڈیل آدمی ایک قوی ہیکل گھوڑے پر سوار کھڑا تھا۔ یہ آدمی سرخ وسپید رنگ کا تھا۔ اُس کا چہرہ چاندنی میں چمک رہا تھا۔ وہ زرہ بکتر کے اوپر بیش قیمت ریشمی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ سر پر سونے کا درخشاں تاج تھا۔ اُس کے برابر میں ایک شخص رومی جھنڈا لئے کھڑا تھا۔ جس کا پرچم اُس کے سر پر لہرا رہا تھا۔ ابہم نے اُس کے قریب جا کر اُسے سلام کیا۔ اُس نے سلام کا جواب دیا۔ جو شخص ابہم کے ساتھ آیا تھا۔ اُس نے ابہم سے مخاطب ہو کر کہا" یہی حلب کے بادشاہ یوقنا ہیں" یوقنا سے ابہم کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ حضور والا! یہ ہمدان کے ولی عہد بادشاہ جبلہ کے فرزند ارجمند ابہم ہیں"
یوقنا نے ابہم سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا: میری تمنا تھی۔ کہ میں بادشاہ جبلہ اور اُن کے فرزند ارجمند سے شرف ملاقات حاصل کروں۔ حضرت مسیح کے طفیل سے آپ سے ملاقات ہو گئی۔ آپ اس وقت یہاں کیا کر رہے تھے
ابہم نے نیاز مندانہ لہجہ میں کہا" پہلے مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت دیجیے"۔ کہ مجھے آپ سے ملنے کی آرزو تھی۔ میں نے آپ کے کارنامے سنے تھے۔ خوش قسمتی سے میری آرزو پوری ہو گئی۔ آپ کا نیاز حاصل ہو گیا۔ میں انطاکیہ جا رہا ہوں۔ میرا لشکر مرج دانق کی دوسری طرف تھا۔ میرا عم زادہ کل میرے پاس آیا اور اس نے دو سو مسلمانوں کے اسس

جگہ قیام پذیر ہونے کی خبر سنائی۔ میں اس نوید جانفزا کو سن کر خوش ہو گیا اور اپنا لشکر لے کر اسی وقت چڑھ دوڑا۔ خیال یہ تھا کہ مسلمانوں کو سوتے ہی میں گرفتار کر لوں گا۔ یا قتل کر ڈالوں گا۔ لیکن وہ بیدار ہو گئے۔ اور بیدار ہوتے ہی لڑنے لگے۔ اگرچہ وہ صرف دو سو ہی تھے اور میرے ساتھ ایک ہزار آزمودہ کار جانباز تھے۔ مگر وہ کچھ ایسی جرات سے لڑے کہ ان پر قابو پانا دشوار ہو گیا۔ بڑی جد و جہد اور تدبیروں کے بعد ان پر قابو پایا۔

یوقنا نہایت غور سے ابہم کی گفتگو سن رہا تھا۔ ابہم کے خاموش ہوتے ہی اس نے دریافت کیا۔ کیا آپ نے انہیں گرفتار کر لیا؟

ابہم۔ جی ہاں۔ سب کے سب گرفتار کر لئے گئے۔

یوقنا کے چہرے سے غم و فکر کے آثار ظاہر ہوئے۔ مگر اس نے فوراً ہی ان آثار کو چھپایا اور بہ جبر خوشی کا اظہار کر کے کہا۔ "یہ آپ نے بڑا کام کیا۔ پاپائے روم آپ سے بہت خوش ہوں گے۔ کچھ یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے اس مختصر لشکر کا سردار کون ہے؟

ابہم اپنی تعریف سن کر خوش ہو گیا۔ اس نے پر افتخار لہجہ میں کہا اس لشکر کا سردار ضرار ہے۔

یوقنا کو پھر رنج ہوا۔ اس مرتبہ اس کے چہرے سے رنج و غم کی علامتیں ایسی صاف ظاہر ہوئیں کہ ہر شخص کو معلوم ہو سکتی تھیں۔ مگر وہ پھر سنبھلا اور اس نے حیرت سے ابہم کو دیکھ کر کہا۔" ضرار ہے؟ کیا آپ نے ضرار کو گرفتار کر لیا ہے؟"۔

ابہم۔ جی ہاں۔ ضرار بھی ہے۔ اگر آپ اسے پہچانتے ہوں تو چلکر دیکھ لیجئے۔

یوقنا۔ آپ نے نہایت جرات کی۔ بڑی بہادری۔ آپ کا یہ کارنامہ

آپ کو تمام عیسائی ملوک میں مشہور کر دے گا۔ ضرار بیشہ شجاعت کا شیر ہے۔

ابہم۔ جی ضرار ہی کیا۔ میرے خیال میں تو سارے مسلمان خونخوار شیر ہیں۔ اگر میں تدبیر و فراست سے کام نہ لیتا تو یہ دو سو مسلمان میرے تمام لشکر کو موت کے گھاٹ اتار دیتے

یوقنا۔ یہ ہی بات ہے۔ دنیا میں صرف ایک مسلمان ہی کی قوم ہے۔ جو لڑائی کو کھیل سمجھتی ہے۔ میں نے اکثر ضرار کو لڑتے دیکھا ہے۔ مگر کبھی انہیں زرہ پہن کر لڑتے نہیں دیکھا۔ وہ ہمیشہ ایک تہ بند باندھ کر ننگے بدن لڑا کرتے ہیں۔ لیکن کیا مجال کہ کوئی آدمی ان کے پاس تو چلا جائے۔

ابہم۔ غضب کا آدمی ہے۔ میں تو اسے انسان نہیں سمجھتا۔ آج بھی وہ ننگے بدن گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ایسی جرات و دلیری سے لڑ رہا تھا کہ ہمارے کسی سوار کو اس کے قریب جانے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ بڑی کد و کاوش اور تدبیر سے اسے گرفتار کیا ہے۔ لیکن مسلمان اس کے گرفتار ہونے کے بعد بھی اسی جوش و خروش سے لڑتے رہے۔ جیسا کہ اس کے سامنے لڑ رہے تھے۔ مسلمانوں کی جرات و ہمت دیکھ کر میں ان کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ بڑی مشکل سے خدا خدا کر کے یہ لوگ گرفتار ہوئے۔

یوقنا۔ مجھے ان مسلمانوں کا بہت تجربہ ہے۔ میں خود بھی اُن سے لڑ چکا ہوں۔ میرے خیال میں قدرت نے ان کے تمام اعضاء دہے کے بنائے ہیں۔ شکست کھانا تو وہ جانتے ہی نہیں۔ حقیقت میں آپ نے بڑی دلیری کی۔ ہرقل اعظم اور عوام الناس آپ کا اعزاز کریں گے۔ اب آپ قیام کریں گے۔ یا کوچ کرنے کا ارادہ ہے؟

ابہم۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ کسی طرح میرے پر لگ جائیں اور میں ان دو سو مسلمان قیدیوں کو لے کر اڑ دوں اور جلد سے جلد انطاکیہ پہنچ جاؤں۔

یوقنا۔ تم سچ کہتے ہو۔ جس وقت یہ خونخوار مسلمان قیدی انطاکیہ میں پہنچیں گے اور رومی ان لوہوں کے پٹوں کو دیکھیں گے تو ہر طرف آپ کی بہادری کا غلغلہ ہو جائے گا۔ ایک طرف ہرقل اعظم آپ کے اعزاز میں چار چاند لگا دیں گے اور دوسری طرف ساری رومی قلمرو میں آپ کی شہرت ہو جائے گی۔ میرے خیال میں مناسب یہ ہے کہ آپ اسی وقت ایک قاصد ہرقل اعظم کی خدمت میں روانہ کر دیں۔ وہ قاصد حضور شاہزادی کی معہ الخیر آمد کا اور ان دو سو قیدیوں کی گرفتاری کا حال ملک معظم کے گوش گذار کر دے۔ اس سے شہنشاہ اعظم اور تمام رومیوں کو مسلمانوں کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہو جائے گا۔ اور جب انطاکیہ میں آپ پہنچیں گے۔ تو آپ کا شاندار استقبال ہو گا۔

ابہم۔ نہایت مناسب ہے۔ میں ابھی ایک قاصد بھیجے دیتا.... سنتا یہ غل کیسا ہونے لگا۔

اس وقت ابہم کے لشکر میں شور وغل کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ صدائے دار وگیر دم بدم بڑھ رہی تھی۔ ابہم اور یوقنا اس شور وغل کو سن کر حیران ہوئے۔

یوقنا۔ معلوم ہوتا ہے کہ قیدی چھوٹ گئے۔

ابہم نے جلدی سے کہا۔ خدا کی قسم یہ مسلمان شیطان ہیں۔ اول تو قابو میں ہی نہیں آتے۔ اور اگر کبھی اتفاق سے قابو میں آ بھی جائیں تو فوراً نکل جاتے ہیں۔ پہلے آپ تحقیق کریں۔ یہ کیسا شور وغل ہے؟

اگر خدانخواستہ قیدی بھاگ گئے تو میری تمام امیدیں اور ساری محنت و شادمانی خاک میں مل جائے گی۔

اب یوقنا اور ابہم دونوں ابہم کے لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔

شور و غل ہر لمحہ بڑھ رہا تھا۔ کوئی آواز صاف تو سنائی نہ دیتی تھی البتہ زور زور سے بولنے چیخنے چلانے اور تلواروں کے چلنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

چاند اس وقت بھی نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ چاندنی ہر طرف چٹک رہی تھی۔ مگر جس طرف شور و غل بلند ہو رہا تھا۔ اس طرف گرد و غبار نے بلند ہو کر چاندنی کو مکدر کر دیا تھا۔

یوقنا اور ابہم تیزی سے چل رہے تھے۔ جب وہ شور و غل ہونے والی جگہ کے قریب پہنچے تو انھوں نے جنگ ہوتے ہوئے دیکھی یہ دونوں متحیر ہوئے کہ جنگ کرنے والے کون لوگ ہیں؟ ابہم کو یقین ہو گیا کہ ضرور مسلمان قیدی چھوٹ گئے اور وہی جنگ کر رہے ہیں۔ وہ سخت مضطرب ہوا اور جلدی سے آگے بڑھ کر اُس نے اپنے ایک آدمی سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہنگامہ ہے؟ تم لوگ کس سے لڑ رہے ہو۔

اُس عرب نے سر خم کر کے جواب دیا" حضور بڑا غضب ہو گیا نہ معلوم کس طرح دو مسلمان قیدی چھوٹ گئے۔ دونوں نے ہنگامہ بپا کیا کہ خدا کی پناہ۔

ابہم کا چہرہ اُتر گیا۔ اُس نے جلدی سے دریافت کیا۔ پھر کیا ہوا؟"

کیا وہ دونوں مسلمان گرفتار کر لئے گئے؟

وہی عرب۔ جی ایک تو گرفتار ہو گیا۔ لیکن ایک بھاگ گیا۔

ابہم نے برافروختہ ہو کر کہا۔ بھاگ گیا؟ بہت برا ہوا۔ بھاگنے والا کون تھا؟

وہی عرب۔ ایک غلام تھا۔ اس کا نام سفینہ[لہ] ہے

ابہم۔ نہایت افسوس ہے۔ اس پہرہ چوکی میں سے ایک غلام بھاگ گیا۔ آخر یہ قیدی چھوٹ کس طرح گئے؟

وہی عرب۔ حضور والا! ان مسلمانوں میں شیطانی طاقت ہے۔ سارے قیدیوں کو ریشم کی مضبوط ڈوریں باندھ دیا گیا تھا۔ دو شیطانوں نے زور کر کے توڑ لی۔ وہ تو خیریت ہوئی کہ جلد خبر لے لی گئی۔ اگر ذرا بھی غفلت ہو تو سارے قیدی رہا ہو جاتے۔

ابہم نے غضبناک ہو کر کہا۔ مجھے اپنے آدمیوں کی اس غفلت اور لاپرواہی پر سخت افسوس ہے۔ جی چاہتا ہے کہ محافظوں کو سخت سے سخت سزا دوں۔ مگر اس وقت میں درگذر کرتا ہوں۔ البتہ اگر آئندہ ذرا بھی تساہل دیکھوں گا۔ تو سارے محافظوں کا سر اڑا دوں گا ان شیطانوں کی نہایت ہوشیاری سے نگہداشت کرنی چاہیئے۔

اب یوقنا بھی ابہم کے پاس آ گیا تھا۔ ابہم نے اُس سے مخاطب ہو کر کہا۔ آپ نے سُنا۔ دو قیدیوں نے چھوٹ کر یہ ہنگامہ برپا کیا ان میں سے ایک تو گرفتار ہو گیا۔ اور ایک کم بخت بھاگ گیا۔

یوقنا۔ اجی یہ لوگ نہایت چالاک اور جری ہوتے ہیں۔ ان کی نگہداشت نہایت ہوشیاری سے ہونی چاہیئے۔

لہ۔ سفینہ رسول خدا حضرت محمد مصطفٰے صلعم کے غلام تھے۔ حضور کے وصال کے بعد آپ ملک شام میں جہاد کرنے آئے تھے۔ ضرار کے ہمراہ آپ بھی تشریف لائے تھے۔ فتوح الشام۔ (صادق) آپ ہمارا ناول فتوح الشام پڑھیں

ابہم۔ جی ہاں۔ میں نے محافظوں کے سردار کو ہدایت کر دی ہے۔ اچھا اب میں اسی وقت ایک قاصد شہنشاہ کے حضور میں روانہ کر دوں۔

یوقنا۔ ہاں قاصد ضرور روانہ کیا جائے۔

ابہم نے ایک عیسائی عرب کو بلا کر کہا۔ ارفع! تم نہایت تیزی سے انطاکیہ دوڑے چلے جاؤ اور شہنشاہ کے حضور میں باریاب ہو کر حضور شہزادی صاحبہ کی بے الخیری اور ان دو سو قیدیوں کی گرفتاری کا حال گوش گذار کر دو۔

ارفع نے سر اطاعت خم کیا اور گھوڑے کو مہمیز لگائی۔ ابہم نے اُسے روک کر کہا۔ اور دیکھو جس قصبہ اور گاؤں میں ہو کر تم گذرو وہاں کے آدمیوں کو بھی ان مسلمان قیدیوں کی آمد کا حال سناتے جانا۔ سمجھ گئے۔ اب بس فوراً روانہ ہو جاؤ۔

ارفع نہایت تیزی سے روانہ ہو گیا۔ اُس کے روانہ ہوتے ہی یوقنا اور ابہم نے اپنے لشکر کو قیام کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان قیدی ایک جگہ ریشم کی مضبوط ڈوریوں سے باندھ کر زمین پر بٹھا دیئے گئے اور انہیں اوڑھنے کے لئے کوئی کپڑا نہیں دیا گیا۔ وہ آسمان کے سائبان کے نیچے کھلی ہوئی ہوا میں یخ بستہ زمین پر بیٹھنے پر مجبور کئے گئے۔ ان کی حفاظت کے لئے ابہم نے ان کے چاروں طرف کمبلوں کا فرش کر کے اور اُس پر سائبان تان کر اپنے سپاہیوں کو متعین کر دیا۔ یہ سپاہی اوّل تو سر سے پیر تک گرم کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اور پھر گرم کپڑوں پر کمبل اوڑھنے کے لئے تھے۔ سردی یا سرد ہوا ان کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکتی تھی۔

ابھی ان لشکروں کو فرد کش ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ سپیدۂ صبح نمودار ہو گیا۔ چاندنی پھیکی پڑنے لگی۔ اس وقت تمام سپاہی غفلت کی

نیند پڑے سو رہے تھے۔ پرند جو رات ہی کو لڑائی کا شور و ہنگامہ سنکر پرواز کرنے لگے تھے۔ اس وقت درختوں کی ہری ہری ڈالیوں پر بیٹھے چہچہا رہے تھے۔ مسلمان قیدی اس وقت بھی بیدار تھے صبح کی نماز کا وقت قریب آ گیا تھا۔ لیکن آج وہ نماز ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اس فکر نے انہیں مشوش و متفکر کر رکھا تھا۔ آخر نماز کا وقت آ ہی گیا۔ مسلمانوں نے اپنے محافظوں کو آواز دیکر جگانا چاہا۔ لیکن وہ نہ جاگے مجبوراً انہوں نے اشاروں سے نماز ادا کی۔ تھوڑی ہی دیر میں آفتاب طلوع ہو گیا۔ اس کی زرد زرد کرنیں درختوں اور خیموں کی چوٹیوں پر پڑ کر طلائی غازہ پھیرنے لگیں۔ اب ابہم اور یوقنا کے ہمراہی بیدار ہو۔ اور دونوں لشکروں میں ہلچل شروع ہو گئی۔ یوقنا اور ابہم بھی اُٹھے دونوں حوائج ضروری سے فارغ ہوے۔ اور ایک بڑے خیمے میں بیٹھکر گفتگو کرنے لگے۔ یہ دونوں باتوں میں کچھ ایسے محو ہوے کہ انہوں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ ایک چوبدار آ کر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا ہے۔ جب چوبدار کھڑے ہوے عرصہ ہو گیا اور ان دونوں میں سے کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ تو وہ اپنی موجودگی ظاہر کرنے کے لئے کھنکارا۔ فوراً یوقنا نے اس کی طرف دیکھ کر دریافت کیا۔

کیا ہے؟ تم کس لئے آئے ہو؟

چوبدار نے سر جھکا کر جواب دیا۔ حضور انور کو شاہزادی صاحبہ نے یاد فرمایا ہے۔

یوقنا فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے ابہم سے کہا۔ آیئے آپ بھی تشریف لے چلئے۔

ابہم بھی اُٹھا۔ یہ دونوں خیمے سے نکل کر شمال کی طرف روانہ ہو۔ یہ نہایت وسیع سنتر تھی جس پر یہ دونوں چل رہے تھے۔ تھوڑی دو

چل کر ایک نہایت وسیع سرخ رنگ کا خیمہ نظر آیا۔ اس خیمہ پر رومی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ خیمہ کے سامنے زردوزی سائبان تھا۔ یہ دونوں سائبان کے نیچے پہنچے۔

سرخ خیمے کے برآمدے میں چند نوجوان پری چہرہ لڑکیاں مسلح کھڑی تھیں۔ وہ گلابی ریشم کی پوشاک زیب تن کئے تھیں۔ نازک کمر پر زربفت کی منقش پیٹیاں کھنچی ہوئی تھیں۔ ان پیٹیوں کی کھنچاوٹ نے اُن نازآفرین دوشیزہ لڑکیوں کے سینوں کو نمایاں طور پر ابھار دیا تھا۔ ان کی پیٹیوں میں پرتلے لٹک رہے تھے۔ پرتلوں میں چھوٹی چھوٹی تلواریں پڑی ہوئی قدم بوسی کر رہی تھیں۔ ٹوپیوں میں کلغیاں لگی ہوئی تھیں۔ کلغیوں میں ایک ایک ابدار ہیرا آویزاں تھا۔ ان پری چہرہ لڑکیوں کے کوٹوں کے حاشیوں پر جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔ جن کی ضو نے اُن پری جمال لڑکیوں کے حسن میں چار چاند لگا دیئے تھے۔ یہ حسن کی پتلیاں شاہزادی زیتوں کی باڈی گارڈ کے رسالہ کی سوار تھیں۔ انھوں نے یوقنا کو دیکھ کر اظہار اطاعت کے لئے اپنے نازک سروں کو خفیف سی جنبش دے کر جھکا دیا۔ اُن کے کانوں میں پڑے ہوئے بندوں نے ان کے گورے گورے رخساروں کو چوم لیا۔ یوقنا نے ایک قدم بڑھ کر آہستہ سے کہا۔ میں اور شاہزادہ البم شاہزادی صاحبہ کے حضور میں باریاب ہونا چاہتے ہیں۔

فوراً ایک لڑکی اپنے سر کو دلفریب ادا کے ساتھ جنبش دے کر خیمہ کے اندر چلی گئی۔ اور تھوڑی دیر میں واپس آکر نغمہ زا آواز سے بولی۔

"خیمے میں تشریف لے چلئے"

یوقنا اور ابہم بڑھے۔ اس لڑکی نے لپک کر خیمے پر پڑا ہوا پردہ اٹھایا
یہ دونوں دروازے سے گذر کر خیمہ کے اندر داخل ہوئے۔

یہ خیمہ نہایت وسیع اور شاندار تھا۔ اس کے اندر دیباے رومی کا فرش
ہو رہا تھا۔ اس کے اندر کا استر اطلس کا تھا جس پر کارچوبی پھول
کڑھے ہوئے تھے۔ خیمہ کے وسط میں ایک کوچ پڑا تھا جس کے
پائے چاندی کے تھے۔ کوچ کے سامنے کسی قدر فاصلہ پر نہایت عمدہ
کرسیاں نیم دائرہ میں پڑی تھیں۔ کوچ پر شاہزادی زیتون بصد ناز و
ادا بیٹھی ہوئی تھی۔

شاہزادی نہایت ہلکے رنگ کی ریشم کی پوشاک پہنے ہوئے تھی
جس پر سونے کے باریک تاروں سے کشیدہ کڑھا ہوا تھا۔ حاشیوں
پر ایک ایک بالشت زردوزی نہایت نفیس کام ہو رہا تھا۔ جگہ جگہ
چھوٹے چھوٹے دل آویز پھول بنے ہوئے تھے جن میں ہیرے اور جواہرات
ٹک رہے تھے۔ یہ ہیرے اور جواہرات جھلملا رہے تھے ان کی ضو نے تمام
خیمہ کو جگمگا رکھا تھا۔ اس کے پیارے چہرہ پر نقاب پڑی ہوئی تھی۔
پھر بھی اس کا بڑھا ہوا حسن ضیا پاشی کر رہا تھا۔ کسی کو اس کے چہرہ کی
طرف دیکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اس کے نازک سر پر نیم دائرہ کا نہایت
خوبصورت تاج تھا۔ اس تاج میں بڑے بڑے لعل لگے ہوئے تھے یہ لعل
اس قدر درخشاں تھے کہ دیکھنے والے کی آنکھوں کو خیرہ کئے دیتے تھے

یوقنا اور ابہم خیمہ میں داخل ہوتے ہی اس قدر جھک گئے گویا وہ
اُس حسن و جمال کی تصویر کو سجدہ کر رہے ہیں۔ شاہزادی نے سر کے
اشارے سے سلام کا جواب دیا۔ اور نہایت دلکش آواز سے کہا
دمشق (یوقنا کی گنیت ہے) تم نے رات اس جگہ قیام کیوں کر دیا میں
جلد سے جلد انطاکیہ پہنچنا چاہتی ہوں۔ مجھے ہر وقت مسلمانوں کے آجانیکا

دھوکا لگا رہتا ہے

یوقنا نے ادب و احترام سے سر جھکا کر جواب دیا۔ عالیجاہا! رات جب ہم اس مقام پر پہونچے تو ہمیں اسلم مل گئے۔ غالباً حضور اسلم سے واقف ہونگی۔ ۔ ۔ ۔ ۔

زیتونہ نے قطع کلام کر کے سریلی آواز سے کہا۔" میں نے اسلم کا نام سنا ہے۔ وہ جبلہ کے بیٹے ہیں۔

یوقنا۔ حضور نے خوب پہچانا۔ یہ میرے ہمراہ اسلم ہی ہیں جو حضور کے سلام کو حاضر ہوئے ہیں۔

شاہزادی نے زیر نقاب تیز نظروں سے اسلم کو دیکھا۔ اسلم نے ہمہ تن سجود ہو کر سلام کیا۔ شاہزادی نے اپنا نازک سر ہلا کر سلام کا جواب دیا اور نغمہ زا آواز سے کہا۔ میں اسلم کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ ان کے والد بزرگوار نہایت بہادر خاندان ہر قلیہ کے وفاکیش اور رومی تاج کے وفاداروں میں ہیں۔ اسلم نے سر جھکا کر جواب دیا۔" حضور انور! اپنے وفادار خادموں کو خوب یاد رکھتی ہیں۔ میں اور میرے پدر بزرگوار حضور والا اور حضور کے محترم والد کے عقیدت کیشوں میں ہیں۔

زیتون۔ آپ دونوں صاحب کھڑے کیوں رہ گئے؟ تشریف رکھئے۔

یوقنا اور اسلم دونوں نے نہایت ادب سے سر جھکا کر سلام کیا۔ اور کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ شاہزادی نے کہا" تمہیں رات ٹھہرنا نہیں چاہیئے تھا۔ یہ جگہ مسلمانوں سے بہت قریب ہے۔

یوقنا۔ حضور عالی! ہمارے آنے سے پہلے اسلم نے دو سو مسلمانوں کو گرفتار کیا تھا۔

شاہزادی نے تعجب خیز نظروں سے یوقنا کو دیکھ کر کہا۔" دو سو مسلمانوں کو گرفتار کیا۔ یہ مسلمان یہاں کیسے آ گئے۔

یوقنا۔ سنا ہے کہ یہ لوگ دمشق پر حملہ کرنے جا رہے تھے۔ رات کو یہاں ٹھہر گئے تھے ابہم کو معلوم ہو گیا۔ اُس نے انہیں گرفتار کر لیا۔

زیتون۔ یہ مسلمان بھی آفت کے پرکالے ہیں۔ کل ہی تو میں نے سنا تھا کہ یہ لوگ حلب میں پڑے ہوئے ہیں۔ آج یہاں بھی آ کودے۔ اور پھر دمشق پر حملہ کرنے کے ارادے سے۔ ابہم سے مخاطب ہو کر، آپ نے بڑا کام کیا دو سو مسلمانوں کو گرفتار کر لینا ایک عجوبہ روزگار بات ہے۔ یہ لوگ تو ایسے جری ہوتے ہیں۔ کہ دو سو تو کیا دو آدمیوں کو بھی گرفتار کر لینا تعجب خیز امر ہے۔

ابہم شاہزادی کی زبانی اپنی تعریف سن سن کر مسرور ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔ عالیجاہا! مسلمان اس قدر بہادر نہیں ہیں جس قدر حضور کے جاں نثار عیسائی بلا وجہ ان سے ڈرنے لگے ہیں۔ حضور کے عقیدت کیشوں میں ایسے ایسے جانباز موجود ہیں۔ جو اکیلے ایک ایک ہزار مسلمان کو کافی ہیں۔

زیتون۔ ابہم یہ بات نہیں ہے۔ مسلمانوں سے زیادہ بہادر آج کوئی قوم صفحہ دنیا پر نہیں ہے۔ کیا تم یرموک کا واقعہ بھول گئے آہ یرموک کا واقعہ زندگی بھر یاد رہے گا۔

ابہم۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ میری گفتگو نے حضور کو اس اندوہناک زمانہ کی یاد دلا دی جس نے خضور انور کا باغ انبساط تاراج کر دیا ہے میں سخت نادم ہوں۔.....

زیتون۔ نادم ہونے کی ضرورت نہیں۔ ابہم یرموک میں۔ ۱ لاکھ عیسائی تھے۔ مسلمان کل ۴۰ ہزار ہی تھے۔ نسطورس (زیتون کا شوہر) یہی کہتے رہے کہ فتح ہماری ہی ہو گی۔ میرا بھی خیال یہی تھا۔ مگر وائے ناکامی! ہمیں کامل ہزیمت ہوئی۔

مسلمان فتحیاب ہوئے جہاں میری مسرت و شادمانی کا آفتاب یرموک

میں غائب ہو گیا۔ وہاں عیسائیوں کا عروج بھی زوال کے گرہن میں آگیا۔

ابہم۔ حضور نے سچ فرمایا۔ نسطورس آنجہانی......

زیتون کے دل پر نسطورس کا بار بار لئے جانے سے چوٹ لگی۔ اُسے اُس کا مرحوم شوہر یاد آگیا۔ اُس نے چشم پر نم ہو کر قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

"ابہم! اس ذکر کو رہنے دو۔ اگرچہ مرحوم کو مرے ہوئے عرصہ ہو گیا ہے۔ لیکن اب بھی جب کبھی مرنے والے کا نام میرے سامنے لیا جاتا ہے۔ تو بے اختیار میرا دل بھر آتا ہے۔"

ابہم خاموش ہو گیا۔ زیتون نے یوقنا سے مخاطب ہو کر کہا "دمشق! میں نے کبھی مسلمانوں کو نہیں دیکھا۔ چلو آج تمہارے ساتھ چل کر دیکھوں۔"

یوقنا۔ حضور انور مسلمان سرکش، مدمغ اور بدتہذیب ہوتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی ایسی حرکت کر بیٹھیں جس سے حضور کو ملال ہو۔

زیتون۔ مجھے ان کے دیکھنے کا شوق ہے۔ میں اپنے شوق کی بدولت ان کی بدتہذیبی بھی برداشت کر لوں گی۔

یوقنا۔ بہت خوب۔ اگر حکم ہو تو قیدیوں کو خیمہ عالی کے سامنے ہی بلوا لیا جائے

زیتون۔ مناسب ہے۔

یوقنا اٹھا اور سیدھے قدموں چل کر خیمہ کے باہر چلا گیا۔ زیتون نے ابہم سے کہا۔ ابہم! میں اُس کو دیکھنا چاہتی ہوں جس کے افراد نے مجھے بیوہ کر کے میری مسرتوں کا آفتاب غروب کر دیا ہے۔

ابہم۔ افسوس ہے دنیا میں کوئی شخص بھی غم و فکر سے خالی نہیں

ہے۔ کاش نسطورس مرحوم یرموک نہ جاتے۔

زیتون۔ مرحوم کو اُن کی قضا لے گئی تھی۔ آہ پاک ماں (حضرت مریم) مجھے ضبط و صبر عطا کر۔

زیتون مغموم ہو کر خاموش ہو گئی۔ اُسے اس طرح بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ یوقنا واپس آ گیا۔ اُس نے کہا کہ حضور کے حکم کی تعمیل ہو گئی ہے قیدی خیمہ سے باہر کھڑے ہیں۔

شاہزادی بصد ناز و ادا اُٹھی۔ ابہم بھی فوراً کھڑا ہو گیا۔ شاہزادی خرام ناز سے چلی۔ وہ اس قدر نازک تھی کہ اس کی کمر چلتے وقت لچکجاتی تھی۔ ابہم اور یوقنا اُس کے عقب میں قدم قدم چلے۔ جس وقت یہ سب خیمہ سے نکل کر برآمدہ میں آئے انہیں دیکھتے ہی باڈی گارڈ کی لڑکیوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی تلواریں نکال نکال کر اپنے نازک شانوں پر رکھ لیں اور شاہزادی کے پیچھے دو قدم کے فاصلہ پر ایک لمبی صف میں پرا باندھ کر کھڑی ہو گئیں۔

مسلمان قیدی سائبان کے باہر تھے۔ شاہزادی کے اشارہ پر وہ کشاں کشاں سائبان کے نیچے لائے گئے۔ قیدی ریشم کی مضبوط ڈوروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ ایک ایک قیدی کے ساتھ دو دو عیسائی تھے۔ ان کے علاوہ سائبان کے باہر قیدیوں کی حفاظت کے لئے دو سو عیسائی مسلح شمشیر بکف کھڑے تھے۔

شاہزادی غور سے قیدیوں کو دیکھنے لگی۔

مسلمانوں نے شاہزادی کو اور اُس کے باڈی گارڈ کی خوبصورت لڑکیوں کو دیکھا۔ وہ ان لڑکیوں اور اُن کے ساز و سامان کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ شاہزادی اور اُس کے محافظین لڑکیوں پوشاکوں نے جگمگا کر اُن کی آنکھوں میں چکاچوند پیدا کر دی۔

شاہزادی کی نظر تمام قیدیوں سے گذر کر قیس کے اوپر پڑی۔ وہ بہت دیر تک دیکھتی رہی۔ قیس سر جھکائے کھڑا تھا۔ شاہزادی اُسے کچھ محویت کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ایہم نے کہا "حضور والا! یہ نوجوان نہایت ہی بہادر ہے۔ اس نے رات کم سے کم ہمارے پچاس جانبازوں کو لقمہ اجل بنا دیا۔

شاہزادی چونک پڑی اُس نے کہا میں بھی یہی دیکھ رہی تھی۔ کاش عیسائی ہو جائے۔ ذرا اس نوجوان کو آگے بلاؤ۔

ایہم نے اشارہ کیا۔ قیس کے محافظ اُسے لیکر بڑھے اور شاہزادی کے قریب آکر کھڑے ہو گئے۔ شاہزادی نے عربی زبان میں کہا۔ نوجوان تمہارا کیا نام ہے؟۔

قیس نے سر جھکائے جواب دیا۔ غریب الوطن! بیکس!! مظلوم!!!

شاہزادی نے مسکرا کر کہا۔ یہ کوئی نام نہیں۔ مہربانی کر کے اپنا اصلی نام بتاؤ۔

قیس۔ میرا نام قیس ہے۔

زیتون۔ کیا اچھا نام ہے۔ تمہاری صورت بھی بھولی اور دلفریب ہے

قیس! کیا یہ ممکن نہیں کہ تم عیسائی ہو جاؤ؟۔

قیس۔ یہ ناممکن ہے۔

زیتون۔ قیس۔ اگر تم عیسائی ہو جاؤ تو مرعش کی جاگیر جو شہنشاہ اعظم نے مجھے دی ہے۔ میں تمہارے حوالہ کردوں۔ اس کے علاوہ تمہیں اختیار ہوگا کہ جس لڑکی سے تمہارا جی چاہے عقد کر لو۔

قیس۔ زمین خدا کی ملک ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اُس کا مالک بنا دیتا ہے۔ عورتوں کا حسن چند روزہ ہے۔ زر۔ زمین۔ زن فتنہ و فساد کی جڑ ہیں۔ کوئی ذی عقل انسان مذہب کو تباد لہ ان چیزوں سے نہیں

کر سکتا۔

اہم نے قیس سے مخاطب ہو کر کہا۔ قیس! ادب و احترام کو ملحوظ رکھو۔ تم شاہزادی زیتون عظیم روم کی بیٹی کے حضور میں کھڑے ہو۔

قیس نے نظریں اٹھا کر حور طلعت زیتون کو دیکھا۔ حسن کی شعاعیں نقاب سے چھن چھن کر نکل رہی تھیں۔ اس نے اس کے رخ زیبا پر ایک گہری نظر ڈالی۔ زیتون نے کہا۔ قیس! میری خواہش ہے کہ تم عیسائی ہو جاؤ عیسائی ہو جانے سے تمہارا اولیان ملک جیسا وقار ہوگا۔ عیسائی دنیا تمہیں اپنے سر اور آنکھوں پر بٹھائے گی۔ کہو منظور ہے؟

قیس۔ شاہزادی صاحبہ! یہ نہیں ہو سکتا۔ میں اپنا مذہب کسی طرح تبدیل نہیں کر سکتا۔

زیتون۔ افسوس ہے۔ اچھا غور کر لو۔ اگر کسی وقت تمہارا ارادہ عیسائی ہو جانے کا ہو تو فوراً مجھے اطلاع کرنا۔ جو کچھ میں نے کہا ہے۔ میں تمہارے لئے وہ سب مہیا کر دوں گی۔

اب شاہزادی نے قیدیوں کو واپس لے جانے کا اشارہ کیا۔ قیدیوں کے محافظ قیدیوں کو لے کر واپس چلے گئے۔ شاہزادی نے یوقنا سے مخاطب ہو کر کہا۔

سنا ہے رات کوئی قیدی فرار بھی ہو گیا ہے۔ اندیشہ ہے۔ کہیں وہ مسلمانوں کا لشکر نہ چڑھا لائے۔ اب یہاں ایک لمحہ بھی ٹھہرنا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ بہتر ہے۔ فوراً کوچ کر دو۔

یوقنا نے اظہار اطاعت کے لئے سر خم کیا۔ شاہزادی واپس خیمہ میں چلی گئی۔ یوقنا نے کوچ کا حکم دیا۔ لشکر نے روانگی کی تیاری شروع کی۔ خیمے اکھاڑ بار برداری پر بار کئے گئے۔ سپاہی مسلح ہوئے۔ دوپہر سے پہلے ہی یہ لشکر انطاکیہ کی طرف روانہ ہوا۔

آٹھواں باب

عذرا کی گم شدگی

تمہیں تو تھے جو کہ خواب میں تھے تمہیں تو تھے جو خیال میں تھے
کہاں گئے آنکھ میں سما کر کدھر گئے میرے دل میں آ کر

جس وقت قیس رخصت ہوا اور حور وش عذرا نے اُسے خیمہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر رخصت کیا۔ وہ اُسے دروازہ پر کھڑی اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک وہ نظر آتا رہا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اس کے دل میں ہوک اٹھی۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ چہرہ کا گلابی رنگ پرواز کر گیا۔ وہ اس قدر مضطرب ہوئی کہ اُس نے چاہا کہ وہ لپک کر قیس کو آواز دے۔ اور اسے جنگ پر جانے سے روک دے۔ مگر اس نے ضبط کیا۔ اور خلوص دل سے قیس کی سلامتی کی دعا مانگی۔

سلمہ نے عذرا کی یہ کیفیت دیکھی۔ اُس نے آہستہ سے کہا: "عذرا سنبھلو" ابھی لیلیٰ بھی ان دونوں پریوشوں کے پاس کھڑی تھی اس نے سلمہ سے مخاطب ہو کر دریافت کیا "سلمہ کیا ہے؟"

سلمہ نے فوراً جواب دیا کچھ نہیں۔ میں عذرا سے خیمے کے اندر چلنے کو کہہ رہی تھی۔

لیلیٰ۔ ہاں چلو۔

اب یہ تینوں خیمہ کے اندر داخل ہوئیں۔ لیلیٰ اور سلمہ تو کھانا تیار کرنے میں مشغول ہو گئیں اور عذرا عامر کے پاس جا بیٹھی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد اپنے خیمہ میں چلی گئی۔

جب دوپہر ہوئی اور سب کھانا کھانے بیٹھے تو عذرا نے درد سر کا بہانہ کر[illegible]
لیلیٰ بےچین ہو گئی۔ اس کے لے دے کے ایک ہی لڑکی تھی۔ وہ اُسے اپنی آنکھوں کا
تارا۔ گھر کا اجالا اور نظر کی روشنی سمجھتی تھی۔ اگر کبھی عذرا کی طبیعت خراب ہو جا[تی]
تو لیلیٰ ساری ساری رات اُس کی چارپائی کے پاس بیٹھ کر کاٹ دیتی۔

عذرا ایک علیحدہ خیمہ میں خاموش پڑی ہوئی تھی۔ لیلیٰ اس کے پاس آ[ئی]
اور دریافت کیا۔ بیٹی! آج تیرا جی کیسا ہے؟

عذرا اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے کہا۔ " میں بالکل اچھی ہوں۔ آپ کچھ فکر
نہ کریں۔ صرف سر میں خفیف سا درد ہے۔

لیلےٰ۔ یہ درد کب سے ہے؟

عذرا۔ ابھی ہو گیا ہے

لیلیٰ نے عذرا کی نبض دیکھی۔ بدن پر ہاتھ رکھا۔ اُس نے کہا۔ یہ تو تیر[ا]
بدن بھی گرم ہے۔ کہیں حرارت تو نہیں ہو گئی ہے

عذرا خوب جانتی تھی کہ اُس کی والدہ اُس کی ذرا سی تکلیف سے پریشا[ن]
ہو جاتی ہے۔ اُس نے جلدی سے کہا۔ نہیں! امی جان! مجھے حرارت نہیں
ہے۔

لیلیٰ۔ حرارت نہیں ہے؟ مجھے تو معلوم ہوتی ہے۔ اچھا میں تیرے ابا کو
بلاتی ہوں

عذرا۔ آپ فضول خود بھی پریشان ہوتی ہیں اور دوسروں کو بھی کرتی
ہیں۔ میں بالکل اچھی ہوں۔

لیلیٰ نے پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ میری قرۃ العین
تو نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟

عذرا۔ مجھے بھوک نہ تھی۔ اب حکم ہو تو کھا لوں؟

لیلیٰ۔ ہاں تھوڑا بہت کھا لے۔ مجھے اطمینان ہو جائے گا۔

عذرا۔ بہتر ہے۔ چلیے۔

عذرا لیلیٰ کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔ سب نے کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر وہ پھر اسی خیمہ میں چلی گئی۔

عامر اپنے ساتھ کئی خیمہ لایا تھا۔ ایک خیمہ میں وہ اور لیلےٰ رہتے تھے ایک میں قیس۔ اور ایک میں عذرا اور سلمہ

عذرا آتے ہی پڑ گئی۔ پڑتے ہی اُسے قیس کا خیال آگیا۔ اُس کے دل میں کھونسا سا لگا۔ وہ بیچین ہو گئی۔ اُس کے نازک لبوں پر خشکی دوڑ گئی ادھر اُدھر کروٹیں لینے سے اُس کے دلفریب سیاہ اور دراز گیسو فرش پر منتشر ہو گئے۔ کچھ گستاخ کاکلیں اُس کے چاند سے چہرہ پر آپڑیں جو بالکل ایسی معلوم ہو رہی تھیں جیسے چاند پر سیاہ بدلی آگئی ہو۔ وہ اسی طرح پڑی ہوئی تھی کہ سلمہ آگئی۔ اُس نے آتے ہی کہا۔ یہ تم نے سوگواروں کی سی صورت کیوں بنالی؟

عذرا اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے کہا۔ سلمہ! اس وقت میرا دل بہت ہی بیچین ہے۔

سلمہ عذرا کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ قیس کی یاد ستا رہی ہے۔ یہ بات تھی تو تم نے اسے جانے ہی کیوں دیا؟

عذرا نے بھولی سی صورت بنا کر جواب دیا۔ میرا کیا بس تھا۔ میں نے بہت کچھ روکنا چاہا۔ لیکن وہ نہیں رُکے۔

سلمہ نے کہا۔ وہ نہیں رکے تھے تو تم ان کے ساتھ چلی جاتیں۔

عذرا۔ کاش میں چلی جاتی۔۔۔۔۔ مگر نہیں میں نہیں جا سکتی تھی۔۔۔ آہ یہ میرا کیسا ان لیتے۔۔۔۔۔

شوخ و شریر سلمہ نے شوخی سے مسکرا کر کہا۔ جب انہوں نے تمہارا کہنا نہیں مانا تو تم اُن کا خیال کیوں کرتی ہو؟

عذرا۔ میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔

سلمہ۔ ایسا دل بھی کس کام کا جو اپنے اختیار میں نہ ہو۔

عذرا۔ کاش میرا دل میرے اختیار میں ہوتا۔ سلمہ بہنیں میں دفورِ غم سے دیوانی نہ ہو جاؤں۔

سلمہ نے عذرا کو فرط محبت سے اپنے آغوش میں کھینچکر اس کے پھول سے عارض کو چوم کر کہا۔ دیوانے ہوں تمہارے دشمن۔ آؤ چچی صاحبہ کے پاس چلیں۔ وہ خواتین عرب سے ملنے جانے والی ہیں۔ وہاں تمہاری طبیعت ضرور بہل جائے گی۔

عذرا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ لیلیٰ آ گئی اُس نے آتے ہی کہا۔ عذرا! آؤ خواتین عرب سے مل آئیں۔ سلمہ تو بھی چل۔

سلمہ۔ جی چلئے۔ بہن عذرا بھی چلنے کو تیار ہیں۔

عذرا۔ سچ تو یہ ہے کہ میرا دل کہیں جانے کو نہیں چاہتا۔ لیکن آپ کے حکم کی تعمیل کرنے کو تیار ہوں۔

لیلیٰ۔ عذرا تو ایسی کیوں ہو گئی؟ یہ تیری......

عذرا نے قطع کلام کر کے کہا۔ چلئے۔ میں بھی چلتی ہوں۔

عذرا نے اپنے بالوں کو درست کیا۔ دوپٹہ کے اوپر سفید چادر اوڑھ لی سلمہ نے بھی چادر اوڑھی۔ لیلیٰ بھی چادر اوڑھ کر آئی تھی۔ یہ تینوں خیمہ سے نکل کر شمال کی طرف ایک کشادہ سنتر پر اپنے جسموں کو چادر میں چھپائے روانہ ہوئیں۔

مجاہدین کے ساتھ اُن کی عورتیں بھی رہتی تھیں۔ ان کی عورتوں کے لئے نہایت وسیع احاطہ میں متعدد خیمے کچھ اس طرح نصب کئے گئے تھے کہ وہ ایک جگہ ہوتے ہوئے بھی علیحدہ علیحدہ تھے اس احاطہ کے وسط میں ایک بڑا سائبان اونٹوں کی کھال کا تھا۔ اس سائبان کے نیچے تمام عورتیں جمع ہو

نماز پڑھا کرتی تھیں۔

یہ سراپردہ عامر کے خیمے سے تقریباً چار فرلانگ کے فاصلہ پر تھا۔ عذرا سلمہ اور بیلے اس سراپردہ میں داخل ہوئیں۔ یہ سب جس خیمہ میں داخل ہوئیں وہ خولہ کا تھا۔

خولہ ضرار کی حقیقی بہن تھی۔ یہ نہایت خوبصورت۔ نوجوان۔ پُرجوش، بہادر اور عقلمند تھی۔ مقام یرموک میں جب رومیوں نے مسلمانوں پر یلغار کی اور مسلمان شکست اُٹھا کر بھاگنے لگے تو یہ سر سے چادر باندھ کر جنگ کی آگ میں کود پڑیں۔ اور نہایت دلیری سے لڑیں۔ ان کو جنگ کرتے ہوئے دیکھ کر تمام عورتیں سروں سے چادریں لپیٹ لپیٹ کر خولہ کے ہمراہ رومیوں سے لڑنے لگیں۔ عورتوں نے سیکڑوں آدمیوں کو مار ڈالا تھا اس جنگ میں خولہ نے بڑا کارنمایاں کیا تھا۔ اسی وقت سے خولہ کی ہر مسلمان کے دل میں عزت اور محبت قائم ہو گئی تھی۔ وہ اس جنگ کی بدولت تمام لشکر میں مشہور ہو گئی تھی۔

خولہ اپنے بھائی ضرار کے ہمراہ اس ملک میں آئی تھیں۔ ان دونوں بھائی بہن میں بہت زیادہ محبت تھی۔ ایسی محبت جس کی نظیر ہی نہیں دکھا سکتی اس وقت خولہ کے پاس کئی عورتیں بیٹھی تھیں۔ ان میں ایک تو ام تمیم تھیں۔

ام تمیم خالد کی بیوی تھیں۔ یہ نہایت بہادر اور دانشمند تھیں ایک مرتبہ ان کے شوہر خالد کو رومیوں نے قنسرین کے قریب نرغہ میں لے لیا انھوں نے خبر سنی تو بیتابانہ گھوڑے پر سوار ہو کر تنہا روانہ ہوئیں اور رومیوں کے عظیم لشکر پر حملہ کر دیا۔ ان کی اس جرات اور دلیری اور خارا شگاف تلوار نے جیسوں رومیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ رومی ان سے خائف ہو گئے۔ یہ دلیرانہ لڑتی ہوئی خالد کے پاس پہونچیں اور خالد کے

ہمراہ ہو کر اس وقت تک لڑتی رہیں جب تک مجاہدین اسلام ان کی مدد کو پہونچے۔ ان کی اس جرات و دلیری نے انہیں تمام اسلامی لشکر میں مشہور کر دیا تھا۔

دوسری اُم ابان تھیں۔ یہ بھی نوجوان اور خوبصورت تھیں۔ مگر نہایت بہادر، دلیر اور نڈر تھیں۔ ان کے شوہر دمشق میں شہید ہو گئے تھے۔ ابان کو توما نے شہید کیا تھا۔ توما ہرقل کا دوسرا داماد تھا۔ اُم ابان اپنے شوہر کی شہادت کی خبر سن کر جوش غضب میں بھر گئیں۔ وہ جنگ کی آگ میں کود پڑیں اور متعدد رومیوں کو قتل کر ڈالا اور دلیرانہ لڑتی ہوئی توما کے مقابلہ میں پہونچیں اور اس کی ایک آنکھ پھوڑ ڈالی۔ توما بھاگ گیا رومیوں کو شکست ہوئی۔ ان کی اس دلیرانہ جرات و ہمت نے انہیں اسلامی لشکر میں مشہور کر دیا تھا۔ ہر شخص ادب و احترام سے ان کا نام لیتا اور ان کے کارنامے بیان کر کے ان کی تعریف کرتا تھا۔

تیسری عفیرہ تھیں۔ یہ بھی نہایت عقلمند، دور اندیش اور غضب کی دلیر تھیں۔ جب مسلمان دمشق سے اجنادین کی طرف روانہ ہوئے تو کچھ عورتیں پیچھے رہ گئیں۔ رومیوں نے ان عورتوں کو جنگ پر آمادہ کیا اور نہایت دلیری سے رومیوں پر حملہ کر دیا۔ رومی حیران رہ گئے۔ جب ان آدمیوں کو مسلم عورتوں نے زیادہ قتل کر دیا تو وہ انہیں چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ عفیرہ کا اس وقت سے تمام اسلامی لشکر میں شہرہ ہو گیا تھا۔ عام طور پر مسلمان ان کے مداح اور ممنون احسان تھے۔ اسی طرح اور بھی بہت سی عورتیں حمیدہ، صابرہ اور زاہدہ بیٹھی تھیں۔

یہ تمام عورتیں لیلیٰ، عذرا اور سلمہ کو دیکھ کر تعظیم کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انہوں نے نہایت مسرت اور خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا۔ پیار و محبت سے ملیں۔ سلام دعا ہوئی۔ خیر و عافیت دریافت کی گئی۔

خولہ نے جوش مسرت میں عذرا کو اپنے سینہ سے لگا کر اُس کے پھول سے عارض چوم لیا۔ عذرا شرما گئی خولہ نے کہا " واہ وا! شرما گئیں۔ میری خوبصورت بہن تم کس قدر شرمیلی ہو۔ تمہاری صورت کیسی پیاری ہے۔ چشم بد دور۔ یہی جی چاہتا ہے کہ دیکھے ہی جائیے۔

عذرا اور بھی شرما گئی۔ اب یہ سب عورتیں بیٹھ گئیں۔ خولہ نے عذرا کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اپنے قریب بٹھا لیا۔ ام تمیم نے لیلےٰ سے مخاطب ہو کر کہا۔ " بہن معاف کرنا میں تمہارے پاس تم سے ملنے نہ آ سکی۔ اب جانے کا ارادہ ہی کر رہی تھی کہ تم آ گئیں۔

لیلےٰ نے ہنسکر کہا " جی کیوں نہیں! تم تو ضرور میرے پاس آتیں۔ یہ نہیں کہتیں کہ منہ دیکھے کی محبت ہے۔ مجھے دیکھو۔ محبت تھی۔ جی نہ رہ سکا دوڑی چلی آئی۔

ام ابان نے مسکرا کر کہا " لیلےٰ! ام ابان سچ کہہ رہی ہیں۔ ہم سب اب تمہارے پاس چلنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے "!

لیلےٰ مسکرائی اُس نے کہا " جی تم تو ان کے پاس بیٹھی ہو۔ ان کی سی ہی کہو گی "۔

خولہ نے ہنسکر کہا " تم نے تو سب کو جھٹلا دیا۔ سچ یہ ہے کہ ہم سب تمہارے پاس چلنے کو تیار تھے "۔

لیلےٰ ابھی ہنس پڑی اُس نے کہا " بہن معاف کرنا مجھے تمہاری بات کے یقین کرنے میں اس لئے تامل ہے کہ حضرات خوبصورت آدمی ذرا کم سچ بولا کرتے ہیں۔

شوخ و شریر سلمہ نے مسکرا کر کہا " خدا کا شکر ہے۔ کہ میں خوبصورت نہ ہوئی نہیں تو تجھی جاں میرا بھی یقین نہ کرتیں۔

سلمہ کی اس بات پر سب ہنس پڑے۔ خولہ نے عذرا کی طرف دیکھ کر

مسکراتے ہوئے کہا: "ہم سب سے زیادہ خوبصورت بہن عذرا ہے۔ اس حساب سے یہی سب سے کم سچ بولتی ہوں گی۔ کیوں عذرا یہی بات ہے۔

عذرا شرما رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی سرمگیں آنکھیں جھپکی جاتی تھیں۔ اُس نے مسکرا کر خولہ کو دیکھتے ہوئے کہا" ہر انسان جیسا خود ہوتا ہے ویسا ہی دوسروں کو سمجھتا ہے۔

خولہ بیساختہ ہنس پڑی۔ اس نے لیلےٰ سے مخاطب ہو کر کہا" لیجئے فیصلہ ہو گیا۔ چونکہ تم بھی ماشا اللہ خوبصورت ہو اور خود کم سچ بولتی ہو۔ اس لئے تم سمجھتی ہو کہ سارے خوبصورت انسان کم سچ بولا کرتے ہیں۔

اس بات پر سب ہنس پڑیں خولہ نے عذرا کی منوّر پیشانی چوم کر کہا "سچ کہا! میری پریزاد بہن نے سچ کہا!!

عذرا اور بھی شرما گئی۔ ام ابان نے کہا" خولہ! تم نے تو حسن کی ملکہ کو شرم و حیا کی گڑیا بنا دیا۔ خدا جانے یہ لڑکی کس پر ہوئی ہے۔ بات بات میں شرما جاتی ہے۔ ہاتھ پیروں کو دیکھو کس قدر نازک ہیں اگر کبھی جنگ کا موقع آ جائے تو تلوار بھی نہ اٹھ سکے۔

لیلیٰ نے ام ابان سے مخاطب ہو کر کہا" ام ابان! یہ بات نہیں ہے۔ خیر سے میری عذرا فنون جنگ سے خوب ماہر ہے۔ اگرچہ ابھی جنگ میں تلوار چلانے کا موقع نہیں ملا ہے۔ لیکن اکثر اس نے تلوار کا ایک ہی ہاتھ مار کر کھجوروں کے درختوں کو دو ٹکڑے کر دیا ہے۔"

ام ابان مسکرائی اور اس نے کہا

ع

"اللہ کرے قوت و جوش اور زیادہ"

عمیرہ نے لیلےٰ سے مخاطب ہو کر کہا" بہن لیلیٰ! تم ملیحدہ کیوں اتریں؟

سی جگہ ایک طرف اپنا خیمہ نصب کرا لیتیں۔"

ام تمیم نے کہا۔" آپ کو خبر نہیں۔ انہیں اپنے شوہر سے اس قدر محبت ہے کہ ایک گھڑی کی مفارقت بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔"

لیلےٰ نے ہنس کر کہا۔" جی ہاں مجھے تو محبت ہے۔ لیکن ان کے دل میں اپنے شوہر کی طرف سے کدورت ہے۔ اسی لئے تو الگ پڑی ہوئی ہیں۔"

ام تمیم ہنس پڑی۔ اُس نے کہا۔" یہ تو میں پہلے ہی جانتی تھی کہ تم مجھے لاجواب کر دو گی۔........ کہو سفر میں کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہوئی۔

لیلےٰ۔ نہیں۔ سفر نہایت آرام اور مسرت سے کٹا شاید تم نے سنا ہو۔ میرا بھتیجا قیس بھی میرے ساتھ آیا ہے۔ خدا اُسے خوش رکھے اُس نے ایسی خدمت کی کہ ذرا بھی تکلیف نہیں ہوئی۔

ام تمیم۔ ہاں میں نے سنا ہے۔ رات ہی تو یہ (اپنے شوہر حضرت خالد کی طرف اشارہ ہے) ذکر کر رہے تھے۔ میں نے بچپنے میں قیس کو دیکھا تھا۔ بڑا پیارا معلوم ہوتا تھا۔ اب تو ماشا اللہ جوان ہو گیا ہوگا؟

لیلیٰ۔ جی ہاں۔ خیر سے جوان ہو گیا ہے۔ بڑا پیارا لڑکا ہے۔ صورت پہ بہت ہی بھولا پن برستا ہے۔ چشم بد دور ہزاروں میں ایک ہے۔

عذرا قیس کی تعریف اور پھر اپنی والدہ کی زبان سے سن کر نہایت محظوظ اور مسرور ہوئی۔ لیکن فوراً ہی خدا جانے اُسے کیا خیال آگیا کہ اس کے چہرہ کی رنگت اُڑ گئی۔ ہوش ربا آنکھوں سے غم و افسوس ظاہر ہونے لگے۔ اُس نے نازک سر جھکا لیا اور کسی غم و فکر میں مبتلا ہو گئی۔

خولہ نے لیلےٰ سے مخاطب ہو کر کہا۔" بھیا (ضرار) کہتے تھے کہ قیس بھی جہاد پر جائے گا۔

لیلےٰ۔ ہاں وہ بھی تمہارے بھائی کے ساتھ گیا ہے۔

صابرہ۔ میرا لڑکا بھی گیا ہے۔ خیر سے وہ بھی قیس کی عمر کا ہے۔

زاہدہ۔ میرے بیٹے نے تو بہت کوشش کی لیکن سالار اعظم نے اجازت ہی نہ دی۔ اُسے جہاد پر نہ جانے کا بڑا رنج ہے۔ صبح سے اُداس بیٹھا تھا۔ میں سمجھا بُجھا کر آئی ہوں۔

خولہ۔ صرف ۲۰۰ ہی مجاہدین تو گئے ہیں۔ امین الامۃ کسے کسے بھیجتے۔

ام ابان۔ عرصہ سے جنگ بند ہے۔ مسلمان پڑے پڑے اکتا گئے ہیں۔ اسی لئے ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ وہی جہاد پر بھیجا جائے۔

اُم تمیم۔ اب انشاءاللہ انطاکیہ پر حملہ ہوگا۔ سب کے دلوں کے حوصلے نکل جائیں گے۔

زاہدہ۔ کہیں حملہ ہو بھی۔ پہلے تو یہ تھا کہ دربار خلافت سے حکم آجائے۔ اب وہاں سے بھی حکم آگیا۔ پھر بھی امین الامۃ یورش نہیں کرتے۔

لیلےٰ۔ ہم تم ان کی مصلحتوں کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ انہیں کسی بات کا انتظار ہے جہاں وہ بات ہوئی اور انہوں نے حملہ کیا۔

اُم تمیم۔ یہی بات ہے۔ امین الامۃ بڑے جہاندیدہ ہیں۔

لیلےٰ۔ سنا ہے انطاکیہ میں یہاں سے بھی زیادہ سردی ہے؟

اُم تمیم۔ وہاں کی سردی کا کیا پوچھتی ہو۔ اسی خطہ کو دیکھنے والے تو یہ کہتے ہیں کہ اکثر اس کثرت سے برف پڑتی ہے کہ پانی تک جم جاتا ہے۔

لیلےٰ۔ الامان! وہاں لوگ کیسے رہتے ہوں گے۔ میرا تو یہیں یہ حال ہے کہ ہر وقت اُونی شال اوڑھے رہتی ہوں۔ ذرا شال بدن سے الگ ہوئی اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے تیر کی طرح لگنے لگے۔ وہاں کی سردی کیسے برداشت ہوگی؟

اُم تمیم۔ یہ ملک سرد ہی بہت ہے۔ گرم ملک والے یہاں کی سردی مشکل سے برداشت کرتے ہیں۔

ابھی اسی قدر گفتگو ہوئی تھی کہ ظہر کی اذان ہوئی۔ اذان سنتے ہی یہ سب

عورتیں اُٹھ کھڑی ہوئیں اور سائبان کے نیچے پہونچیں۔ یہاں بہت سی عورتیں جمع تھیں جو وضو کر رہی تھیں۔ بہت سی آ رہی تھیں۔ انہوں نے بھی وضو کیا۔ وضو کر کے سنتیں پڑھیں۔ سنتیں پڑھ کر فرض کے لئے کھڑی ہوئیں۔ ایک ضعیف عورت امام بنی باقی سب متعدد صفوں میں کھڑی ہوئیں۔ چند سن رسیدہ عورتوں نے صفیں سیدھی کیں۔ نماز شروع ہوئی۔ فرض ادا کر کے سب نے سنتیں اور نفل پڑھے۔ تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد سب نماز سے فارغ ہو کر اپنے اپنے خیمہ کی طرف چلی گئیں۔ ام تمیم ام اَبان۔ صابرہ۔ خولہ اور لیلےٰ وغیرہ خولہ کے خیمہ پر پہونچیں۔ اب لیلےٰ نے واپس جانے کے لئے اجازت چاہی۔ ام تمیم نے کہا: "ایسی جانے کی کیا جلدی ہے؟ شام کا کھانا کھا کر چلی جانا۔

لیلےٰ۔ آپ کی عنایت کا شکریہ! اب تو اجازت دیجئے پھر کسی روز دیکھا جائے گا

ام ابان نے مسکرا کر کہا: "اللہ ری محبت! یہاں آئے زیادہ سے زیادہ ڈھائی گھنٹے ہوئے ہونگے۔ لیکن انہیں ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے شوہر سے چھٹے ہوئے کئی ہفتے گذر گئے ہیں"

لیلےٰ نے متبسم ہو کر کہا: "ام ابان تمہیں اس کا کیا جواب دوں۔ اگر بہن ام تمیم کہتیں تو جواب دیتی۔

ام تمیم نے ہنس کر کہا: "بس مجھے تو معاف ہی رکھو۔ میں نہیں جیت سکتی

خولہ نے مسکرا کر کہا: "اچھا اگر تم جانا چاہتی ہو تو جاؤ لیکن کل آنے کا وعدہ کرتی جاؤ۔

ام تمیم نے زیر لب متبسم ہو کر کہا: "یہ بھی وعدہ کرتی جاؤ کہ کل انہیں بھی لیلےٰ کے شوہر کی طرف اشارہ ہے) جی بھر کے دیکھتی آؤ گی۔ تاکہ سارے دن یہاں رہنے پر بھی ان کی یاد یہاں سے چلنے پر مجبور نہ کرے۔

خولہ نے ہنسکر کہا۔ یہ مشکل ہے

لیلیٰ۔ یہ تو ام تمیم سے دریافت کرو جو ہر وقت اپنے شوہر کے زانو سے زانو ملائے بیٹھی رہتی ہیں۔

اُم تمیم نے ہنسکر کہا: "یہ کیوں مجھ پر تم برس پڑیں"

لیلیٰ۔ اب تم سے ہی کچھ کہہ سکتی ہوں اور تو یہ میرے سامنے کی لڑکیاں ہیں۔

خولہ۔ اچھا وعدہ کرو کل آؤ گی۔

لیلیٰ۔ اب کل بھی میں ہی آؤں۔ کل تم سب وہیں چلی آنا۔

اُم تمیم نے سوکھا سا منھ بنا کر کہا: "بس جی وہی بات ہوئی۔ انہیں اپنے شوہر کی مفارقت بالکل گوارا نہیں"

لیلیٰ۔ خیر کل تم ہی اپنے شوہر کی مفارقت گوارا کر لینا۔

اُم تمیم۔ بہت اچھا۔ میں آؤں گی۔

لیلیٰ۔ خولہ تم بھی آؤ گی۔

خولہ نے عذرا کو اپنی آغوش میں کھینچکر کہا: اس پری کی محبت کی بدولت میں بھی آؤں گی۔

لیلیٰ۔ اور ام ابان! تم؟

ام ابان۔ بھلا میں کیوں نہ آؤں گی۔

غرض جتنی عورتیں یہاں بیٹھی تھیں لیلیٰ نے سب سے فرداً فرداً اپنے یہاں آنے کا وعدہ لیا اور رخصت ہو کر مع عذرا اور سلمہ کے چادر میں لپٹ لپٹ کر روانہ ہوئیں۔ اور آہستہ آہستہ چل کر اپنے خیمہ پر آ گئیں۔ لیلیٰ اور سلمہ تو کام دھندے میں مصروف ہو گئیں اور عذرا مغموم و متفکر ہو کر جا پڑ گئی۔ بقیہ دن اور ساری رات اس نے فکر و تردد میں تڑپ تڑپ کر کاٹی۔ دوسرے دن جب وہ بیدار ہوئی تو اس کی طبیعت پہلے دن سے بھی

زیادہ مضطرب اور بے چین تھی۔ اس کا پیارا پیارا چہرہ سخت افسردہ ہو رہا تھا۔ خوبصورت آنکھوں سے غم و افسوس کے آثار ظاہر تھے اس کا دل بے اختیار امڈا چلا آ رہا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ خوب چیخیں مار مار کر روئے لیکن وہ ضبط و جبر کر رہی تھی۔ اُسے اپنی حالت پر سخت تعجب تھا۔ اُسے اس حالت میں بیٹھے بیٹھے دوپہر ہو گیا۔ دوپہر کا کھانا اُس نے بڑی مشکل سے کچھ تھوڑا سا کھایا۔ کھانا کھا کر پھر پڑ رہی۔ ابھی پڑے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ خولہ، ام تمیم اور وہ سب عورتیں جنہوں نے کل یہاں آنے کا وعدہ کیا تھا آ گئیں۔ لیلےٰ نے نہایت مسرت و محبت سے اُن سب کا خیر مقدم کیا۔ یہ سب خیمہ کے اندر فرش پر بیٹھ گئیں۔ عذرا اور سلمہ بھی اُن کے پاس جا بیٹھیں۔ خولہ نے عذرا کے متفکر و مغموم چہرہ کو دیکھ کر کہا۔

میری حور تجھے کیا ہو گیا۔ یہ رات ہی رات میں تیرا چہرہ کیوں اتر گیا؟

عذرا نے شرم سے سر جھکا کر جواب دیا "رات نیند نہیں آئی۔ طبیعت بہت زیادہ بے چین رہی۔

خولہ نے عذرا کو کھینچکر اپنے زانو پر بٹھا لیا اور ہمدردی کے لہجہ میں کہا نیند کیوں نہیں آئی۔ کیا کوئی فکر تھا۔

عذرا۔ فکر کچھ بھی نہیں تھا۔ خدا ہی.....

خولہ نے قطع کلام کرکے مسکراتے ہوئے آہستہ سے عذرا کے کان میں کہا "

عذرا تمہیں کسی سے محبت ہے.......... کیا بتا دوں تم کسے پیار کرتی ہو۔

خولہ عذرا سے دو چار ہی برس بڑی تھی۔ وہ خوش خلق اور خوش طبع تھی۔

خولہ کی زبان سے اس بات کو سنتے ہی عذرا کا خون خشک ہو گیا

وہ اس خیال سے کہ اس کی محبت کا راز فاش ہو گیا سہم گئی۔ وفور غم سے اُسکا
کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ وہ سمجھ گئی کہ اس کی محبت کا افسانہ طشت از بام ہوتے
ہی وہ ہمیشہ کے لئے قیس سے جدا ہو جائے گی۔ معصوم لڑکی کے
دل پر اس خیال نے اور بھی تیر و نشتر کا کام کیا۔ خولہ نے پھر رازدارانہ
طریقہ پر نہایت ہی آہستگی سے کہا" عذرا تم قیس کو پیار کرتی ہو۔ تم
لاکھ چھپاؤ مگر تمہاری محبت خیز چتونیں صاف طور پر کہہ رہی ہیں۔

عذرا یہ سنتے ہی لرز گئی جیسے اُسے جاڑا چڑھ آیا۔ اس کا پیارا
چہرہ وفور غم و درد سے سفید پڑ گیا۔ اُس نے غم و افسوس بھری نظر دل
سے خولہ کو دیکھ کر آہستہ سے کہا" خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو۔ میں تمہاری
ان باتوں سے بدنام ہو جاؤں گی۔

خولہ عذرا کی یہ کیفیت دیکھ کر سخت متاسف ہوئی۔ وہ پچھتائی۔ اُس نے
دلدہی کے طور پر کہا" عذرا! میں تو ہنس رہی تھی۔ تم فضول مغموم و
متفکر ہوتی ہو۔

عذرا سنبھلکر علیحدہ ہو گئی۔ ام تمیم اور ام ابان نے جنگ کے گذشتہ
واقعات بیان کرنے شروع کئے۔ ان واقعات کو لیلےٰ اور سلمہ اور عذرا
نہایت غور و توجہ سے سننے لگی اس سے عذرا کی طبیعت کچھ بہلنے لگی۔

تھوڑی ہی دیر میں ظہر کی اذان ہوئی۔ ان سب نے نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر لیلےٰ
نے کچھ ناشتہ پیش کیا۔ سب نے کھایا۔ کھا کر پھر وہی جنگ کا ذکر چھڑ گیا۔ یہاں
تک کہ عصر کا وقت آ گیا۔ تمام عورتوں نے عصر کی نماز پڑھی۔ ابھی نماز
پڑھ کر یہ اٹھی ہی تھیں کہ باہر لشکر میں کچھ شور و غل ہوا۔ لوگ حسرت و
افسوس کے کلمات بلند کر رہے تھے۔ اس شور کو سن کر حور وش عذرا کا
دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ اپنا کلیجہ دبا کر اس طرح بیٹھ گئی گویا وہ
غم و درد کو برداشت کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

تمام عورتیں اس شور و غل کو سنکر بیچین ہو گئیں ان کے چہروں سے حسرت سی ٹپکنے لگی۔ خولہ نے لیلے سے مخاطب ہو کر کہا " ذرکسی سے دریافت کرائیے تیں کہ یہ شور کیا ہو رہا ہے

لیلےٰ دوڑ کر خیمے کے دروازے پر پہونچی۔ عامر دروازے کے سامنے چہل قدمی کر رہا تھا۔ لیلےٰ نے دریافت کیا " یہ شور کیا ہو رہا ہے ؟

عامر۔ ابھی معلوم نہیں ہوا۔ میں نے ہمام (غلام) کو بھیج رکھا ہے وہ واپس آئے تو معلوم ہو۔

لیلےٰ نے کانپتی ہوئی آواز سے کہا " ذرا تم ہی بڑھ کر دریافت کر لیتے۔ خدا خیر کرے۔ میرا کلیجہ کانپنے لگا ہے۔

عامر روانہ ہوا۔ لیلےٰ نے بلند آواز سے پھر کہا۔ ذرا جلدی آنا میں تمہاری واپسی تک یہیں کھڑی رہوں گی۔

عامر چلا گیا۔ لیلےٰ انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں عامر واپس آتا ہوا نظر آیا۔ وہ سخت مغموم و متفکر تھا۔ اُس کے چہرہ سے حزن و ملال کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ پیر ڈگمگا رہے تھے۔ لیلےٰ اُس کی یہ کیفیت دیکھ کر بیچین ہو گئی۔ اُس نے دور ہی سے چلا کر دریافت کیا۔ تم کیا خبر لائے ؟۔

عامر نے قریب آ کر جواب دیا کہ " ضرار اور اس کے ہمراہیوں کو رومیوں نے گرفتار کر لیا۔

اس خبر کو سن کر لیلےٰ سناٹے میں آ گئی۔ اس کا چہرہ اتر گیا آنکھوں سے غم و افسوس ٹپکنے لگا۔ اس نے حسرت بھری نظروں سے عامر کو دیکھ کر دریافت کیا " ہائے میرا انیس . . . . . "

وفور غم و درد سے اُس کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ آنسوں کا سیلاب جاری ہو گیا۔ عامر کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے اس نے بھرائی

ہوئی آواز سے کہا "قیس بھی گرفتار ہو گیا"۔

لیلےٰ سخت مضطرب ہوئی اور اُس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا "ہائے یہ کیا ہو گیا...... آہ قیس! میں تجھے کیسے دیکھوں گی؟"

اب عامر کے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ اُس نے کہا "لیلےٰ صبر کرو.... اگر قسمت میں ہے۔ تو ضرور قیس کی صورت دیکھیں گے"۔

لیلےٰ زار و قطار روتی ہوئی واپس لوٹی۔ اُسے روتا ہوا دیکھ کر ساری عورتیں گھبرا گئیں۔ خولہ نے مضطرب ہو کر پوچھا "ہائے تم بھی روتی ہوئی آ رہی ہو۔ کہو کیا خبر لائیں...... خدایا خیر کرنا میرا دل سخت مضطرب ہو گیا ہے۔

اس وقت عذرا سب سے زیادہ بے چین ہو گئی تھی۔ وہ پیکر غم بن کر حسرت بھری نظروں سے لیلےٰ کو دیکھنے لگی۔ لیلےٰ نے قریب آ کر کہا غضب ہو گیا۔ ضرار اور ان کے سارے ہمراہیوں کو رومیوں نے گرفتار کر لیا۔

اس جانکاہ خبر نے تمام عورتوں کے سروں پر بجلی گرا دی۔ وہ سب کی سب اس قدر غمزدہ ہوئیں کہ اُن کے آنسو جاری ہو گئے۔ خولہ کی حالت سخت ناگفتہ بہ ہو گئی۔ اُس کی خوبصورت آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری ہو گیا۔ اُس نے ایک دلدوز آہ کی اور حسرت بھرے لہجہ میں کہا "یَا ابنُ اُمِّ لَیْتَ شعری فی السلاسل اوثقوک ام بالحدید قیدوک۔ ترجمہ اے میرے ماں کے بیٹے! کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تم کو زنجیروں میں جکڑا ہے یا لوہے میں قید کیا ہے"۔

خولہ کو ضرار سے اور ضرار کو خولہ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ وہ ایک دوسرے پر پروانہ وار فدا تھے۔ بھائی بہنوں میں ایسی محبت کم دیکھی گئی ہے جیسی ان دونوں میں تھی خولہ کو اس قدر غم و رنج ہوا کہ اس سے ضبط بھر کرنا دشوار ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری ہو گیا۔ چہرہ کا

رنگ پھیکا پڑ گیا۔ وہ اچھی تعلیم یافتہ تھی اور پرجوش و دلیر مجاہدہ۔ اکثر وہ اشعار بھی کہہ لیا کرتی تھی۔ اُس نے ایک لمبی آہ کر کے کہا۔ ؎

الا مخبر بعد الفراق یخبرنا ۔۔۔ فماذا الذی یا قوم اشغلهم عنا

کیا نہیں ہے کوئی خبر دینے والا جدائی کے بعد ہماری ۔۔۔ پس کس امر نے باز رکھا ہے قوم کو ہم سے

ولو کنت ادری انه اخر النوی ۔۔۔ لکنا وقفنا للوداع وودعنا

اور اگر میں جانتی اس امر کو کہ یہ آخری جدائی ہے ۔۔۔ ہر آئینہ میں رخصت کرتی رخصت کرنے کی طرح

ذکرت لیالینا وکنا جماعة ۔۔۔ ففرقنا ریب الزمان وشتتنا

ذکر کیا تھا میں نے راتوں میں اور ہم جماعت تھے ۔۔۔ پس جدا کیا ہم کو حوادث زمانہ نے اور ہمیں پریشان کر دیا

لئن رجعوا یوما الی دار عزهم ۔۔۔ لقمنا خفافا للمطے وقتلنا

اگر وہ پھریں کسی دن اپنے بزرگی کے گھر کی طرف ۔۔۔ ہم کھڑے ہوں آواز سننے ناپ کے اور پیشوائی کریں ہم

ولم انس اذ قالوا اضر ادمطرح ۔۔۔ ترکناه فی الارض العدو وودعنا

جس وقت کہا لوگوں نے کہ ضرار ڈالے گئے ہیں ۔۔۔ ہم نے چھوڑا ہے اور رخصت کیا ہے اُکو دشمن کی زمین میں

فما هذه الایام الا حادثا ۔۔۔ وما نحن الا مثل لفظ بلا معنا

پس یہ دن برائی۔ غم اور اندوہ کے ہیں ۔۔۔ اور ہم نہیں مگر لفظ بدوں معنی ... کے

خولہ نے ان اشعار کو کچھ اس درد بھرے لہجے میں ادا کیا کہ سب زار و قطار رونے لگیں۔ خولہ کی حالت از دیاد غم سے بہت زیادہ خراب ہو گئی۔ یوں تو تمام عورتیں گریہ و زاری کر رہی تھیں لیکن ایک مسن عورت کی حالت خولہ سے بھی زیادہ خراب تھی۔ اس عورت کا نام مزارعہ تھا۔ اس کا سن ۵۰ سال کے لگ بھگ ہو گا۔ اس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ انکھیں حلقوں کے اندر گھس گئی تھیں۔ ایکہ کا ایک نوجوان بیٹا ضرار کے ہمراہ گیا تھا۔ اور وہ بھی گرفتار ہو گیا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کو یاد کر کے رو رہی تھی۔ یہ بھی اچھی شاعرہ تھی۔ اس کا کلام نہایت فصیح ہوتا تھا۔ اُس نے آہ بھر کر کہا ؎

یا ولدی قد زا شوقی نکہتہ
اے میرے بیٹے! تحقیق زیادہ کیا ہے میری شوق نے

وقد حرقت منی الشئون المدامع
اور تحقیق میری آنسو بہانے والی رگیں گرم ہوئی ہیں

وقد اضرمت نار المصیبۃ شعلتہ
اور تحقیق روشن کیا ہے مصیبت کی آگ نے شعلہ کو

و تجمیت منی الحشیا والاضالع
اور میرے جسم اور پسلیوں کو سخت سوزش میں لائے

فیا ولدای مذ غبت کدرت عیشتی
پس اے میرے بیٹے! تم نے پوشیدہ ہو کر میرے آرام کو کھو دیا

فقلبنی مصدوع وطرفی دامع
پس میرا دل ٹکڑے ہو گیا اور آنکھ آنسو بہانے لگی

ان اشعار کو سن کر تمام عورتوں کو سخت رنج و قلق ہوا۔ سب کی آنکھوں سے جوئے اشک جاری تھا۔ لیلی اور سلمہ کے بھی آنسو رواں تھے۔ لیکن حور وش عذرا کی سب سے جداگانہ کیفیت تھی۔ وہ تصویر غم بنی ہوئی تھی۔ اُس کے چہرہ کی رنگت بالکل سپید ہو گئی تھی۔ غم و درد نے اس کا خون ایسا چوس لیا تھا کہ اس کے نازک جسم میں خون کی ایک چھینٹ بھی معلوم نہ ہوتی تھی۔ اُس کی آنکھیں تکتی ہوئی تھیں جو انتہائے غم و ملال کا اظہار کر رہی تھیں۔ اس کے آنسوؤں کو سوز جگر کی حرارت نے خشک کر دیا تھا۔ وہ حسرت و افسوس بھری نظروں سے جسِ لیش کا منھ تک رہی تھی۔ فرط رنج و غم سے اس کا کلیجہ منھ کو آ رہا تھا وہ اپنے نازک ہاتھوں سے کلیجہ کو دبائے بیٹھی تھی۔

عذرا کو اس وقت سخت صدمہ تھا۔ اس جانکاہ صدمہ نے اُس کی روح کو تحلیل کر دیا تھا۔ وہ پیکر غم بنی ہوئی تھی۔ اس کی ہوشربا آنکھوں سے انتہائے غم ہویدا تھا۔ آنکھوں کی پتلیوں کی گردش کم ہوتے ہوتے اب بند ہو گئی تھی۔ سوزش جگر کے انجرات دماغ میں جمع ہونے لگے تھے۔ دفعتاً اس کے جسم میں لرزہ طاری ہوا۔ اُس کے خشک لبوں سے ایک دلدوز چیخ نکلی اور وہ فرش پر دراز ہو کر بے حس و حرکت ہو گئی۔

لیلےٰ نے اپنی بیٹی کی یہ کیفیت دیکھی۔ وہ بےچین ہو کر دوڑی اور عذرا کے اوپر جھک کر اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ہائے میری بچی.... آہ یہ تیری

کیا حالت ہو گئی؟

عذرا بالکل بے ہوش پڑی تھی۔ اس کی نبض بالکل کمزور چل رہی تھی۔ سانس کی آمد و رفت حد درجہ کم تھی۔ بادی النظر میں وہ مردہ معلوم ہوتی تھی تمام عورتوں نے اس کے گرد جھرمٹ کرلیا۔ سب اس کی کیفیت دیکھ کر سخت پریشان ہوئیں خولہ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اپنا غم بھول گئی اس نے کہا۔

اس وقت اس لڑکی کی حالت سخت نازک ہے۔ تم سب علیحدہ ہٹ جاؤ۔ اسے ہوا کرو۔ اور اس کے منھ پر پانی کے چھینٹے دو۔

یہ سنتے ہی لیلےٰ فرط غم سے نیم مردہ ہو گئی۔ اس کی حالت خراب تر ہو گئی۔ بار غم نے اسے دوہرا کردیا۔ ام تمیم نے کہا۔ لیلےٰ! اس قدر نہ گھبراؤ۔ ضبط و استقلال سے کام لو۔ اچھا تم ایک طرف ہٹ جاؤ۔

تمام عورتیں ہٹ گئیں۔ لیلےٰ بھی ایک طرف ہٹ گئی۔ ام تمیم ہوا کرنے لگی۔ سلمہ دوڑ کر پانی لائی۔ ام تمیم نے پانی لے کر عذرا کے چہرہ پر پانی کے چھینٹے دینے شروع کئے۔

عذرا سنگ مرمر کے بت کی طرح بالکل بے حس و حرکت پڑی تھی۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ لیکن ان میں گردش نہ تھی۔ پانی کے چھینٹے دینے اور ہوا کرنے سے بھی بظاہر کوئی فائدہ معلوم نہ ہوا۔ نہ اس نے حرکت کی۔ نہ اس کی حالت میں تغیر واقع ہوا۔ اب ام تمیم نے کہا لڑکی کی حالت سخت نازک ہے۔ فوراً اس کے باپ کو اطلاع دو۔

لیلےٰ دیوانہ وار بڑھی۔ اس نے وفور محبت سے عذرا کا نازک سر اپنے زانو پر رکھ کر اسے جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ عذرا! عذرا!! خدا کے لئے اٹھ ہائے میں تیری یہ حالت کس دل سے دیکھوں؟۔

عذرا کراہی۔ اس کی آنکھوں میں خفیف حرکت پیدا ہوئی۔ لیلےٰ نے

کہا۔" میری قرۃ العین! میری راحت جان!! خدا کے لئے اُٹھ۔ اے خداوندا میری عذرا کو اچھا کر دے۔

عذرا اب متواتر کراہنے لگی۔ اس کا تنفس قاعدہ میں ہونے لگا۔ لیلےٰ نے پھر کہا" میری بچی! میری عذرا! دیکھ! ذرا آنکھیں کھول کر اپنی ماں کی سوگوار حالت دیکھ!!!

عذرا نے اپنی ہوشربا آنکھیں کھول دیں۔ وہ متوحش نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ لیلےٰ نے اسکی منور پیشانی کا بوسہ لیکر کہا۔" میری روح رواں! یہ تیری کیا حالت ہوگئی؟

اُم تمیم نے کہا۔ لیلےٰ کیا غضب کرتی ہو؟ ایک طرف ہٹ جاؤ۔ دیکھتی نہیں ہو اس کی کیا حالت ہے؟ اسے بار بار آواز دیکر پریشان نہ کرو۔

لیلےٰ ایک طرف بیٹھ کر حسرت و افسوس بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اُم تمیم نے عذرا کے پرنور چہرہ پر پانی کے اور چھینٹے دیئے اب حور وش عذرا نے آنکھیں کھول دیں اس وقت اس کی مستانہ آنکھوں میں حسرت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ وہ یاس بھری نظروں سے ایک ایک کا منھ تک رہی تھی۔ اس کی ان نگاہوں کو دیکھ کر دیکھنے والوں کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جاتے تھے۔ تمام عورتیں اپنا دُکھ درد بھول کر اُس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ ام تمیم نے دلدہی کے طور پر کہا۔ میری بیٹی! سنبھلو۔ ہوش میں آؤ۔ تم اس قدر غمزدہ کیوں ہو گئیں؟

عذرا نے ایک لمبی آہ کی۔ اب اُس کے آنسو جاری ہو گئے۔ طبیعت نے اپنا علاج خود کر لیا۔ اسے روتا ہوا دیکھ کر تمام عورتیں پھر بیچین ہو کر آبدیدہ ہو گئیں۔ لیکن ام تمیم نے سب کو اشارہ سے منع کیا سب نے ضبط و صبر کر کے آنسو پیئے اور خاموش ہو گئیں۔

ان عورتوں میں ایک عورت صابرہ نامی تھی۔ اس کا لڑکا بھی ضرار کے ہمراہ گیا تھا۔ اگرچہ وہ بھی غمزدہ تھی۔ اس کے چہرہ کا رنگ بھی فرط غم و درد سے اڑا ہوا تھا مگر وہ رو نہ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ اے خواتین عرب کس قدر افسوس ہے۔ کہ ہم اپنے عزیزوں کی گرفتاری کی خبر سن کر از دیاد غم سے اس قدر از خود رفتہ ہو گئے ہیں کہ خدا اور خدا کے رسول صلعم کے احکام کو بالائے طاق رکھ کر گریہ وزاری میں مشغول ہو گئے ہیں۔ مجھے دیکھو میں ضعیف العمر ہوں۔ میرے صرف ایک ہی بیٹا ہے۔ وہ بھی گرفتار ہو گیا ہے۔ مجھے رنج ہے۔ اور بیحد رنج۔ لیکن میں آہ و بکا یا گریہ وزاری کر کے خدا کی نافرمانی کرنا نہیں چاہتی۔ خدا فرماتا ہے۔ مصیبت میں صبر کرو۔ صبر کرنے والے کو اجر عظیم ملے گا میں کیوں بے صبر بن کر ثواب عظیم کھو دوں۔ سنو! خدائے بزرگ و برتر نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون اولئک علیھم صلوٰۃ من ربھم ورحمۃ واولئک ھم المھتدون

ترجمہ :- (اے محمد صلعم) اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سناؤ۔ جب انہیں کوئی مصیبت پہونچے وہ کہیں اللہ ہی کا مال ہے اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ایسے ہی لوگ مبارکبادی کے قابل ہیں خدا کی طرف سے اور رحمت کے حقدار اور وہی راہ پر ہیں۔

صابرہ کی مختصر تقریر نے بہت اچھا اثر کیا۔ تمام عورتیں ضبط و صبر کر کے خاموش ہو گئیں۔ اب عذرا کو اچھی طرح ہوش آ گیا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ لیکن اب بھی اس کی نرگسی آنکھیں پر نم تھیں سلمہ اٹھ کر اس کے پاس جا بیٹھی اور اسے تسلی دینے لگی۔

ابھی یہ عورتیں خاموش ہو کر بیٹھی ہی تھیں کہ عامر نے سلمہ کو آواز دی سلمہ دوڑ کر دروازے پر گئی۔ عامر نے کہا سلمہ! اپنی چچی سے کہو سالار اعظم

تعزیت کے لیئے تشریف لائے ہیں۔

سلمہ نے جاکر لیلےٰ سے کہا۔ لیلےٰ نے تمام عورتوں سے کہدیا۔ اُم تمیم نے کہا۔ اس خیمہ کے نصف حصے میں کمبل ڈال کر پردہ کر دو۔ وہ پردہ سے اس طرف بیٹھ جائیں گے۔

فوراً سلمہ اور عابرہ نے نصف حصہ میں رسی باندھ کر کمبل ڈالدیے۔ جب پردہ ہوگیا تو سلمہ نے عامر سے جاکر کہا" پردہ ہوگیا ہے۔ آپ ان کو لیکر آجایئے

سلمہ واپس چلی گئی۔ عامر خیمہ کے اندر داخل ہوا اس کے ہمراہ ابو عبیدہ بن الصامت اور خالد تھے۔ یہ تینوں پردہ کے قریب بیٹھ گئے۔ ابو عبیدہ نے عورتوں کو مخاطب کر کے کہا۔ اے خواتین عرب! ہمارے دو سو شیروں کو کافروں نے گرفتار کرلیا ہے۔ تمام مسلمانوں کو ان کی گرفتاری کا بہت زیادہ ملال ہے۔ جس وقت میں نے اس جانکاہ خبر کو سنا ہے بے اختیار میرے آنسو نکل آئے۔ لیکن میں نے فوراً ضبط کیا۔ ہم سب خدا کے فرماں بردار بندے ہیں۔ خدا ہی کی طرف سے ہمیں خوشی یا مصیبت پہونچتی ہے۔ اور ہر مصیبت یا خوشی میں خدا کی مصلحت پوشیدہ ہے۔ ہماری اس مصیبت میں بھی ضرور کوئی مصلحت خداوندی ہے جو اگر آج نہیں تو انشاءاللہ آئندہ ظاہر ہوگی۔ جس طرح سے میں نے اور تمہارے بھائیوں نے اسلامی شیروں کی گرفتاری پر صبر کیا ہے۔ تم بھی صبر کرو۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ عورتوں کا دل نرم ہوتا ہے وہ مشکل سے ضبط و صبر کرسکتی ہیں۔ لیکن سوچو سوائے صبر و شکر کے چارہ ہی کیا ہے۔ ہم قضا و قدر سے نہیں لڑ سکتے۔ پھر خدا کی نافرمانی کیوں کریں! میری استدعا ہے کہ تم سب صبر کرو۔ اور خدا سے بہتری کی امید رکھو۔ اس سے اپنے

عزیزوں کی مخلصی کی دعا مانگو۔ میں اب تک انطاکیہ پر حملہ کرنے میں متامل تھا لیکن اب بالکل تامل نہ کروں گا۔ انشاء اللہ بہت جلد حملہ کرونگا خدا کی ذات سے مجھے امید ہے۔ کہ ہم بہت جلد اپنے جانبازوں کو عیسائیوں کے ہاتھوں سے چھڑا لیں گے۔

تمام عورتیں نہایت خاموشی اور سکون سے ابو عبیدہ کی گفتگو سُن رہی تھیں جب وہ خاموش ہوے تو خولہ نے دریافت کیا۔

یا امین الامت! آپ کو مجاہدین کی گرفتاری کی خبر کس نے دی!

ابو عبیدہ۔ دو سو پرستاران توحید کے ہمراہ حضور سرور کائنات فخر موجودات حضرت سیدنا و مولینا محمد صلعم کے غلام سفینہ بھی گئے تھے جو خود بھی گرفتار ہو گئے تھے۔ لیکن وہ کسی طرح نکل بھاگے اور آج عصر کے وقت عسکر اسلامیہ میں واپس آئے ہیں۔ انہوں نے یہ جانکاہ خبر بیان کی ہے۔

خولہ نے دریافت کیا۔ لیکن یہ کیسے ہوا کہ تمام مسلمان گرفتار ہو گئے۔ ابو عبیدہ بجز اس کے اور کیا کہیں کہ خدا کی مرضی۔

واقعہ یہ ہوا کہ مسلمان سو رہے تھے۔ کافروں نے یکایک اُن پر حملہ کر کے انہیں گرفتار کر لیا۔

خولہ۔ گویا جنگ نہیں ہوئی۔ اگر میرا بھائی بغیر لڑے بھڑے گرفتار ہو گیا ہے تو خدا کی قسم میں ان کے حق میں کبھی بھی دعا نہ مانگوں گی۔

خالد نے کہا۔ بیٹی خولہ! کیا تو نہیں جانتی کہ ضرار بیشۂ شجاعت کا نیر ہے؟ کیا تجھے یقین ہے۔ کہ وہ بغیر لڑے بھڑے گرفتار ہو گیا ہو گا۔ نورچشمی! وہ لڑا اور خوب لڑا۔ اس نے دشمن بیش بہنیں۔ بلکہ بچاس ساٹھ کافروں کو مار ڈالا۔ دشمنوں نے اُس کے گھوڑے کو

مار کر گرا دیا۔ ضرار گھوڑے سے گرے۔ فوراً کافروں نے انہیں گرفتار کر لیا۔

خولہ۔ اب میں اپنے بھائی کا غم کروں گی۔ ان کے لئے آنسو بہاؤں گی۔ ہاتھ اٹھا کر ان کی مخلصی کے لئے دعا مانگوں گی۔ اور جب وقت آئے گا میں ان کافروں سے لڑوں گی جنھوں نے میرے شیر دل بھائی کو گرفتار کیا ہے۔

ابو عبیدہ۔ شاباش! بہادر لڑکی شاباش!!

خولہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ مغرب کی اذان ہوئی۔ ابو عبیدہ نے اذان کی آواز سنکر کہا۔ اس وقت اذان ہو رہی ہے۔ میں نماز کو جا رہا ہوں میرا دل چاہتا تھا۔ کہ میں اچھی طرح تمہیں ضبط و صبر کی تلقین کروں لیکن وقت نہیں ہے بس یہ سمجھ لو کہ خدا کی خوشنودی ضبط و صبر ہی میں ہے۔ تم سب صبر و شکر کرو۔ اور خدا سے دعا مانگو کہ وہ دلیران اسلام کو رہائی دلائے۔

اب ابو عبیدہ۔ خالد۔ اور عامر اٹھ کر باہر چلے گئے۔ سب عورتوں نے وضو کر کے مغرب کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر نہایت خلوص دل سے مجاہدین اسلام کی رہائی کے لئے دعا مانگی۔

نماز سے فارغ ہو کر جہاں عورتیں سرا پردوں کی طرف چلی گئیں۔ سلمیٰ کام میں مشغول ہوئی۔

اس وقت عذرا کی طبیعت کسی قدر درست ہو گئی تھی۔ مگر پھر بھی انتہائے غم و حسرت کے آثار اس کے پیارے چہرہ سے ظاہر تھے۔ وفور غم سے اس کے نازک لب خشک ہو گئے تھے۔ کبھی کبھی جب غم و درد اسے بہت بے چین کرتے تھے تو وہ نازک لبوں کو موتی جیسے دانتوں کے نیچے دبا کر ضبط کرتی۔ سلمیٰ اس کے پاس بیٹھی اسے

تسلی دے رہی تھی۔ عذرا نے حسرت آمیز نظروں سے سلمہ کو دیکھ کر کہا "اچھی سلمہ! اب کیا ہوگا؟ میں کیسے اپنی زندگی بسر کروں گی؟"

سلمہ بہت زیادہ متاثر ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے لیکن اس نے ضبط کر کے جواب دیا۔ "عذرا حوصلہ نہ ہارو۔ استقلال سے کام لو۔ مجھے یقین ہے۔ قیس رہا ہو جائے گا۔

عذرا۔ بس ہو چکا۔ ہائے میں پہلے ہی کھٹک رہی تھی۔ سلمہ یہاں گرمی معلوم ہوتی ہے۔ آؤ باہر چہل قدمی کریں۔

سلمہ نے تعجب خیز نظروں سے عذرا کو دیکھ کر کہا۔ "گرمی! اس وقت تو اچھی خاصی سردی ہے۔ مجھے اس شال میں جو میں اوڑھے ہوئے ہوں۔ جاڑا معلوم ہوتا ہے۔

عذرا۔ اس وقت میری طبیعت گھبرا رہی ہے۔ شاید چہل قدمی کر کے کچھ سنبھل جائے۔

سلمہ۔ یہ بات ہے تو چلو۔ لیکن تم شال کو اچھی طرح لپیٹ لو۔ کہیں کھل کر ہوا نہ لگ جائے۔

عذرا اٹھی۔ اس نے چادر اچھی طرح لپیٹ لی۔ یہ دونوں چلنا ہی چاہتی تھیں کہ لیلےٰ آ گئی۔ اس نے کہا عذرا کہاں جاتی ہو؟

عذرا۔ اس وقت میری طبیعت گھبرا رہی تھی۔ میں باہر کھلے میدان میں چہل قدمی کرنا چاہتی ہوں۔

لیلےٰ۔ اچھی بات ہے۔ لیکن زیادہ دور نہ نکل جانا۔

عذرا۔ جی نہیں۔ یہاں خیمہ کے سامنے ہی رہوں گی۔

اب عذرا اور سلمہ خیمہ سے نکل کر باہر آئیں۔

اس وقت اچھی خاصی رات ہو گئی تھی۔ چاند نکل آیا تھا۔ چاندنی نیچے درختوں کی چوٹیوں پر پھیل گئی تھی۔ چاند کی روشنی

کے پرتو نے ہر طرف روشنی کر دی تھی۔ عذرا اور سلمہ سیر کرتی ہوئی قفس بن کے راستے کی طرف روانہ ہوئیں۔ عذرا اب بھی بہت بےچین تھی۔ وہ سلمہ کا سہارا لیکر چل رہی تھی۔ سلمہ نے کہا۔ عذرا! اس قدر بےچین نہ ہو۔ صبر کرو۔ کہیں تمہارا اضطراب افشائے راز کر کے تمہیں بدنام نہ کر دے۔

عذرا نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ سلمہ! تم میرے دل کی کیفیت سے واقف نہیں ہو۔ جی چاہتا ہے۔ چیخیں مار مار کر روؤں۔ ہائے سلمہ! کافروں نے ان کو زنجیروں میں جکڑا ہو گا۔

سلمٰی نے تسلی آمیز لہجہ میں جواب دیا۔ سارے قیدیوں کے ساتھ ایک ہی جیسا سلوک نہیں ہوتا۔ مہذب لوگ سرداروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ ابھی تم قیس کا زیادہ خیال نہ کرو۔ دیکھتی نہیں ہو تم چند ہی روز میں کس قدر کمزور ہو گئی ہو۔

عذرا نے یاس بھری نظروں سے سلمہ کو دیکھ کر جواب دیا۔ سلمہ! مجھے اپنی زندگی سے یاس ہو گئی ہے۔ صرف ایک آرزو ہے کہ کسی طرح ایک دفعہ قیس کی صورت اور دیکھ لوں

سلمہ۔ ناامید نہ ہو۔ انشاءاللہ تم قیس کو دیکھو گی۔

عذرا۔ کاش میں قیس کو نہ جانے دیتی۔ یا خود بھی اُس کے ساتھ چلی جاتی۔ خدایا مجھے صبر دے یا موت عطا کر۔

یہ کہتے ہی کہتے عذرا کے آنسو جاری ہو گئے۔ سلمہ بھی رونے لگی۔ دیر تک یہ دونوں خاموش روتی رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد سلمہ نے دوپٹہ کے آنچل سے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا۔ عذرا! تم بھی روتی ہو اور دوسروں کو بھی رلاتی ہو۔ خدا کے لئے صبر کرو

عذرا نے گہرا سانس بھر کر کہا۔ اب صبر کروں گی۔ . . . . . ہائے اگر

صبر نہ کروں گی تو کیا روتے روتے مر جاؤں گی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن نہیں میری سلمہ! مجھے رو لینے دیا کرو۔ رونے سے دل کی بھڑاس نکل جاتی ہے اور طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے۔

سلمہ۔ میں رونے کو منع نہیں کرتی لیکن ایسے دلدوز فقرے نہ کہا کرو۔ جو دل کے ٹکڑے کر دیں۔

عذرا نے غم بھرے لہجہ میں کہا۔ اچھا سلمہ! میں احتیاط رکھوں گی اس وقت میرا گلا خشک ہو گیا ہے۔ پیاس معلوم ہو رہی ہے۔ اگر دوڑ کر ذرا سا پانی لے آتیں تو بڑا احسان ہو گا۔

سلمہ۔ یہ بھی کوئی احسان کی بات ہے۔ لیکن اس وقت ہم دونوں لشکر سے دور نکل آئے ہیں۔ اگر میں پانی لینے چلی گئی تو تم یہاں تنہا رہ جاؤ گی۔ آؤ واپس چلیں۔ لشکر کے قریب پہنچ کر میں دوڑ کے تمہیں پانی لا دوں گی۔

عذرا۔ نہیں سلمہ! مجھ سے ایک قدم نہ چلا جائے گا۔ شدت سے پیاس معلوم ہو رہی ہے۔ جو افتاد پڑ چکی اس سے زیادہ اور کیا پڑے گی۔ میری فکر نہ کرو۔ جاؤ تم جلدی سے پانی لے آؤ۔

سلمہ۔ نہیں عذرا! میں تمہیں اس جگہ نہیں چھوڑ سکتی۔ آؤ تم میرا سہارا لے کر آہستہ آہستہ چلی چلو۔

عذرا۔ مجھ سے بالکل نہیں چلا جاتا۔ اچھا تم دوڑ کر پانی لاؤ میں آہستہ آہستہ آ رہی ہوں۔

سلمہ واپس لوٹی۔ وہ تیز قدمی سے پانی لینے کے لئے چلی۔ اس نے کئی مرتبہ پلٹ پلٹ کر عذرا کو دیکھا۔ عذرا خرام ناز سے آ رہی تھی وہ مطمئن ہو کر اور تیز چلی اور بہت جلد خیمہ میں پہنچ گئی۔ اس نے جلدی سے ایک چھوٹے سے پیالہ میں چھاگل سے پانی بھرا اور خیمہ سے نکل کر

نہایت تیزی سے چلی۔

اس وقت چاند اوپر آ گیا تھا۔ چاندنی تمام میدان میں پھیل گئی تھی دور کی چیز بھی صاف نظر آنے لگی تھی۔ سلمہ بہت جلد اس جگہ پہنچ گئی۔ جہاں اس نے عذرا کو چھوڑا تھا یہاں عذرا کا پتہ نہ تھا۔ اس کا دل دفور غم و حیرت سے دھڑکنے لگا۔ اُس نے عذرا کو آواز دی۔ اس کی آواز فضا میں گم ہو گئی۔ اس نے چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا لیکن اُسے عذرا کہیں نظر نہ آئی۔ وہ حیران و ششدر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

نواں باب

اسیرانِ ستم

اُٹھے ہیں جفا پیشگانِ مہذب
ہمیں اب مٹانے پہ تیار ہو کر

اہم یوقنا اور شاہزادی زیتون کے ہمراہ معہ مسلمان قیدیوں کے نہایت مسرت و شادمانی کے ساتھ کوچ کر رہا تھا۔

جو قاصد اہم نے ہرقل اعظم کے حضور میں بھیجا تھا وہ دو سو مسلمان قیدیوں کی خبر دیہات اور قصبات کے رئیسوں کو سناتا چلا گیا تھا۔ اسی وجہ سے اہم کا لشکر جس گاؤں یا قصبہ کے قریب ہو کر گذرتا وہاں کے تمام باشندے عورت۔ مرد بچے مسلمان قیدیوں کو دیکھنے کے لیے اُمنڈ آتے۔ وہ مسلمان قیدیوں کو دیکھتے انہیں برا بھلا کہتے اور اہم کی تعریف کرتے۔

ابہم کا دماغ خوشامدیوں سے اپنی تعریف سُن سُن کر عرش معلّیٰ پر پہونچ رہا تھا۔ وہ تجز وغرور سے اپنے کارنامے پر ناز کرتا ہوا بڑھ رہا تھا۔

مسلمان ریشم کی مضبوط ڈوروں سے بندھے ہوئے تھے۔ وہ سر جھکائے نہایت خاموشی اور سکون کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔

جب انطاکیہ قریب رہ گیا تو رومیوں کا ایک عظیم الشان لشکر نمودار ہوا۔ یہ لشکر ہرقل اعظم کے بھتیجے کی قیادت میں شاہزادی زیتون کے استقبال کے لئے آیا تھا۔ یہ لشکر ابہم کے لشکر کو دیکھتے ہی تعظیم کے لئے گھوڑوں سے اُتر پڑا۔ جب ابہم قریب آیا تو قودین نے بڑھ کر آسے سلام کیا اور اُس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور مسلمان قیدیوں کو دیکھ کر اُسے اُس کے کارنامے پر مبارکباد دی۔

اب ابہم اور قودین ہم رکاب ہو کر چلے اور دونوں رومی لشکر انطاکیہ کے اس قدر قریب پہونچ گئے کہ رومی دارالسلطنت کی سر بفلک عمارتیں نظر آنے لگیں تو انہوں نے ایک نہایت ہی عظیم الشان لشکر کو دیکھا۔ یہ لشکر بھی عیسائیوں کا تھا۔ یہ لشکر اس قدر کثیر التعداد افراد پر مشتمل تھا کہ جس طرف نظر جاتی تھی انسانوں کا سمندر لہریں لیتا ہوا نظر آتا تھا۔

یہ لشکر جبلہ کی سرکردگی میں شاہزادی کے خیر مقدم کے لیے آیا تھا۔

جبلہ لشکر کے وسط میں ایک قوی ہیکل گھوڑے پر سوار اکڑا ہوا تھا اُس کے سر پر سرخ رنگ کے ریشم کا کارچوبی سائبان تھا۔ اس سائبان کی نقرئی چوبیں چار سو خدمت گار اُٹھائے ہوئے تھے۔

جبلہ اس وقت نہایت بیش قیمت ریشم کی پوشاک پہنے ہوئے تھا۔ اس کی پوشاک کے حاشیوں پر زر دوزی کام ہو رہا تھا۔ بیل بوٹوں میں سچے موتی ٹنکے ہوئے تھے اور پھول پتیوں پر ہیرے جواہرات آویزاں تھے

وہ سونے کا نہایت درخشاں تاج زیب سر کئے تھا۔ اس کی پوشاک اور تاج دونوں جگمگا رہے تھے۔

جب شاہزادی کی سواری قریب آئی تو جبلہ تعظیم کے لئے گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ اس کے گھوڑے سے اترتے ہی تمام لشکر پیادہ ہو گیا شاہزادی کے قریب آنے پر جبلہ اس کے قریب گیا۔

شاہزادی اس وقت گھوڑے پر سوار تھی۔ جبلہ نے نہایت ادب و احترام سے اس کی رکاب کو بوسہ دیا اور راست قد کھڑا ہو کر کہا۔ یقین ہے حضور کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوئی ہو گی۔

شاہزادی نے ترنم خیز لہجہ میں جواب دیا۔ "نہیں! مجھے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی۔ (یوقنا) اور تمہارے فرزند ایہم نے میرے آرام اور آسائش کا بہت کچھ خیال رکھا۔ میرا یہ سفر نہایت آرام سے کٹا۔ البتہ کبھی کبھی مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کا خوف پریشان کر دیتا تھا۔

جبلہ۔ یہ ضرور ہے۔ کہ مسلمان مرعش کے قریب پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن جب یوقنا آپ کے ہمراہ تھے جو نہایت بہادر پر جوش عیسائی اور حضور کے ادنیٰ جاں نثاروں میں ہیں تو بندگان عالی کو پریشان ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ اس کے علاوہ آپ کا ادنیٰ تریں خادم ایہم بھی جلو میں تھا۔

زتیدن۔ مجھے ان دونوں ہی کی موجودگی سے ڈھارس رہی۔ ایہم نے دو سو مسلمانوں کو گرفتار کر لیا۔ نہایت جرات کا کام کیا۔ سچ یہ ہے۔ کہ بہادروں کی اولاد بھی بہادر ہی ہوتی ہے۔

جبلہ اپنے بیٹے کے ساتھ اپنی تعریف بھی سن کر نہایت مسرور ہوا۔ اس نے کہا۔ "حضور ہمیشہ اپنے خادموں کی ادنیٰ خدمات کو سراہا کرتی ہیں۔ اس تعریف سے ان کی حوصلہ افزائی مقصود ہوتی ہے۔ ورنہ دو سو مسلمانوں کو

گرفتار کر لینا بھی کوئی بات ہے۔

زیتون۔ نہیں صاحب! میں صرف حوصلہ افزائی کے لئے نہیں کہہ رہی ہوں۔ دو سو مسلمانوں کو گرفتار کر لینا بڑی جرأت کا کام تھا میں نے مسلم قیدیوں کو دیکھا ہے۔ سب نہایت بہادر معلوم ہوتے ہیں۔ میں تو انہیں دیکھ کر حیران رہ گئی۔

جبلہ۔ شاہزادی صاحبہ! مسلمان بہادر نہیں ہیں۔ بات یہ ہے کہ اُن میں اتفاق و اتحاد ہے۔ اس اتفاق کی برکت سے وہ فتحیاب ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس ہم عیسائیوں میں نا اتفاقی ہے۔ نا اتفاقی کی بدولت ہم کمزور اور تباہ ہو رہے ہیں۔ جب مسلمانوں میں نا اتفاقی پیدا ہو جائے گی تو وہ بھی تباہ ہو جائیں گے۔

زیتون۔ افسوس یہی ہے۔ کہ عیسائی نا اتفاقی کی بدولت برباد ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اور پھر آنکھیں نہیں کھلتیں۔ دیکھئے اس وقت دھوپ میں تمازت پیدا ہو چلی ہے۔

جبلہ۔ معاف فرمایئے باتوں میں خیال ہی نہ رہا۔

اب جبلہ سلام کر کے واپس لوٹا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اس کے سوار ہوتے ہی تمام لشکر سوار ہو گیا۔ چونکہ اب انطاکیہ بہت تھوڑے فاصلہ پر رہ گیا تھا اس کی دلکشا بلند عمارتیں نظر آنے لگی تھیں اس لئے جبلہ نے لشکر کو جلوس کی صورت میں اس طرح ترتیب دیا کہ سب سے آگے یوحنا کا لشکر روانہ ہوا۔ اس کے بعد شاہزادی زیتون کی سواری چلی۔ اس کے جلو میں پریزاد لڑکیوں کا رسالہ ہوا۔ شاہزادی کے بعد ایہم کا لشکر چلا۔ اس کے پیچھے مسلمان قیدی روانہ کئے گئے۔ یہ قیدی گھوڑوں پر سوار تھے گھوڑے ایک دوسرے سے زنجیروں میں باندھ دیئے گئے تھے۔ قیدی ریشم کی مضبوط ڈوروں سے جکڑے ہوئے تھے۔ قیدیوں کے بعد جبلہ معہ تمام

لشکر کے روانہ ہوا۔

جس وقت یہ لوگ انطاکیہ میں داخل ہوئے تو انطاکیہ کے تمام رومی باشندے مسلمان قیدیوں کے دیکھنے کے لیے امنڈ آئے تمام عیسائی تماشائیوں سے بھر گئے۔ مکانات دکانیں اور انکی چھتیں عورتوں، مردوں اور بچوں سے پٹ گئیں ہر طرف عیسائیوں کا بحر ذخار موجیں مارتا ہوا نظر آتا تھا۔ لوگ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ اژدحام کا یہ حال تھا کہ لشکر مشکل سے قدم قدم چل رہا تھا

مسلمان نہایت خاموشی سے سر جھکائے جارہے تھے۔ انہوں نے آنکھ اٹھاکر یہ بھی نہیں دیکھا کہ کس قدر عیسائی انہیں دیکھنے کے لیے امنڈ آئے ہیں۔

عیسائی مسلمانوں کو نہایت نفرت وحقارت کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان میں اکثر وہ عیسائی تھے جن کے عزیز یا دوست مسلمانوں کے مقابلہ میں مارے گئے تھے۔ ایسے لوگ ان قیدیوں کو کینہ توز نظروں سے دیکھ رہے تھے کہ اگر ان کو حکم دیدیا جاتا تو وہ فوراً مسلمانوں کی بوٹیاں اڑا ڈالتے۔

ان تماشائیوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جو مسلمانوں کی فتوحات کے واقعات سن سن کر ان کو محیر العقول اور انسانی صفات سے بالاتر سمجھنے لگے تھے۔ لیکن اب جو انہوں نے مسلمانوں کو دیکھ تو بے ساختہ پکار اٹھے۔ واہ وا! یہ تو معمولی انسان ہیں۔ ان سے ڈرنا کیا۔

زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو قیدیوں کو دیکھ کر مسرت وشادمانی کا اظہار کر رہے تھے ہتھیلیاں بجارہے تھے۔ رومال اور ٹوپیاں ہلا رہے تھے۔ بعض لوگ مسرت وشادمانی میں اس قدر سرشار ہو گئے تھے کہ وہ اچھل کود رہے تھے کبھی کبھی ناچنے بھی لگتے تھے۔

عورتوں کا ایک گروہ دف کی گت پر ناچتا اور گاتا ہوا لشکر سے آگے آگے چل رہا تھا گویا آج انطاکیہ کا ہر باشندہ خوش تھا۔ ان کے خیال میں آج کا دن عید کے دن سے زیادہ خوشی منانے کا تھا۔

خدا خدا کر کے یہ جلوس شاہی قصر تک پہونچا۔ شاہزادی محل میں داخل ہوئی۔ یہاں اُس کا شاہی خاندان کی عورتوں نے پرتپاک خیر مقدم کیا۔ جلوس آگے بڑھ کے ایک نہایت وسیع میدان میں رُک گیا۔ اس میدان کے مغربی کنارے پر دربار عام کی نہایت بلند، وسیع اور شاندار عمارت تھی یہاں پہونچکر تمام رومی لشکر متعدد صفوں میں اس طرح استادہ ہو گیا کہ دربار عام میں داخل ہونے والے کو کوئی دقت پیش نہ آئے۔

اب یوقنا۔ ایہم اور جبلہ گھوڑوں سے اُترے۔ مسلمان قیدیوں کو بھی گھوڑوں سے اُتارا گیا۔ دو سو رومی ان قیدیوں کو حراست میں لے کر دربار عام میں داخل ہوئے۔

دربار عام کی عمارت نہایت وسیع تھی۔ یوں تو اس میں بہت سے کمرے تھے اور ہر کمرہ نہایت کشادہ تھا لیکن ہال کا کمرہ بہت زیادہ وسیع تھا۔ یہ کمرہ ۳۰۰ فٹ سے زیادہ طویل اور ۲۰۰ فٹ سے زیادہ عریض تھا۔ اس کا فرش سنگ مرمر کا اور چھت سنگ سرخ کی تھی۔ اس ہال میں ہزاروں کرسیاں پڑی تھیں۔ درمیان میں وسیع راستہ آمد و رفت کے لیے چھوڑ کر نیم دائرہ کی شکل میں بنایا گیا تھا۔ ان کرسیوں پر درباری لوگ نہایت پرتکلف پوشاکیں پہنے بیٹھے تھے۔ ان سب کا رخ شمال کی طرف تھا۔ اس شمال رخ کمرے کے آخری سرے پر پندرہ فٹ مربع ایک چبوترہ تھا۔ اس چبوترہ پر چاندی کا جنگلہ لگا ہوا تھا۔ یہ جنگلہ تین اطراف میں تھا چوتھی طرف دیوار تھی۔ اس دیوار میں ایک دروازہ تھا۔ اس دروازہ پر ریشم کے دبیز پردہ پڑا ہوا تھا۔ جنگلہ کے متصل تینوں طرف نہایت قوی ہیکل رومی ننگی تلواریں لئے پہرہ دے رہے تھے۔

جنگلہ کے عین وسط میں نہایت خوبصورت ٹھوس چاندی کا ایک تخت تھا اس تخت میں سونے سے میناکاری ہو رہی تھی۔ اور کناروں پر نہایت صنعت سے ہیرے اور جواہرات کی لڑیاں نصب تھیں

اس تخت پر ایک ادھیڑ عمر کا گران ڈیل خوبصورت عیسائی بیٹھا تھا۔ جو نہایت ہی بیش قیمت کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس کے کپڑوں میں ہیرے اور جواہرات اویزاں تھے۔ بڑے بڑے لعلوں کے بوتام لگے ہوئے تھے۔ سر پر سونے کا نہایت درخشاں تاج تھا۔ یہی رومیوں کا شہنشاہ ہرقل اعظم تھا۔

ہرقل اعظم کے بشرہ سے ذہانت وتدبر ہویدا تھا۔ وہ رومی زبان کے علاوہ عربی، فارسی اور لاطینی زبانیں بھی بخوبی جانتا تھا۔

اس وقت دربار عام میں خاموشی طاری تھی۔ تمام درباری چپ چاپ بیٹھے تھے۔

جبلہ۔ ایہم اور یوقنا اس دربار میں داخل ہوئے۔ وہ آہستہ آہستہ چل کر جنگلہ کے قریب پہنچے۔ انہوں نے سربسجود ہو کر سلام کیا۔ ہرقل اعظم نے سر کے اشارہ سے سلام لیا۔

اب مسلمان قیدی رومی سپاہیوں کی حراست میں جنگلہ کے قریب لیجائے گئے۔ تمام درباریوں نے نظریں اُٹھا اُٹھا کر ان مسلمانوں کو غصہ اور نفرت کی نگاہوں سے دیکھا۔ مسلمان جنگلہ کے قریب پہنچ کر کھڑے ہو گئے۔ انہیں حراست میں لانے والے رومیوں نے زمین پر گر کر ہرقل اعظم کو سجدہ کیا جب وہ سجدہ سے اُٹھے تو انہوں نے مسلمانوں کو بدستور کھڑے ہوئے دیکھا

تمام درباریوں کا خیال تھا کہ مسلمان بھی عیسائیوں کی طرح ان کے شہنشاہ کو سجدہ کریں گے۔ لیکن جب اُنہوں نے سجدہ نہ کیا تو تمام رومی برافروختہ ہو گئے جو سپاہی انہیں حراست میں لے کر آئے تھے اُن کے سردار نے پرغضب ہو کر کہا "مغرور عرب کے پتلو! بادشاہ کو سجدہ کرو۔"

اُس سردار نے عربی زبان میں یہ فقرہ ادا کیا تھا۔ مسلمانوں کو اُس پر سخت طیش آیا۔ غیض وغضب سے اُن کے چہرے سرخ ہو گئے لیکن اُنہوں نے ضبط کیا۔ نہ اُس سردار کو کوئی جواب دیا اور نہ بادشاہ کو سجدہ کیا۔

جنگلہ کے قریب ہی ایک تنومند آدمی چاندی کی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اُسکے سر اور داڑھی کے بال کھچڑی ہو گئے تھے اس کا نام سردند تھا۔ وہ وزیر اعظم تھا۔ اس وقت ملک سوریہ میں اس کا طوطی بول رہا تھا۔ ہر کہ ومہ اُس سے ڈرتے تھے۔ وہ نہایت متفنی، شریر، اور چالاک تھا۔ تمام رؤسار فوجی سردار، عام سپاہی اور گرجے کے پادری اس سے دبتے تھے۔ ہرقل اعظم بھی اس سے خائف رہتا تھا۔

سردند کو مسلمانوں کے سجدہ نہ کرنے سے غصہ آ گیا۔ وہ کھڑا ہوا۔ اور اُس نے کہا۔ مسلمانوں! تمہاری تہذیب کو کیا ہوا؟ کیا تم کبھی کسی بادشاہ کے حضور میں باریاب نہیں ہوے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ شہنشاہ کو کس طرح سلام کیا جاتا ہے؟

اور مسلمانوں نے اس کی بیہودہ سرائی کی پرواہ نہ کی لیکن قیس کو طارہ آگیا۔ اُس نے کہا۔ ہم دربار شاہی کے آداب سے بخوبی واقف ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ عام آدمیوں کے مقابلہ میں بادشاہوں اور شہنشاہوں کا کیا رتبہ ہے ہم نے تہیہ کر لیا تھا کہ ہم تمہارے شہنشاہ کو سلام کریں گے۔ لیکن اے تہذیب و شائستگی کو بدنام کرنے والو! جب ہم نے یوقنا، جبلہ اور ایہم کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تو ہم نے تمہاری اس تہذیب پر ماتم کر کے اپنا سلام کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ کس قدر تعجب ہے۔ کہ انسان انسان کو سجدہ کرے۔ یا کوئی انسان انسانوں سے سجدہ کرائے۔ اگر انسان سجدہ کا سزاوار ہے تو بتاؤ خدا کی تعظیم وعبادت کا کونسا ذریعہ ہے۔ کبھی کسی توحید پرست کا سر سوائے خدا کے کسی دوسرے کے سامنے نہیں جھکتا۔ تم خود ہی انصاف کرو اور بتاؤ کہ تم مہذب و شائستہ ہو۔ جو

انسانوں کو سجدہ کرتے ہو یا ہم ہیں جو خدا کو سجدہ کرتے ہیں۔

قیس نوجوان تھا۔ خوبصورت تھا۔ اس وقت اسے جوش آ گیا تھا جس سے اس کا چہرہ اور بھی دل آویز ہو گیا تھا۔ تمام درباریوں نے حیرت سے اسے دیکھا سرورند اس کی گفتگو سن کر خفیف ہوا۔ لیکن آج تک کبھی کسی نے اسے سر دربار اس طرح نہیں ٹوکا تھا جس طرح آج اسے قیس نے قائل معقول کیا۔ اس لئے اُسے قیس پر سخت طیش آیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھیں اُبل آئیں۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ہرقل اعظم نے اُسے روک کر کہا۔ سرورند یہ عرب جاہل ہیں۔ ان کی باتوں کا خیال نہ کرو مجھے معلوم ہے۔ کہ یہ گستاخ بھی ہیں اور مغرور بھی۔ میں ان کی باتوں اور ارادوں سے واقف ہوں۔ جاسوں کی اطلاعات سے پایا جاتا ہے کہ مسلمان عنقریب انطاکیہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ میں ان کے تمام کس بل نکال دوں گا۔ ان کی یہ جسارت انہیں تباہ کر دے گی۔ اسوقت انطاکیہ میں دو لاکھ کے قریب رومی لشکر موجود ہے۔ اگرچہ یہی لشکر مسلمانوں کی سرکوبی کے لئے کافی ہے۔ لیکن ہم دولت چاہتے ہیں کہ اس قدر لشکر فراہم ہو جائے جس سے ان مسلمانوں کو فنا کر کے ملک حجاز پر لشکر کشی ہو سکے۔

جہاں تک ہمیں یاد ہے۔ لشکر کی فراہمی اور والیان ملک کی طلبی کے لئے سب جگہ فرمان بھیجدئے گئے ہیں لیکن ابھی تک رومتہ الکبریٰ کے بادشاہ فیطانوس کے پاس کوئی فرمان نہیں بھیجا گیا۔ حالانکہ آج رومیوں پر اس کا بہت زیادہ اثر و رسوخ ہے۔ اس کا اس جنگ میں شریک ہونا ضروری ہے۔ اس کے پاس پچاس ہزار سے زیادہ آزمودہ کار سپاہی ہیں اسے فوراً ایک فرمان لکھو اور قاصد کے حوالہ کر کے اُسے ہدایت کر دو کہ وہ جلد سے جلد رومتہ الکبریٰ پہنچ کر حاضر ہو کر فیطانوس کے پاس فرمان پہونچائے۔

سرورند نے سر اطاعت خم کیا۔ اس کے قریب ہی فرمان نویس بیٹھا تھا۔ اس نے اُسے فرمان لکھنے کا اشارہ کیا۔ فرمان نویس نے جلد جلد فرمان لکھ کر

سردر ند کے روبرو پیش کیا۔ سردرند نے اُسے پڑھا اور تہ کر کے مہر لگا کر اپنے داہنی طرف بیٹھے ہوئے رومی سے کہا۔ پیطرس! اس سفارت کے لئے تم موزوں ہو۔ یہ فرمان لو اور ابھی رومتہ الکبریٰ چلے جاؤ۔ کوشش یہ کرو کہ جلد سے جلد وہاں پہنچو۔

پیطرس نہایت قوی ہیکل رومی تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر فرمان لیا اُسے چوما آنکھوں سے لگایا اور سیدھے قدموں چل کر دربار سے باہر چلا گیا۔

اب ہرقل اعظم نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ مسلمانو! میں تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ بتاؤ تم میں سے کون شخص میری باتوں کا جواب دے گا۔ لیکن وہ شخص ایسا ہو جو آداب شاہی کو ملحوظ رکھے۔

ہرقل اعظم نے یہ گفتگو عربی میں کی۔ وہ عربی مقفیٰ اور فصیح بول رہا تھا۔ مسلمانوں کو اس کی گفتگو سُن کر حیرت ہوئی۔ ضرار نے جواب دیا۔

اے ملک سوریہ کے بادشاہ ہم مسلمان امر حق کہتے ہیں نہ جھجکتے ہیں۔ نہ خوف کھاتے ہیں۔ ہم ہر بات کا جواب صاف طور پر دیتے ہیں اور رعایت نہیں کرتے یوں تو آپ ہم میں سے جس سے چاہے گفتگو کر لیجئے انشاء اللہ ہر شخص آپ کو معقول جواب دے گا لیکن اگر آپ کسی خاص شخص سے باتیں کرنا چاہیں تو یہ رفاعہ موجود ہیں۔ یہ آپ کو جواب دیں گے

ضرار نے ہاتھ کے اشارہ سے رفاعہ کو بتایا

رفاعہ ضعیف العمر تھے۔ وہ فرقان حمید اور احادیث شریف پر عبور رکھتے تھے۔ ان کا کلام نہایت فصیح اور پر اثر تھا۔ ہرقل اعظم نے اُن سے دریافت کیا۔

رفاعہ! تم ہمارے ملک میں کس لئے آئے ہو؟

رفاعہ سنبھل کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے جواب دیا۔

اے عظیم روم: (ہرقل اعظم کی کنیت ہے)۔ ہم اسلام کی تبلیغ کے لیے

گھروں سے نکلے ہیں اور جہاد کرنے تمہارے ملک میں آئے ہیں۔

ہرقل اعظم۔ کیا تم تلوار کے زور سے تبلیغ کر رہے ہو؟

رفاعہ۔ ہم تلوار کے زور سے نہ تبلیغ کر رہے ہیں نہ کر سکتے ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے (۱) لا اکراہ فی الدین

ترجمہ:۔ مذہب میں زبردستی نہیں ہے۔ ہم نے آج تک کبھی کسی کو تلوار کے زور سے مسلمان نہیں کیا۔ نہ کوئی شخص تلوار سے ڈر کر اپنا مذہب چھوڑ سکتا ہے۔ نہ آپ نے سنا ہوگا۔ کہ ہم نے کسی کو تلوار سے ڈرا کر مسلمان کیا ہے۔

ہرقل اعظم۔ اگر یہ بات نہیں ہے۔ تو تم ملک گیری کے لیے آئے ہو

رفاعہ۔ یہ بات بھی صحیح نہیں کیونکہ اگر ملک و مال کے بھوکے ہوتے تو اُن شہروں اور قلعوں کو جن کو ہم نے بزور شمشیر فتح کیا تھا تمہارے بھائی عیسائیوں کو واپس نہ دیتے۔

ہرقل اعظم۔ پھر تم کس لئے تلوار لے کر ہمارے ملک میں آئے ہو؟

رفاعہ۔ ہم نے تلوار انتقام کے لیے سنبھالی ہے

ہرقل اعظم نے تعجب خیز نظروں سے رفاعہ کو دیکھ کر کہا۔ انتقام کیلئے

رفاعہ۔ ہاں انتقام کے لیے۔ کسی قوم نے کسی سفیر کو کبھی قتل نہیں کیا لیکن جب ہمارا سفیر تمہارے ملک میں آیا تو تمہاری قوم نے اُسے قتل کر دیا۔ ہم نے اس سفیر کا انتقام لینے کے لئے تلوار اُٹھائی۔

---

(۱) حضرت رسول خدا صلعم نے ایران، مصر، روم، وغیرہ میں مذہب اسلام کی دعوت کے لئے بھیجے تھے رومیوں نے اس سفیر کو قتل کر دیا تھا۔ اس کا انتقام لینے کے لئے اول مرتبہ حضرت جعفر طیار کی سرکردگی میں ایک مہم بھیجی گئی جو ناکامیاب رہی اور حضرت جعفر طیار موتہ کے مقام پر شہید ہوگئے۔ دوسری مرتبہ حضرت خالد کو بھیجا گیا۔ لیکن فوراً ہی حضور صلعم کا انتقال ہوگیا۔ اور ملک حجاز میں فتنہ و فساد شروع ہوگیا جسکی وجہ سے خالد کو واپس لوٹنا پڑا۔ جب عرب میں امن و امان ہوگیا تو اس سفیر کا انتقام لینے کیلئے عربوں نے ملک روم پر یورش کی (دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا) از صادق صدیقی سردھنوی۔

ہرقل اعظم۔ ہمیں اعتراف ہے۔ کہ ہم نے ناعاقبت اندیشی سے سفیر کو قتل کر دیا۔ لیکن ہم اس کا خون بہا دینا چاہتے تھے۔ مگر تمہاری قوم نے منظور نہ کیا۔

رفاعہ۔ عظیم روم! واقعہ ہے۔ کہ ہمیں کمزور سمجھ کر ہمارے سفیر کو قتل کیا گیا تھا۔ جب ہم نے صدائے احتجاج بلند کی تو شنوائی نہ ہوئی۔ ہم نے لشکر کشی کی تو ہمارے سپاہیوں کو بیدردی سے قتل کیا گیا۔ لیکن جب ہم نے پوری قوت سے یورش کی اور ملک شام کا بیشتر حصہ فتح کر لیا اور جب آپ نے دیکھا کہ آپ کا کل ملک آپ کے قبضہ سے نکلنے والا ہے۔ تب آپ کی قوم نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور سفیر کے خون بہا ادا کرنے کی استدعا کی۔

ہرقل اعظم۔ رفاعہ! تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ کہ تم آسانی سے ہمارے تمام ملک پر قابض ہو جاؤ گے۔ سنو! میرے پاس اس قدر کثیر لشکر ہے کہ تمہارے ایک ایک سپاہی کے مقابلہ میں ایک ایک ہزار سپاہی لا سکتا ہوں مگر میں خونریزی کو پسند نہیں کرتا۔ حجاز ہمارے ملک کے قریب ہے۔ عرب ہمارے پڑوسی ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ہم دونوں ہمسایہ قومیں خونریزی کریں۔ بہتر یہ ہے کہ صلح ہو جائے۔

رفاعہ نے قطع کلام کر کے کہا۔ آپ کو اپنے لشکر پر زعم ہے۔ ہم خدا کی اعانت پر نازاں ہیں۔ آپ کے لشکر کی کثرت ہمیں متاثر نہیں کر سکتی۔ ہمارے محترم نبی نے ملک شام کے فتح کی خوشخبری عرصہ ہوا دی تھی۔ ہمیں کامل یقین ہے۔ کہ یہ تمام ملک ہمارے قبضہ میں آ جائے گا۔ لیکن ہم بھی آپ کی طرح خونریزی کو پسند نہیں کرتے۔ اب سفیر کے خونبہا کے تذکرہ کو چھوڑ دیجئے کیونکہ اس کے بعد حضرت جعفر طیار اور ان کے ہمراہیوں اور ان کے بعد اُن شہداء کے خونبہا کا ذکر کرنا پڑے گا جو آپ کے ملک میں شہید ہوئے۔ اور یہ یقینی امر ہے۔ کہ آپ تمام شہداء کا خونبہا ادا نہیں کر سکتے۔ البتہ! اگر

اپنے ہاتھوں سے قتل کر ڈالتے تھے یا انہیں زندہ دفن کر دیتے تھے۔

رفاعہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ایک وقت تھا جب ہم علم و ہنر سے بہرہ ور ہوتے ہوئے بھی جاہل تھے کفر و ضلالت کی گھٹا ہمارے سروں پر چھا رہی تھی۔ ہم تین سو سینتیس بتوں کو پوجتے تھے۔ لڑکیوں کو قتل کر ڈالتے تھے نااتفاقی اس قدر تھی کہ ہر قبیلہ اور ہر خاندان میں نفاق تھا۔ لیکن ہم پر خدائے عزوجل نے مہربانی کی۔ کفر و ضلالت کا بادل پھٹ کر توحید پرستی کا آفتاب طلوع ہوا۔ ہماری قوم میں وہ ذی منزلت اور سعید ہستی پیدا ہوئی جس کی خوشخبری حضرت عیسیٰ نے دی تھی۔ یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلعم مبعوث ہوئے۔ ہم نے ان کی رسالت کی تصدیق کی۔ دولت ایمان سے بہرہ ور ہوئے اسلام نے ہمیں متحد و متفق کر دیا۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ ساری دنیا مسلمان ہو جائے۔

ہرقل اعظم۔ حضرت عیسیٰ پر وحی نازل ہوتی رہی ہے کیا تمہارے نبی پر بھی وحی نازل ہوتی ہے؟

رفاعہ۔ جی۔

ہرقل اعظم۔ کس طرح وحی کا نزول ہوا؟

رفاعہ۔ ایک روز میں حضرت محمد صلعم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص مکہ کا رہنے والا مدینے والا آیا۔ اس نے سرور کائنات سے دریافت کیا یا رسول اللہ! آپ پر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے؟

حضور نے فرمایا۔ کبھی تو شہد کی مکھیوں کی طرح سے نرم آواز مجھے آواز سنائی دیتی ہے۔ اور جو کچھ وہ آواز کہتی ہے۔ میں یاد کر لیتا ہوں اور لوگوں کو سنا دیتا ہوں۔ کبھی فرشتہ آدمی کی صورت میں میرے پاس آتا ہے۔ اور جو کچھ وہ کہتا ہے۔ میں ازبر کر کے عوام الناس کو سناتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔

ہرقل اعظم نے قطع کلام کر کے کہا۔ رفاعہ! میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ وحی نازل ہونے کی ابتدا کس طرح ہوئی؟

رفاعہ۔ ہمارے محترم نبی صلعم نہایت نیک، راست گو، امین اور مہمان نواز تھے۔ آپ آغاز جوانی ہی سے تنہائی پسند تھے۔ اکثر حضور پہاڑ پر چڑھ جاتے اور غار حرا میں بیٹھ جاتے اور جب تک کوئی بلانے نہ جاتا نہ آتے۔ کبھی کبھی آپ کو خواب میں ایک نورانی صورت نظر آتی۔ آپ اس کو دیکھ کر متعجب ہوتے۔ جب آپ کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو ایک روز ایک شخص آپ کے پاس آیا۔ اس کی نورانی صورت بالکل ویسی ہی تھی جیسی خواب میں حضور اکثر دیکھا کرتے تھے۔ اس شخص نے قریب آکر کہا۔ یا محمد اسلام علیکم ورحمتہ اللہ آپ نے فرمایا۔ وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ۔ اس شخص نے کہا۔ یا محمد پڑھو۔ آپ نے فرمایا۔ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اس نے آپ کو اپنی آغوش میں لے کر زور سے بھینچا اور کہا۔ اب پڑھو۔ آپ نے پھر فرمایا میں امی ہوں بالکل پڑھنا نہیں جانتا۔ اس شخص نے دوبارہ آپ کو اپنی آغوش میں لے کر بھینچا اور کہا۔ اب پڑھو۔ اس مرتبہ آپ کے منور چہرہ سے پسینہ کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہوئے۔ آپ نے یہ فرمایا میں کیا پڑھوں؟ مجھے کچھ بھی پڑھنا نہیں آتا۔ اس شخص نے تیسری مرتبہ آپ کو پھر اپنی آغوش میں لے کر بھینچا اور کسی قدر زور سے بھینچا اور کہا۔ یا محمد پڑھو۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۔ ترجمہ: پڑھو تم (قرآن شریف) ساتھ آغاز نام اپنے پروردگار کے جس نے انسان کو خون سے پیدا کیا۔ پڑھو تم۔ تمہارا پروردگار سب بزرگوں سے بزرگ ہے۔ جس نے قلم سے لکھنا سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہ جانتا تھا۔ حضور نے اس آیت کو یاد کر لیا۔ جب آپ کو یہ آیت خوب یاد ہو گئی۔ تو وہ شخص چلا گیا۔ آپ اس وقت

آپ صلح کرنا چاہتے ہیں تو ممکن ہے۔

ہرقل اعظم نے قطع کلام کرتے ہوئے دریافت کیا۔ میرا مقصد تو مصالحت کا ہے۔ وہ جس طرح سے بھی ہو بتاؤ۔ کس طرح صلح ہو سکتی ہے؟

رفاعہ۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ مسلمان ہو جائیں۔۔۔۔

ہرقل اعظم۔ اس بات کو سنتے ہی برافروختہ ہو گیا۔ اس کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ اس نے قطع کلام کر کے کہا۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں۔

رفاعہ۔ اگر یہ ممکن نہیں تو ہمارے محکوم بنو اور جزیہ دینا منظور کرو

ہرقل اعظم بہت زیادہ ناخوش ہوا۔ اس کا چہرہ زیادہ غیظ و غضب سے سرخ ہو گیا۔ اس نے کہا۔ ہم تمہارے حلقہ بگوش ہو جائیں۔ اپنی آزادی کو تمہارے ہاتھ فروخت کر دیں۔ ہم ہرگز ایسا نہ کریں گے۔

رفاعہ۔ اگر آپ کو یہ دونوں باتیں منظور نہیں ہیں تو بس پھر تلوار ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گی۔

رفاعہ کی بے دھڑک اور دلیرانہ گفتگو نے ہرقل اعظم اور اُس کے درباریوں کو متحیر کر دیا۔ ہرقل اعظم نے کچھ وقفہ کے بعد کہا

رفاعہ! تم نہایت بیباک اور گستاخ ہو تمہیں ایک شہنشاہ کے روبرو اس قدر جسارت سے گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔ تم اس وقت قیدی ہو۔ ریشم کی ڈوری سے جکڑے ہوئے میرے سامنے کھڑے ہو میں تمہیں اسی وقت قتل کرا سکتا ہوں۔ کیا تمہیں اپنی جان کا خوف نہیں ہے۔

رفاعہ۔ تلوار کا خوف۔ آپ کا رعب۔ آپ کے لشکر کی کثرت اور موت کا ڈر ہمیں صاف گوئی سے نہیں روک سکتے۔

ہرقل اعظم۔ رفاعہ۔ تم لوگ بت پرست تھے سینکڑوں بتوں کو پوجتے تھے۔ تم میں نااتفاقی تھی۔ تمہارے قبیلے ذرا ذرا سی بات پر ایک دوسرے سے لڑا مرتے تھے۔ تمہاری وحشت اور بربریت کا یہ حال تھا کہ اپنی لڑکیوں کو

پسینہ میں شرابور ہو گئے تھے۔ آپ کے دل پر ہیبت طاری تھی۔ آپ وہاں سے چل کر مکان پر آئے اور اپنی محترم زوجہ حضرت خدیجہ سے فرمایا مجھے کپڑا اڑھا دو۔ فوراً آپ کو کپڑا اڑھا دیا گیا۔ تھوڑی دیر میں آپ کی طبیعت درست ہوئی تو آپ اٹھ کر بیٹھے اور حضرت خدیجہ سے تمام واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا۔ یا حرم محترم! مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ ضرور میرے ساتھ کوئی اہم واقعہ پیش آنے والا ہے۔ حضرت خدیجہ نے جواب دیا آپ مطلق اندیشہ نہ کریں۔ یقین ہے خدا آپ کو اندوہگیں نہ کرے گا۔ آپ نہایت نیک اور صادق القول ہیں۔ کبھی آپ نے بت پرستی نہیں کی۔ جھوٹ نہیں بولا ہمیشہ پاس یگانگت کرتے رہے۔ محتاجوں کی خبر گیری اور یتیموں کی ناز برداری میں مشغول رہے۔

ان الفاظ سے آپ کو تسکین ہوئی۔ ایک روز آپ غار حرا کی طرف تشریف لے جا رہے تھے کہ کسی نے کہا۔ یا رسول اللہ السلام علیکم۔ آپ نے وعلیکم السلام کہہ کر آسمان کی طرف دیکھا۔ آپ کو وہی شخص جس نے پہلے روز آپ کو اپنی آغوش میں لے کر بھینچا تھا۔ ایک کرسی پر معلق بیٹھا ہوا نظر آیا۔ آپ پر پھر ہیبت طاری ہوئی درخشاں و تاباں پیشانی پر پسینہ کے قطرے نمودار ہو گئے۔ آپ واپس لوٹ کر اپنے مکان پر پہونچے اور کپڑا اوڑھ کر لیٹ گئے۔ لیٹتے ہی آپ کا جسم اطہر پسینہ میں شرابور ہو گیا۔ آپ کو اسی حالت میں آواز آئی۔ یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ ترجمہ اے لباس رسالت کے پہننے والے خواب گاہ سے اٹھو اور اپنے پروردگار کو یاد کر کے اس کی تعظیم کرو۔ اور اپنے کپڑوں کو لوث سے پاک رکھو۔ اور گناہوں سے بچو۔ یعنی جیسے آپ پرہیزگار ہو ایسے ہی رہو۔ آپ نے اس آیت کو بھی یاد کر لیا۔ اب آپ نے یہ قصد کیا کہ آئندہ جب کبھی یہ شخص نظر آئے تو اس سے یہ دریافت کرے

کہ وہ کون ہے؟ ایک روز حضور نے پھر آواز سنی یا محمد! قد فان الجبار بدعوتک ترجمہ:۔ اے محمد صلعم! کھڑے ہو۔ تمہیں تمہارا پروردگار بلاتا ہے آپ نے دریافت کیا تم کون ہو؟ تمہارا کیا نام ہے؟ اس شخص نے جواب دیا یا محمد! انت رسول اللہ وانا جبرئیل ترجمہ اے محمد صلعم تم خدا کے رسول ہو۔ اور میں جبرئیل ہوں۔ آپ کو اطمینان ہوا۔ اس کے بعد جلد جلد وحی کا نزول ہونے لگا۔ یہاں تک کہ آپ کو مذہب اسلام کی تبلیغ کا حکم ہوا۔ آپ نے تبلیغ شروع کی لوگوں نے آپ کو ایذائیں پہنچائیں سخت سے سخت تکلیفیں دیں۔ آپ تمام ایذاؤں اور تکلیفوں کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے۔ آپ کے ضبط و صبر اور خدا کے بزرگ و برتر کے کلام کا یہ اثر ہوا کہ تمام عرب مسلمان ہو گیا۔ سرزمین حجاز سے بت پرستی اور نفاق کی جڑ کٹ گئی۔ جب کلام پاک مکمل ہو گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ ترجمہ:۔ اے محمد صلعم آج میں نے دین الاسلام پورا اور میں نے تم پر احسان پورا کیا اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا اے عظیم روم! خدا کا پسندیدہ مذہب اسلام ہے۔ وہ شخص لائق صد آفریں ہے جس نے خدا کا پسندیدہ مذہب اختیار کیا۔

ہرقل اعظم۔ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ عرب میں جو نبی مبعوث ہوں گے اُن کی امت پر خدا اس قدر مہربان ہوگا کہ اگر ان کا امتی ایک گناہ کرے گا تو اس کا ایک ہی گناہ لکھا جائے گا۔ اور اگر کوئی ایک نیکی کرے گا تو اس کی دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

رفاعہ۔ خدا کی قسم خدا نے ہم پر یہ بھی فضل و اکرام کیا ہے۔ خداوند قدوس نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا ترجمہ:۔ جو کوئی

نیکی کرے اس کو دس نیکیوں کا اجر ملے گا اور جو کوئی بدی کرے وہ اُسی کے برابر سزا پائے گا۔

ہرقل اعظم۔ ہمارے محترم نبی حضرت عیسیٰ مسیح ابن اللہ نے بشارت دی ہے کہ عرب میں جو نبی مبعوث ہونگے وہ اپنی امت پر دنیا میں بھی اور قیامت کے روز بھی گواہ ہوں گے۔

رفاعہ۔ واللہ ہمارے محترم و بزرگ نبی صلعم کی یہی صفت ہے۔ پروردگار عالم نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا

ترجمہ:۔ (اے محمد صلعم) ہم نے تم کو دنیا میں بھیجا ہے۔ گواہ بناکر خوشخبری دینے والا ڈرانے والا اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور روشن چراغ۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا

ترجمہ:۔ اور بلاویں گے ہم تم کو (قیامت کے روز) ان لوگوں کی گواہی کے لئے

ہرقل اعظم۔ ہماری مقدس کتابوں میں مرقوم ہے کہ سرزمین حجاز میں جو نبی مبعوث ہونگے ان پر اللہ تعالےٰ اور فرشتے ان کی زندگی میں درود بھیجیں گے اور ان کی اُمت کو بھی ان پر درود بھیجنے کی تاکید ہوگی

رفاعہ۔ یہی بات ہمارے محترم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ خداوند عالم کلام مجید میں ارشاد فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

ترجمہ:۔ بتحقیق اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجا کرو۔

ہرقل اعظم۔ کیا تمہارے نبی کو معراج ہوئی تھی۔

رفاعہ۔ ہوئی تھی۔ خدائے بزرگ و برتر نے فرقان حمید میں ارشاد

فرمایا ہے سُبحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا ۔ ترجمہ :- (وہ) ایک ذات ہے جو رات کو اپنے بندہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو آسمان پر لے جاکر سیر کرائی ۔

سرورند اس گفتگو کو نہایت غور سے سن رہا تھا ۔ اسے خوف ہوا ۔ کہیں ہرقل رفاعہ کی گفتگو سے متاثر ہو کر مسلمان نہ ہو جائے ۔ اُس نے جلدی سے کہا یا عظیم روم ! جس نبی کی بشارت ہماری کتابوں میں مرقوم ہے وہ ابھی مبعوث نہیں ہوئے ۔ یہ عرب جھوٹے ہیں ۔ جو کچھ اس عرب نے بیان کیا ہے ۔ وہ سب غلط ہے ۔

تمام مسلمانوں کو سرورند کا دخل در معقولات ہونا ناگوار گذرا ۔ ضرار کو سخت طیش آیا ۔ وہ غصہ میں بھر کر کانپنے لگا ۔ اور غضبناک لہجہ میں کہا او ناپاک رومی کتے تو جھوٹا ہے ۔ تو مجسم شیطان ہے ۔ شہنشاہ کو بہکاتا ہے ۔ خدائے عزوجل کی قسم وہ محترم نبی جس کا تذکرہ تمہاری کتابوں میں ہے اور جن کی بشارت حضرت عیسیٰ نے دی ہے ۔ مبعوث ہو چکے ۔

ضرار کی گفتگو سن کر تمام رومی سخت برافروختہ ہو گئے اور جوشِ غضب سے اس قدر از خود رفتہ ہوئے کہ آداب شاہی کو بالائے طاق رکھکر تلواریں سونت سونت کر مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے دوڑ پڑے ۔

مسلمانوں نے عیسائیوں کے اس طوفان بدتمیزی کو دیکھا ۔ برہنہ تلواریں اُن کے سروں کے قریب پہونچ گئیں ۔ لیکن وہ اللہ کے بندے مرعوب نہیں ہوئے ۔ نہ ڈرے ۔ بلکہ مردانہ وار اسی طرح کھڑے رہے جیسے وہ پہلے کھڑے تھے

ہرقل اعظم نے رومیوں کے غیظ و غضب کو دیکھا ۔ وہ سمجھ گیا کہ بیگناہ مسلمانوں کے خون سے فرش لالہ زار ہونے والا ہے ۔ اُس نے فوراً

ہاتھ کے اشارہ سے رومیوں کو کشت وخون کرنے سے روکا۔ رومی رک گئے۔ لیکن اب بھی وہ بدستور مسلمانوں کے سروں پر تلواریں علم کئے کھڑے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہرقل اعظم ذرا اشارہ کرے اور وہ خون کی ندیاں بہا دیں۔ لیکن ہرقل اعظم برابر منع کر رہا تھا۔

سردرند کو ہرقل اعظم کی یہ حرکت سخت ناگوار گذری اس نے کہا۔ اے عظیم روم! یہ آج پہلا موقعہ ہے۔ کہ میں دو مرتبہ سر دربار ذلیل کرایا گیا۔ میں اپنی اس قدر توہین کو گوارا نہیں کر سکتا۔ اس لئے وزارت کے عہدہ سے سبکدوش ہوتا ہوں۔

سردرند کو اس وقت انتہا سے زیادہ غصہ آرہا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ تمام مسلمانوں کی بوٹیاں اڑا دی جائیں اس لئے اس نے زبانی استعفا دیا تھا کہ ہرقل اعظم اس کو برافروختہ دیکھ کر بے گناہ مسلمانوں کے قتل کرنے کا حکم صادر کر دے۔ لیکن جب اس پر بھی ہرقل اعظم خاموش رہا تو سردرند کا غصہ اس قدر بڑھ گیا کہ وہ جوش غضب سے کانپنے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھیں لال انگارہ بن گئیں۔ منہ سے کف جاری ہو گیا۔ پیشانی کی رگیں پھول آئیں۔ اور وہ پرغضب نگاہوں سے مسلمانوں کو گھورتا ہوا دربار سے چلا گیا۔

ہرقل اعظم بھی غصہ کی نگاہوں سے ضرار کو دیکھ رہا تھا۔ سردرند کے چلے جانے کا اسے خیال ہوا۔ اس نے ضرار سے مخاطب ہو کر کہا۔ گستاخ عرب! تم کون ہو؟

رفاعہ نے جواب دیا۔ یہ وہ ہیں جن کے کارنامے تمام ملک شام میں مشہور ہیں۔ ان کی دلیری ضرب المثل ہے۔ ان کا نام سن کر دشمن کانپ جاتے ہیں۔ انہیں دشمن کی کثرت مرعوب نہیں کر سکتی۔ ان کا نام ضرار ہے یہ آزور کے بیٹے ہیں۔

ہرقل اعظم نے دریافت کیا۔ کیا یہ وہی ہیں جو کبھی پیدل اور کبھی گھوڑے
پر سوار ہو کر کبھی برہنہ تن اور کبھی کپڑے پہن کر صرف نیزے سے لڑا کرتے
ہیں ؟۔ سنا جاتا ہے۔ انھوں نے کبھی زرہ نہیں پہنی۔ چار آئینہ نہیں لگایا۔ سر
خود نہیں رکھا۔

رفاعہ۔ یہ وہی ہیں۔ ان کا قول ہے۔ کہ صرف نیزہ ہی ایک ایسا ہتھیار
ہے۔ کہ جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے آج تک صرف ایک مرتبہ
زرہ بکتر پہنی ہے۔ وہ بھی بہت تھوڑی دیر کے لیے۔

ہرقل اعظم گفتگو کو اس لیے طول دے رہا تھا کہ وہ چاہتا تھا کسی طرح
عیسائیوں کا غصہ ٹوٹ جائے۔ وہ دست پابستہ قیدیوں پر تلواروں کا مینہ
برسایا جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن تمام درباری اس وقت سخت غضبناک
ہو رہے تھے۔ سردرنہ کے چلے جانے کی وجہ سے اُن کا غصہ اور بھی بڑھ
گیا تھا۔ ایک نہایت ہی تنومند درباری نے ہرقل اعظم سے مخاطب ہو کر کہا
اے اعظیم روم! نہایت افسوس ہے کہ جس عرب نے ملک سوریہ کے ذ
اعظم کی توہین کی ہے۔ وہ ابھی تک زندہ ہے۔

اس کے قریب ہی ایک ادھیڑ عمر کا آدمی کھڑا ہوا پرغضب نظروں
سے مسلمانوں کو دیکھ رہا تھا اُس نے کہا۔ ہم لوگ ابھی تک آداب شاہی کا
لحاظ کر رہے ہیں۔ کیا حضور چاہتے ہیں کہ ہم شاہی رعب و ادب کو بالائے
طاق رکھ کر گستاخ و دریدہ دہن دشمنوں پر ٹوٹ پڑیں۔

متعدد عیسائیوں کی آوازیں آئیں۔ بیشک ایسا ہی ہونا چاہئے۔

ہرقل اعظم کمزور طبیعت کا ڈرپوک انسان تھا۔ وہ اپنی قوم سے بہت
ڈرتا تھا۔ اسے ہر وقت خوف رہتا تھا کہ کہیں اس کی قوم اسے قتل نہ کر ڈالے
وہ اس وقت درباریوں کا گستاخانہ رویہ اور اُن کے کڑے تیور دیکھ کر
ڈر گیا۔ اُس نے درباریوں سے مخاطب ہو کر دریافت کیا۔ آپ لوگ کیا

اپنے ہیں؟

ایک درباری نے کہا ہم وزیر اعظم کی توہین کرنے والے کا خون چاہتے

ہیں۔

ہرقل اعظم اس کا خون بہایا جائے گا۔

دوسرا درباری۔ کب؟ اور کس جگہ؟

ہرقل اعظم۔ ابھی اور اسی جگہ۔

تیسرا درباری۔ میرے خیال میں وقت کو ٹالا جا رہا ہے۔ اس سے

ایک عظیم فتنہ کی ابتدا ہونے والی ہے۔

چوتھا درباری۔ بیشک دیر کرنے میں اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا ناگوار

واقعہ پیش نہ آ جائے جس سے تمام ملک روم میں تہلکہ پڑ جائے۔

اس درباری نے درپردہ ہرقل اعظم کو قتل کی دھمکی دی تھی۔ وہ اس

دھمکی کو سمجھ گیا۔ بزدلی نے اس کے دل میں خوف پیدا کر دیا۔ خوف نے اس کے

چہرہ کا رنگ اڑا دیا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ وحشت اور بربریت کے پتلے اور سرکش

گستاخ درباری برہنہ تلواریں مسلمانوں کے سروں پر بلند کئے ہوئے

کھڑے تھے اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ تلواریں مسلمانوں کے خون میں رنگین

ہونے سے قبل اسی کے خون میں نہ رنگی جائیں۔ اس لئے اس نے فوراً کہا

رومی دلیرو! اس گستاخ مسلمان کے خون سے اس سفید فرش کو رنگین

کر دو۔

ابھی بادشاہ کی زبان سے یہ الفاظ نکل ہی رہے تھے کہ متعدد بیدرد

رومیوں کی تلواریں بے کس و بے بس دست و پابستہ ضرار پر پڑیں، وہ

سخت مجروح ہو کر زمین پر گرے اور ان کے زخموں سے خون کے فوارے

ابل ابل کر سفید فرش کو رنگین کرنے لگے۔

مسلمانوں نے اس حادثہ جانکاہ کو دیکھا۔ غم وغصہ سے ان کی حالت

بدل گئی۔ قیس کو سب سے زیادہ طیش آیا اُس نے کہا اسلامی شیرو! ان
مضبوط ریشم کی ڈوروں کو مکڑی کے جال کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دو
فوراً مسلمانوں نے جھُرجھُری سی لی۔ انہوں نے اپنے ہونٹوں کو
دانتوں کے نیچے دبا کر ریشم کی مضبوط ڈوروں کو توڑنے کے لئے اپنی پوری
قوت سے جدوجہد کرنی شروع کی۔ چٹ چٹ کی آوازیں بلند ہوئیں۔ ا
ریشم کی ڈوریں تراق پراق ٹوٹنے لگیں رومی خوف وحیرت کی نگاہوں سے
مسلمانوں کو دیکھنے لگے۔ ہرقل اعظم کو اندیشہ ہوا کہ مسلمان اب کوئی دم
میں ڈوروں کو توڑ کر رہا ہو جائیں گے۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کا دربار
عنقریب میدان کارزار بننا چاہتا ہے اس نے مسلمانوں کو تھپکی دیتے
ہوئے کہا۔ اسلامی دیرو! قبل اس کے کہ کوئی اور ناگوار حادثہ پیش آئے
آپ غور کریں کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے۔ وہ مجبور ہو کر کیا ہے۔
مسلمان اس کی طرف دیکھنے لگے انہوں نے سادہ لوحی سے ڈوروں
توڑنے کی جدوجہد بند کر دی۔ اگر وہ ہرقل اعظم کی طرف نہ دیکھتے تو یقیناً
ڈوروں کو توڑ ڈالتے کیونکہ اس وقت وہ جوش وغضب میں بھرے
ہوئے تھے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں ان کا وہ جوش وخروش دھیما پڑ گیا
اور وہ آزاد ہوتے ہوتے رہ گئے۔
ضرار تڑپ رہے تھے۔ ان کے زخموں سے خون کا چشمہ اُبل رہا
تھا۔ ان کی حالت دم بدم دگرگوں ہوتی جا رہی تھی۔ جسم ناتواں ہو گیا
آنکھوں میں حلقے پڑ گئے تھے۔ مسلمانوں کو ان کی یہ حالت دیکھ کر سخت رنج
قلق ہو رہا تھا۔ فرط غم درد سے اکثر مسلمانوں کے آنسو نکل آئے تھے۔
جب انہوں نے مسلمانوں کو ڈوریں توڑتے ہوئے دیکھا تھا تو وہ خوف
زدہ سے ہو گئے تھے۔ لیکن جب ہرقل اعظم نے اپنی چالاکی سے مسلمانوں کے
جوش کو دھیما کر دیا۔ اور وہ سمجھ گئے کہ اب مسلمان کسی طرح ڈوروں کو نہیں

زندہ نہیں سکتے تو ان کا خون دور ہو گیا۔ اور ضرار کو تڑپتے ہوئے دیکھ کر خوش ہونے لگے ایک رومی نے بلند آواز سے کہا۔ اس گستاخ عرب کی زبان کاٹ ڈالو۔

ہرقل اعظم اس وقت خاموش تھا۔ وہ متفکر معلوم ہوتا تھا۔

یوقنا چاندی کے جنگلہ سے لگا ہوا اس ہولناک منظر کو دیکھ رہا تھا وہ بڑھا اور ہرقل اعظم کے قریب جا کر پہلے زمین بوس ہوا پھر سرو قد کھڑا ہو کر کہا۔ اے عظیم روم! میرے خیال میں کسی بیکس و مجبور قیدی کو سر دربار قتل کرنا صرف انسانیت اور شرافت ہی کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ انتہائی بزدلی اور قساوت قلبی بھی ہے۔

اے عظیم روم! اس عرب کا قتل سراسر حماقت و جہالت ہے۔ یہ یقینی امر ہے کہ عنقریب مسلمان انطاکیہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ بہت ممکن ہے وہ بھی ہمارے بھائیوں کو گرفتار کر لیں۔ اب جیسا سلوک ہم ان کی قوم کے ساتھ کریں گے ویسا ہی وہ ہماری قوم کے ساتھ کریں گے۔ اس لئے یہ دانشمندی نہیں ہے کہ ان قیدیوں کو ہم قتل کر ڈالیں یا ان کی زبانیں کاٹ دیں۔ بلکہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے اختتام تک ان قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

ضرار جس کو ابھی تلواروں سے قیمہ کیا گیا ہے۔ شاید ہی کل تک زندہ رہ سکے۔ اب جبکہ یہ مردوں میں شامل ہے اس کی زبان کاٹنے سے کیا فائدہ؟ بہتر ہے کہ ان قیدیوں کو بندی خانہ میں بھیج دیا جائے یا رومی ملوک میں سے کسی ملک کی حفاظت میں دیدیا جائے۔

ہرقل اعظم یوقنا کی گفتگو کو نہایت غور اور توجہ سے سن رہا تھا۔ جب وہ خاموش ہوا تو ہرقل اعظم نے یوقنا سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے دمشق! تم

ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن ضرار نے گستاخی کی تھی اسے گستاخی کی سزا ملی۔ مابدولت کا بھی یہی خیال ہے کہ اب یہ زندہ نہیں سکتا۔ تم کل صبح تک کہتے ہو میرے خیال میں یہ آج شام تک ہی مرجائے گا یہ قیدی تمہارے حوالے لیئے جاتے ہیں تم ان کی نگہداشت رکھو۔ اس نیم مردہ قیدی کو بھی لیجاؤ جب یہ مرجائے تو اس کی تجہیز وتکفین کرادینا

یوقنا نے دوبارہ زمین بوس ہو کر اظہار شکر گذاری کیا۔ محافظ قیدیوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ دو رومیوں نے ضرار کو اپنے کندھوں پر اُٹھایا۔ جو بالکل بیہوش تھے۔ ابھی تک ان کے زخموں سے خون جاری تھا۔ اُن کے ساتھ یوقنا بھی روانہ ہوا۔

چونکہ اب دربار میں کوئی کارروائی کرنی باقی نہ رہی تھی اس لیئے ہرقل اعظم نے دربار برخاست کرنے کا اعلان کیا۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کے اٹھتے ہی تمام درباری سر جھکا جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ حاجبوں نے بادشاہ کو دعا دینی شروع کی۔ چبوترہ کے پشت کی طرف جو دروازہ تھا اس کا ریشمی پردہ اٹھا اور نو عمر، نوخیز، چنچل اور نہایت ہی حسین لڑکیاں داخل ہوئیں۔ ان لڑکیوں کی پوشاکیں نہایت زرق برق تھیں۔ اُن کے چاند سے چہروں پر نگاہیں نہ ٹھہرتی تھیں۔ اُن سب کے ہاتھوں میں دف تھے۔ انہوں نے آتے ہی دف بجانا اور اُس کی گتوں پر ناچنا شروع کیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد انہوں نے نہایت ہی سریلی آواز سے گیت گایا۔ اس گیت میں ہرقل اعظم اور اس کے خاندان کی تعریف کی گئی تھی۔ گیت کے ختم ہوتے ہی ہرقل اعظم اُسی دروازہ کی طرف جس سے ابھی یہ دوشیزہ لڑکیاں آئی تھیں روانہ ہوا۔ لڑکیوں نے جلدی سے بڑھ کر اُس کا لبادہ اپنے نازک ہاتھوں میں اٹھا لیا۔ یہ سب دروازہ میں داخل ہو کر شاہی قصر میں چلی گئیں ان کے جاتے ہی تمام درباری بھی ایک ایک دو دو کر کے روانہ ہوئے۔

دسواں باب

سراغ رسی

زباں پر ہر اک کی تری گفتگو ہے
تجھے ڈھونڈتے ہیں تری جستجو ہے

سلمہ عذرا کو نہ دیکھ کر سخت پریشان ہوئی۔ اسے تعجب تھا کہ عذرا
کہاں چلی گئی۔ اُس نے دور تک اِدھر اُدھر چل پھر کر دیکھا۔ نہ اُسے
عذرا ملی نہ کوئی اور ہی شخص ملا۔ جس سے وہ عذرا کو دریافت کرتی۔
اس وقت چاند نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ ہر طرف چاندنی
بکھری ہوئی تھی۔ دور دور کے درخت، جھاڑیاں اور چھوٹے چھوٹے
پودے چاندنی کے پرتو سے عنوگن ہو رہے تھے۔

جس جگہ سلمہ کھڑی تھی یہ نہایت طول طویل میدان تھا۔ اس وقت
تمام میدان خالی تھا۔ کسی طرف بھی کوئی شخص چلتا پھرتا نظر نہ آتا تھا
اس میدان کے مغربی سرے پر حلب کا شہر تھا۔ چاندنی میں اس شہر کی
سر بفلک عمارتیں نظر آرہی تھیں۔ مشرق کی طرف قلعہ تھا۔ قلعہ کی فصیل آسمان
سے باتیں کر رہی تھی۔ جنوب کی طرف اسلامی لشکر خیمہ زن تھا۔ لشکر میں کثرت
سے آگ روشن تھی۔

سلمہ نے تمام میدان چھان مارا۔ وہ ہر طرف دیکھ آئی۔ اُس نے
ہر جگہ کھڑی ہو ہو کر عذرا کو پکارا نہ اُسے عذرا ملی۔ نہ کسی نے جواب
دیا۔ اور نہ کوئی اور ہی شخص ملا۔

سلمہ بھی نازک اندام لڑکی تھی۔ وہ دوڑ دھوپ کرنے سے تھک گئی

اس کے پھول سے رخساروں پر عرق آگیا۔ چونکہ اب اس میں مزید جد و جہد کرنے کی سکت نہ رہی تھی نیز وہ عذرا کے ملنے سے نا امید بھی ہو چکی تھی۔ اس لئے وہ لشکر کی طرف واپس چلی۔ اس وقت وہ نہایت پریشان اور سخت مغموم تھی۔ اس کی خوبصورت آنکھوں سے فکر و انتشار ہویدا تھے۔ نازک اور جانستاں لب خشک ہو رہے تھے۔ بدن کانپ رہا تھا۔ پیروں میں لغزش تھی۔ قدم مشکل سے اٹھتا تھا۔ وہ اس جگہ آئی جہاں اُس نے عذرا کو چھوڑا تھا۔ اُس نے حسرت آلود نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ یہ جگہ اب بھی خالی تھی۔ اُس نے ایک لمبا ٹھنڈا سانس بھرا۔ فرط غم و قلق سے اُس کا دل بیٹھنے لگا۔ غم و درد نے اُسے ایسا مجبور کیا کہ بے ساختہ اُس کے آنسو نکل آئے۔ وہ اسی جگہ بیٹھ گئی اور ہوشربا آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہانے لگی۔

اب رات زیادہ آگئی تھی۔ چاند اپنی منور کرنیں ساکنان ارض پر ڈال رہا تھا۔ زمین سے آسمان تک روشنی ہو رہی تھی۔ ہر وہ چیز جس پر چاند پرتو افگن تھا چاندنی کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ خاموشی اس درجہ چھائی ہوئی تھی کہ درخت سے پتہ گرنے کی آواز سنائی دیتی۔

غمزدہ سلمہ نے آنسوؤں کو خشک کر کے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کائنات بید مجنوں کی طرح لرزاں نظر آئی۔ چاند اور چاندنی کانپتی ہوئی معلوم ہوئی۔ یہ بیاباں کاٹ کھانے کو دوڑنے لگا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے پھر چاروں طرف ایک نظر ڈالی۔ اس وقت بھی اس میدان میں ایک متنفس بھی نہ تھا اسے پیاس معلوم ہوئی۔ وہ عذرا کے لیے جو پانی لائی تھی اب تک لئے ہوئے تھی اُس لئے وہ پانی پی لیا۔ اور خراماں خراماں اسلامی لشکر کی طرف روانہ ہوئی۔ جب وہ لشکر کے قریب پہونچی تو اُسے پہلے ہی

لیلیٰ نے تنہا سلمہ کو آتے ہوئے دیکھ کر جلدی سے دریافت کیا۔ سلمہ! میری عذرا کہاں ہے؟

سلمہ مغموم تھی۔ لیلیٰ کے استفسار نے اس کے دل پر اور چوٹ لگائی۔ وہ اس فکر میں محو ہو کر کہ کیا جواب دے خاموش ہو گئی۔

لیلیٰ اس کے خاموش ہونے سے مضطرب ہو گئی۔ اس نے بےچین ہو کر پھر دریافت کیا۔ سلمہ! تو خاموش کیوں ہے؟ خدا کے لئے بتا تو سہی میری عذرا کہاں ہے۔

اب تک تو سلمہ نے ضبط کیا تھا لیکن اب نہ ہو سکا۔ بیساختہ اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ لیلیٰ اسے روتا ہوا دیکھ کر تڑپ گئی۔ اس نے کہا۔ سلمہ۔ تو کیوں رو رہی ہے۔ کہیں خدانخواستہ عذرا کی طبیعت زیادہ خراب تو نہیں ہو گئی؟

اب سلمہ زار زار رونے لگی۔ لیلیٰ کے بھی آنسو نکل آئے۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز سے کہا۔ آہ...... میرے خدا یہ کیا ہونے والا ہے۔ ہائے میں پہلے ہی کھٹک رہی تھی۔ کہ کہیں میری عذرا کی طبیعت زیادہ خراب نہ ہو جائے۔ آخر وہی ہوا۔ خدایا میری بچی کے کان گرم ہونے سے پہلے مجھے دنیا سے اٹھا لے۔ سلمہ! اب مجھے تاب نہیں ہے۔ چل تو مجھے عذرا کے پاس لے چل۔

لیلیٰ بہت زیادہ غمگین ہو گئی تھی۔ سلمہ اسے دیکھ کر تڑپ گئی اس نے کہا۔ آہ! چچی جان.........

فرط رنج و غم سے سلمہ کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ لیلیٰ نے حیرت و حسرت بھری نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔ اچھی سلمہ! مجھے عذرا کے پاس لے چل۔

سلمہ نے سسکیاں لیتے ہوئے جواب دیا۔ ہائے کہاں لے چلوں؟

چچی جان عذرا تو گم ہو گئی۔

لیلے اس جانکاہ خبر کو سنتے ہی زرد پڑ گئی۔ اس کا بدن کانپنے لگا۔ ہونٹ خشک ہو گئے۔ اس نے ایک لمبی آہ بھر کر کہا۔ آہ میری عذرا ہائے وہ کہاں چلی گئی؟ سلمہ! تو تو اس کے ساتھ تھی۔

سلمہ۔ جی ہاں میں ساتھ تھی ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے اُس سامنے والے درخت کے پاس چلے گئے۔ وہاں پہنچکر عذرا کو پیاس معلوم ہوئی۔ اُس نے پانی مانگا۔ میں نے کہا کہ وہ میرے ساتھ کیمپ میں واپس چلے۔ اُس نے نہ مانا اور بضد ہو کر مجھے پانی لینے کے لیے بھیجا جب میں پانی لے کر گئی تو وہ گم تھی۔ میں نے اپنے مقدور بھر اسے تلاش کیا۔ آوازیں دیں۔ لیکن وہ نہ ملی۔ مجبور ہو کر میں واپس لوٹ آئی۔

ان روح فرسا واقعات کو سن کر فرطِ غم و درد سے لیلےٰ دوہری ہو گئی۔ اُس کا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ آنکھوں سے غم و حسرت ٹپکنے لگے۔ اُس نے درد بھرے لہجے میں کہا۔ آہ عذرا!...... ہائے تو کہاں چلی گئی۔ میں تجھے کہاں ڈھونڈوں۔ سلمہ! آؤ اُسے تلاش کریں۔

سلمہ کی آنکھوں سے ابھی تک آنسو جاری تھے اس نے کہا چچی جان: کہاں ڈھونڈو گی؟ میں نے اسے سب جگہ تلاش کر لیا چلو چچا جان سے اطلاع کریں۔ وہ اور آدمیوں کے ساتھ ملکر تلاش کریں گے۔

یہ بات لیلے کی سمجھ میں آ گئی۔ اگرچہ وہ خود غم و درد سے اُسے چلنا دشوار تھا۔ مگر اُس وقت چلنا ضرور تھا۔ وہ سلمہ کا سہارا لے کر واپس لوٹی۔ جب یہ دونوں کیمپ میں داخل ہوئیں تو انہیں عامر ملا۔ اُس نے لیلے کو دیکھا۔ لیلے اس وقت بہت زیادہ مغموم تھی وہ اسے غم زدہ دیکھ کر متحیر ہوا۔ اس نے دریافت کیا! لیلے! یہ تمہاری کیا

حالت ہے۔

لیلیٰ کے آنسو جاری ہو گئے۔ عامر گھبرا گیا۔ اس نے جلدی سے کہا۔

لیلیٰ! لیلےٰ!! تم کیوں رو رہی ہو؟

لیلےٰ عامر سے لپٹ گئی۔ اور سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ آہ میں لٹ گئی۔ میری عذرا گم ہو گئی۔

عامر سخت حیرت زدہ ہوا۔ اس نے تعجب خیز لہجہ میں کہا۔ عذرا گم ہو گئی؟ کیسے؟

لیلےٰ نے جو کچھ سلمہ سے سنا تھا سب رُک رُک کر اُسے سُنا دیا۔ عامر پر بھی اس جانکاہ خبر گہرا اثر ہوا۔ اس پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ باوجود ضبط و صبر کے اُس کے بھی آنسو نکل آئے۔

لیلےٰ عامر کو روتا ہوا دیکھ کر اور بھی بےچین ہو گئی اُس نے عامر کی عبا کا دامن پکڑ کر روتے ہوئے کہا۔ ہائے میری عذرا! خدا کے لیے مجھے اس سے ملا دو۔

عامر لیلےٰ کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر سنبھلا۔ اُس نے ضبط کیا۔ اور اپنے آنسوؤں کو عبا کے دامن سے خشک کرتے ہوئے تسلی بخش لہجہ میں کہا لیلےٰ اس قدر نہ گھبراؤ۔ عذرا کہیں نہیں جا سکتی۔ وہ ضرور اسی میدان میں کہیں بیٹھی یا پڑی ہو گی۔ تم خیمہ میں چل کر آرام کرو۔ میں اُسے ڈھونڈھنے جا رہا ہوں۔

لیلےٰ۔ جاؤ خدا کے لئے جلدی جاؤ۔ اپنے ساتھ دو چار آدمی اور لیتے جاؤ ...... ہائے اللہ میاں! یہ کیا ہو گیا۔ خدایا!! مجھ ستم زدہ پر رحم کر۔ ہائے میری ایک ہی لڑکی ہے۔ میں اس کی گم شدگی کا غم برداشت نہ کر سکوں گی۔

عامر نے دیکھا۔ لیلےٰ کانپ رہی تھی۔ اُس نے اس کی کمر میں ہاتھ

ڈال کر اُسے سنبھالا اور اپنے سہارے سے آہستہ آہستہ لے کر چلا۔ سلمہ بھی خراماں خراماں ساتھ ہو لی۔ جب یہ اپنے خیمہ پر پہونچے تو عامر نے لیلےٰ سے کہا۔ لیلیٰ! اس قدر غم نہ کرو۔ تم خیمہ میں آرام و اطمینان سے بیٹھو میں بہت جلد عذرا کو تلاش کر کے واپس آؤں گا۔

لیلےٰ لڑکھڑاتی ہوئی خیمہ میں داخل ہو گئی۔ عامر آٹھ دس آدمیوں کو لے کر عذرا کو تلاش کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ یہ سب لوگ میدان میں پہونچے اور متفرق ہو کر ہر طرف، ہر جھاڑی، ہر ٹیلہ اور ہر درخت کے سایہ میں عذرا کو تلاش کرنے لگے۔ اب رات زیادہ آ گئی تھی۔ چاند نے زمین پر سفید چادر بچھا کر انوار کی ضیا پاشی کر رکھی تھی۔

شجر، حجر، برگ و بار سب نے سفید جامہ پہن رکھا تھا۔ نکھری ہوئی چاندنی میں دور کی چیزیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ عامر اور اُس کے ہمراہی عذرا کو تلاش کر رہے تھے۔ اُنہوں نے میدان کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا لیکن عذرا کا کہیں پتہ نہ چلا۔ جہاں عامر کو عذرا کی گمشدگی کا غم تھا وہاں حیرت بھی تھی اُس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ عذرا کہاں چلی گئی یا اُسے کون لے گیا۔ جب وہ اُسے تلاش کرتے کرتے تھک گئے اور اس کا کہیں سراغ نہ چلا تو مجبور ہو کر یہ لوگ کیمپ کی طرف واپس ہوئے۔

اس وقت رات نصف سے زیادہ گذر گئی تھی۔ تمام مسلمان پڑے سو رہے تھے۔ اسلامی لشکر میں ہر طرف خاموشی طاری تھی۔ یہ لوگ بھی متفکر و محزون خاموشی سے کیمپ میں داخل ہو کر اپنے اپنے خیموں میں پہونچے

جب عامر اپنے خیمہ میں داخل ہوا، تو اُس نے لیلےٰ اور سلمہ کو بیٹھے ہوئے پایا۔ لیلےٰ نے عامر کو دیکھتے ہی دریافت کیا۔

عذرا ملی؟

یہ کہتے ہی وہ امید و بیم کی نگاہوں سے عامر کو دیکھنے لگی۔

عامر کے چہرے سے حسرت دیاس ہویدا تھی۔ غم و فکر نے اُسے مضمحل کر رکھا تھا وہ لیلےٰ کے قریب بیٹھ گیا۔ لیلےٰ نے پھر دریافت کیا۔ آہ.... .... کیا عذرا نہیں ملی؟ عامر نے جواب دیا۔ ابھی نہیں ملی۔ لیکن صبح تک مل جائے گی۔

یہ جواب سُنکر لیلےٰ کے کلیجہ میں گھونسا سا لگا۔ وہ بےچین ہو گئی اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا۔ اُس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ ہائے میں کیا کروں گی؟ کیسے زندہ رہوں گی؟

یہی حال سلمہ بھی رو رہی تھی۔ عامر کا دل بھی اُمنڈا چلا آرہا تھا لیکن وہ ضبط کر رہا تھا۔ اُس نے دلدہی کے طور پر کہا۔ لیلےٰ رونے دھونے سے کیا فائدہ؟ صبر کرو۔ خدا سے عذرا کے ملنے کی دعا مانگو۔

لیلےٰ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ ہاں میں خدا سے دعا مانگوں گی بیکسوں ستمزدوں کی وہی سنتا ہے۔

لیلےٰ اُٹھی وضو کیا۔ نماز پڑھی اور سربسجود ہو کر دعا مانگنے میں مشغول ہو گئی۔ عامر اور سلمہ نے بھی وضو کر کے نماز پڑھی اور خضوع قلب سے دعا مانگنے لگی۔ یہ تینوں خضوع قلب سے صبح صادق کے وقت تک مصروف دعا رہے۔ جب صبح کی اذان ہوئی تو عامر نماز پڑھنے چلا گیا۔ اُس نے جماعت سے نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ ابو عبیدہ کے پاس پہونچا۔ ابو عبیدہ نے اسے متفکر و مغموم دیکھ کر دریافت کیا۔ عامر یہ کیا بات ہے؟ تمہارا چہرہ کیوں اُترا ہوا ہے؟

عامر کا دل بھر آیا۔ بے اختیار اُس کے آنسو جاری ہو گئے۔ ابو عبیدہ گھبرا گئے۔ اُنھوں نے جلدی سے کہا۔ ہائیں عامر! یہ تمہاری کیا کیفیت ہے خدا کے لیے جلد مجھے اپنا حال سناؤ۔

عامر نے دل پر جبر کر کے کہا۔ یا سالار اعظم! میں غریب الوطنی میں لٹ

گیا۔ رات سے میری پیاری بیٹی عذرا کا پتہ نہیں۔

یہ سنتے ہی ابو عبیدہ سخت متعجب ہوئے۔ اُنہوں نے کہا۔ عذرا کا پتہ نہیں؟ وہ کہاں چلی گئی؟

عامر۔ خدا ہی کو خبر ہے۔

ابو عبیدہ۔ تم نے کہیں اُسے تلاش کیا؟

عامر۔ بہت کچھ۔ ابتدائے شب سے لے کر نصف شب تک میں اور آٹھ دس آدمی اُسے برابر تلاش کرتے رہے۔

ابو عبیدہ۔ کیا وہ کسی سے ناراض ہو گئی تھی؟۔

عامر۔ جی نہیں! وہ کبھی کسی سے ناراض یا خفا نہیں ہوئی۔

ابو عبیدہ۔ تمہارے خیمہ میں رومی عورتوں کی تو آمد و رفت نہیں تھی؟

عامر۔ میں نے خیال نہیں کیا۔

ابو عبیدہ۔ یہ رومی عورتیں نہایت ہوشیار اور چالاک ہوتی ہیں۔ ممکن ہے۔ کسی عورت نے اُسے ورغلایا ہو۔ مگر حیرت یہ ہے کہ کوئی رات کے وقت آکر اسلامی کیمپ سے کیسے اسے لے گیا۔ تمہیں کچھ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ خیمہ سے کس طرح غائب ہوئی۔

اب عامر نے وہ تمام واقعات جو اُس نے پہلے اسے سنے تھے۔ ابو عبیدہ کو سنا دیئے۔ ابو عبیدہ کو بے حد رنج ہوا۔ اُنہوں تسلی آمیز لہجہ میں کہا۔ عامر گھبراؤ نہیں۔ انشاء اللہ عذرا آ جائے گی۔ میرے خیال میں اُس کی مفقود الخبری میں رومیوں کا ہاتھ ہے۔ میں شہر حلب کے عیسائیوں کو بلا کر دریافت کرتا ہوں۔

ابو عبیدہ نے اپنے غلام کو بلا کر حکم دیا کہ وہ بہت جلد رؤسائے حلب کو بلا کر لائے۔

غلام فوراً چلا گیا۔ اب ابو عبیدہ عامر کو ساتھ لیکر اپنے خیمہ پر پہونچے۔

ابو عبیدہ کا خیمہ لشکر کے وسط میں ایک بلند ٹیلہ پر نصب تھا۔ ان کے خیمہ پر اسلامی علم لہرا رہا تھا۔ خیمہ کے اندر کمبلوں کا فرش ہو رہا تھا۔ فرش پر رؤسائے عرب اور سرداران عساکر اسلامیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ لوگ ابو عبیدہ کو دیکھ کر تعظیم کے لیئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ابو عبیدہ خیمہ کی چوب کا سہارا دیکر درمیان میں بیٹھ گئے۔ عامر بھی ایک طرف بیٹھ گیا۔ ابو عبیدہ نے بیٹھتے ہی عذرا کی گم شدگی کا واقعہ تمام مسلمانوں کو سنا دیا۔ سب کو یہ جانکاہ خبر سنکر سخت رنج و ملال ہوا۔ اُنہوں نے رائے زنی شروع کی۔ سب کا اسی پر اتفاق ہوا کہ یہ کام رومیوں ہی کا ہے۔ ابھی یہ لوگ بحث و تمحیص ہی میں مشغول تھے کہ حضرت خالد گھبرائے ہوئے خیمہ میں داخل ہوئے۔ اُنہوں نے آتے ہی کہا۔ سالار اعظم! غضب ہو گیا۔ تمام مسلمان بر افروختہ ہو کر شہر حلب پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔

تمام لوگ جو اس خیمہ میں بیٹھے تھے اس خبر کو سُنکر سخت متحیر ہوئے۔

ابو عبیدہ بھی متعجب ہوئے۔ اُنہوں نے دریافت کیا۔ یہ کس لیئے؟

خالد۔ صرف یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ بھائی عامر کی لڑکی رات سے گم ہے۔ مسلمانوں کو اس کی گم شدگی کی اطلاع ہو گئی ہے۔ ان کا خیال ہے۔ کہ شہر حلب کے عیسائیوں نے اسے وہ غلایا ہے۔

ابو عبیدہ۔ یہ تو بری بات ہے۔ جب تک ہم تحقیق نہ کر لیں کسی پر کیسے الزام لگا سکتے ہیں۔

خالد۔ یہ صحیح ہے۔ لیکن وہ لوگ نہیں مانتے۔ تمام مسلمانوں میں انتقام کا جذبہ عود کر آیا ہے۔ بہت جلد خبر لیجئے ورنہ اندیشہ ہے کہ شہر حلب کے بے گناہ عیسائی قتل کر ڈالے جائیں گے۔

ابو عبیدہ۔ بڑی مشکل ہوئی۔۔۔۔۔

ابھی ابو عبیدہ کا فقرہ تمام نہ ہوا تھا کہ اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرہ کی آواز پر آواز آئی۔ یہ سب لوگ سراسیمہ ہو کر اُٹھے۔ ابو عبیدہ نے کہا۔ خدایا! مسلمانوں کو

قتل نہ شروع فرمائیں، وہ انتقام کے جوش میں عیسائیوں کو قتل کرنا شروع نہ کر دیں۔

فوراً یہ سب خیمہ سے باہر آئے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ مسلمان سخت برافروختہ ہیں۔ وہ گروہ در گروہ تلواریں علم کئے کھڑے ہیں۔ ابو عبیدہ اس منظر کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ وہ جلد ٹیلے سے نیچے اتر آئے اور لوگوں کے جم غفیر میں گھس گئے۔

ابو عبیدہ کو دیکھتے ہی مسلمانوں نے کہا۔ سالار اعظم کی عمر درازہو، شہر حلب کے عیسائیوں کو تباہ کردو۔

ابو عبیدہ نے ہاتھ کے اشارہ سے سب کو خاموش ہو جانے کا حکم دیا۔ جب سب لوگ خاموش ہو گئے تو اُنہوں نے کہا یا ایہا المسلمین مجھے تعجب ہے۔ کہ تم یہ خیال کر کے کہ بھائی عامر کی لڑکی کو شہر حلب کے عیسائیوں نے ورغلا لیا ہے۔ وفور غم وغصہ سے از خود رفتہ ہو گئے ہو یہ واقعہ ہے۔ کہ بھائی عامر کی لڑکی گم ہو گئی۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شہر حلب کے عیسائیوں ہی نے اسے گم کیا ہے اس وقت تک کوئی ایسا شاہد نہیں ملا جو وثوق کے ساتھ کہہ سکے کہ حلب کے عیسائیوں ہی نے یہ کام کیا ہے۔ اگر تم نے حلب کے عیسائیوں کو قتل کر ڈالا اور بعد میں معلوم ہوا کہ یہ کام ان کا نہ تھا بلکہ اس سازش میں اور ہی لوگ شریک تھے تو اس وقت مجھے اور تمہیں سب ہی کو ندامت ہو گی۔ میرے خیال میں یہ دانشمندی نہیں ہے کہ ہم بغیر معتبر شہادت کے شہر حلب کے عیسائیوں سے بدظن ہو کر اُنہیں قتل کر ڈالیں۔ یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ بلکہ نہایت اہم واقعہ ہے۔ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اس معاملہ کی تحقیقات کر کے جو لوگ اس کے بانی ہوں اُن کو سخت سے سخت سزا دوں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ عزت و آبرو کا معاملہ ہے۔ اس وقت

مجھے اور تمہیں سب ہی کو سخت غم و غصہ ہے۔ لیکن ہمیں غیض و غضب میں آکر کوئی ایسی بات نہ کرنی چاہیئے جس سے آخر کار پچھتانا اور شرمندہ ہونا پڑے تم صبر اور تحمل سے کام لو۔ اس معاملہ کو مجھ پر چھوڑ دو۔ میں اس کی پوری پوری تحقیقات کروں گا اور ملزم کو سخت سے سخت سزا دوں گا

چند مسلمانوں نے ہم آواز ہو کر کہا۔ لیکن تحقیقات جلد سے جلد ہونی چاہیے

ابو عبیدہ۔ میں نے شہر حلب کے عیسائی رئیسوں کو طلب کیا ہے۔ وہ اب آتے ہی ہوں گے۔ ان سے تحقیقات کروں گا۔ آپ لوگ اپنی اپنی جائے قیام پر واپس جائیں اور صبر و سکون سے میری تحقیقات کا انتظار کریں۔

وہ مبارک زمانہ ایسا تھا کہ نہ مسلمانوں میں کوئی سرکش و خود سر تھا اور نہ کوئی انہیں چالاکی آتی تھی۔ وہ اپنے سردار کے مطیع و فرمان بردار تھے انہوں نے سر تسلیم خم کیا اور منتشر ہو کر اپنی اپنی قیام گاہوں پر چلے گئے۔

ابو عبیدہ و سرداران لشکر خیمہ میں واپس آئے۔ انہوں نے کہا۔ اس وقت مسلمانوں کو سخت غم و غصہ ہے۔ مجھے اندیشہ ہے۔ کہ کہیں وہ کسی وقت حلب پر حملہ کر کے خونریزی شروع نہ کر دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تمام سردار اپنے اپنے سپاہیوں کی نگرانی رکھیں۔

ابھی اسی قدر گفتگو ہوئی تھی کہ آٹھ دس معزز ر دمی آئے۔ تمام خیمہ میں بیٹھنے والے مسلمانوں نے ان کا استقبال کیا۔ انہیں سالار اعظم نے اپنے پاس بٹھایا۔ جب وہ بیٹھ گئے۔ تو ابو عبیدہ نے کہا۔ میں نے آپ صاحبان کو یہاں آنے کی اس لئے تکلیف دی ہے۔ کہ رات بھائی عامر کی لڑکی عذرا ہیرا خوری کے لئے اس سامنے والے میدان میں گئی تھی۔ وہ رات سے گم ہے یہ بات یقینی ہے کہ یہ فعل کسی عیسائی کا ہے۔ کیونکہ کوئی مسلمان ایسے کام نہیں کر سکتا تھا۔ ضرور یہ فعل شہر حلب کے کسی عیسائی کا ہے۔ اس لڑکی کی مفقود الخبری نے تمام مسلمانوں کو برافروختہ کر دیا ہے۔ ابھی آپ کے آنے سے پہلے تمام

مسلمانوں نے شہر حلب پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ بڑی مشکل سے پہلے انہیں روکا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس لڑکی کا اور اس کو دہ غلانے والے کا پتہ لگا کر دونوں کو ہمارے حوالہ کر دو۔

عیسائیوں نے اس گفتگو کو نہایت حیرت سے سُنا۔ ان میں سے ایک معمر عیسائی سردار نے کہا۔ یا سالار اعظم! ہم بحلف کہتے ہیں۔ کہ شہر حلب کے عیسائیوں کا یہ فعل نہیں ہے۔ ہم لوگ آپ کی خوش معاملگی، ایمانداری اور انصاف پسندی سے بہت زیادہ خوش ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آ جائے جس سے ہمارے اور آپ کے تعلقات کشیدہ ہو جائیں۔ لیکن اگر آپ ہم پر کوئی بے بنیاد الزام لگا کر ہمیں فنا کرنا چاہتے ہیں تو ہمارا کیا عذر ہے۔

ابو عبیدہ۔ استغفر اللہ! آپ کو ہرگز ایسا خیال نہیں کرنا چاہئے۔ مسلمان عہد شکن نہیں ہیں۔ ممکن ہے۔ آپ صاحبان کو خبر نہ ہو اور یہ کسی معمولی طبقہ کے آدمی کا کام ہو۔

دوسرے عیسائی نے ابو عبیدہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ یا سردار المسلمین! میرے خیال میں شہر حلب کے کسی عیسائی کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ کوئی ایسا فعل کرے جس سے مسلمان برافروختہ ہو کر اسے اور اس کے اہل و عیال اور ہم قوموں کو قتل کر ڈالیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ کل میں تمکار کو گیا تھا۔ واپسی میں دیر ہو گئی۔ بہت زیادہ رات گئے میں تھکا ماندہ واپس آ رہا تھا۔ جب میں شہر کے قریب آیا تو ایک چرواہا کسی شخص سے کہہ رہا تھا کہ تین آدمی ایک مسلمان لڑکی کو گھوڑے پر سوار کر کے عمرہ کی طرف جا رہے تھے۔ وہ لڑکی رو رہی تھی۔ چونکہ میں سارے دن کا تھکا ہوا تھا اس لئے بڑھا چلا گیا۔ اور اس کی گفتگو پر توجہ نہ کی۔ ممکن ہے وہ لڑکی وہی ہو جس کا آپ تذکرہ کر رہے ہیں۔

تمام مسلمان نہایت توجہ سے اس کی گفتگو سن رہے تھے۔ عامر ہمہ تن توجہ

تھا۔ ابو عبیدہ نے کہا۔ ذرا آپ کسی سے اُس چرواہے کو بُلا دیجئے

فوراً ایک عیسائی چرواہے کو بلانے کے لئے بھیجا گیا۔ مسلمان اُس کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ عیسائی واپس آیا۔ اُس کے پیچھے ایک چرواہا تھا جو بہت ڈرا اور سہما ہوا آ رہا تھا۔

چرواہا خیمہ میں داخل ہوتے ہی سجدہ کے طور پر زمین کی طرف جھکا۔ ابو عبیدہ نے جلدی سے تہدید آمیز لہجہ میں کہا۔ خبردار سیدھے کھڑے رہو

چرواہا اور بھی سہم گیا۔ وہ کھڑا ہو کر خوف و دہشت سے کانپنے لگا

ابو عبیدہ نے کہا۔ رومی چرواہے! ڈرو مت۔ ہم نے تمہیں ایک بات دریافت کرنے کے لئے بلایا ہے۔ پہلے یہ بتاؤ۔ تم کس طرف اپنی بھیڑیں لیجاتے ہو۔

چرواہا اب بھی خوفزدہ تھا اس نے جواب دیا حضور والا! ......

ابو عبیدہ نے ملائمت سے قطع کلام کر کے کہا۔ دیکھو حضور، سرکار یا اور اس قسم کے الفاظ تملق اور چاپلوسی کے ہیں ہم ان الفاظ کو پسند نہیں کرتے۔ تم اس طرح گفتگو کرو جیسے کسی اپنے برادہ والے سے کیا کرتے ہیں۔

چرواہے نے کہا۔ میں اکثر غمہ کی طرف اپنی بھیڑیں لے جایا کرتا ہوں۔

ابو عبیدہ۔ کل تم کس وقت شہر میں واپس آئے تھے۔

چرواہا۔ کل میں دور نکل گیا تھا اس لئے واپسی میں دیر ہو گئی۔ بہت زیادہ رات چلی گئی تھی جب میں واپس آیا۔

ابو عبیدہ۔ تم نے راستہ میں کسی مسلمان لڑکی کو دیکھا تھا۔

چرواہا۔ جی ہاں ایک لڑکی گھوڑے پر سوار جا رہی تھی اس نے مسلمانوں کے سے کپڑے پہن رکھے تھے۔ تین آدمی اُس کے ساتھ تھے۔ وہ لڑکی رو رہی تھی۔

ابو عبیدہ۔ اس لڑکی نے کیسے کپڑے پہن رکھے تھے؟

چرواہا۔ رات کا وقت تھا۔ کپڑوں پر میں نے غور نہیں کیا۔ البتہ اس کی

صورت دیکھی تھی بڑی خوبصورت تھی۔

ابوعبیدہ۔ جو لوگ اسے بیجا رہے تھے وہ کون تھے؟

چرواہہ۔ دو رومی تھے۔ غالباً مرعش کے رہنے والے اور ایک عرب عیسائی تھا۔

ابوعبیدہ۔ تم نے کیسے جانا کہ وہ رومی مرعش کے رہنے والے تھے۔

چرواہہ۔ مرعش میں میرے عزیز رہتے ہیں میں اکثر وہاں جاتا رہتا ہوں۔ ان دونوں کو وہاں دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔

اب ابوعبیدہ اور جملہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ عذرا عیسائیوں کے ہاتھوں میں جا پڑی ہے۔ عامر کو یہ بات معلوم کر کے سخت افسوس ہوا ابوعبیدہ نے ایک رومی سے مخاطب ہو کر دریافت کیا۔

کیا غمۃ سے انطاکیہ جانے کا راستہ ہے؟

رومی۔ جی ہاں حلب سے جانے والے غمۃ ہو کر انطاکیہ جاتے ہیں۔

ابوعبیدہ۔ (رومیوں سے مخاطب ہو کر) میں آپ صاحبان کا مشکور ہوں۔ آپ کے آنے کی وجہ سے لڑکی کا سراغ چل گیا۔ اب میں انشاءاللہ تعالیٰ انطاکیہ پر یورش کر دوں گا۔

رومی سمجھ گئے کہ اب ہماری موجودگی کی وہاں ضرورت نہیں۔ وہ اجازت لے کر اُٹھے اور واپس شہر کی طرف روانہ ہوئے۔

ابوعبیدہ نے اسی وقت مسلمانوں کو تیار ہو کر دوسرے روز علی الصباح کوچ کرنے کا حکم دیدیا۔ روسائے عرب اور سرداران عساکر اسلامیہ رخصت ہو کر اپنے خیموں پر پہونچے۔ اعلان کرنے والوں نے اسلامی لشکر میں کوچ کا اعلان کر دیا۔

مسلمان ضرار اور ان کے ہمراہیوں کے گرفتار ہونے کی وجہ سے طیش میں آ رہے تھے۔ عذرا کی گم شدگی نے انہیں اور بھی برافروختہ کر دیا۔

انہوں نے تیاری شروع کی۔ دوسرے روز صبح کی نماز پڑھتے ہی عسکر اسلامیہ نہایت غیض وغضب کی حالت میں انطاکیہ کی طرف روانہ ہوا۔

گیارھواں باب

رومتہ الکبریٰ کا عجائب خانہ

ملے خاک میں قصر وایوان کیا کیا!
مٹائے فلک نے مکان کیسے کیسے!

پیطرس سفارت پر رومتہ الکبریٰ روانہ ہوا تھا۔ انطاکیہ سے رومتہ الکبریٰ ۲۰۰ فرلانگ تھا۔ پیطرس نہایت تیزی سے دو منزلہ اور سہ منزلہ کرتا ہوا جا رہا تھا۔ اس کے ہمراہ دو سو سوار تھے۔ اگرچہ ان لوگوں کو اس قدر سفر کرنے سے تکلیف ہوتی تھی۔ لیکن وہ ہرقل اعظم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس تکلیف کو برداشت کر رہے تھے۔ آٹھویں روز یہ لوگ رومتہ الکبریٰ میں پہونچے۔

رومتہ الکبریٰ نہایت پرانا شہر تھا۔ یہ شہر ۷۰۰ سال قبل مسیح آباد کیا گیا تھا۔ اس کو فیطانوس موجودہ بادشاہ کے مورث اعلیٰ نے آباد کیا تھا۔ اس نے اپنے نام پر اس شہر کے آباد ہوتے ہی اطراف عالم میں اس کی شہرت ہو گئی تھی۔ اس میں دور دور سے تجار اور صناع آکر آباد ہو گئے تھے۔ یہ شہر ایک عمارت کی وجہ سے بہت زیادہ مشہور ہو گیا تھا۔ اس عمارت کا نام ابو سوفیا تھا۔ ابو سوفیا کے متعلق عجیب وغریب روایتیں مشہور تھیں۔ دور دور سے لوگ اس عمارت کو دیکھنے کو آتے تھے۔ ہر وقت سیاحوں کا میلہ سا لگا رہتا تھا۔ اکثر سیاحوں نے اسی جگہ بود وباش اختیار کرلی

تھی۔ اس طرح بہت تھوڑے عرصہ میں یہ شہر ایک عظیم الشان شہر بن گیا تھا۔

ہرقل اعظم کے سفیر کی آمد کی اطلاع رومۃ الکبریٰ میں پہلے ہی پہونچ گئی تھی۔ فیطانوس اس قاصد کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ جس روز رومۃ الکبریٰ میں سفارت کے لوگ داخل ہوئے اُس روز دربار تھا۔

فیطانوس نے نہایت تزک و احتشام سے دربار کیا تھا۔ عوام الناس سفیر اور اُس کے ہمراہیوں کو دیکھ کر جوق جوق انہیں دیکھنے کے لئے اُمنڈ آئے۔ لوگوں کا اس قدر اژدھام ہو گیا کہ تمام راستے پٹ گئے بڑی مشکل سے سفارت کے لوگ دربار عام کے سامنے پہونچے۔ یہاں عیسائیوں کا زبردست رسالہ دروازہ پر متعین تھا۔ اس رسالہ نے سفیر کو سلامی دی اور اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو دربار میں داخل ہونے کے لئے راستہ دیا۔

پطرس مع اپنے دو سو ہمراہیوں کے دربار میں داخل ہوا۔

اس دربار کی عمارت نہایت بلند، کشادہ اور وسیع تھی۔ اس کا ہال جس میں دربار ہو رہا تھا۔ نہایت فراخ تھا۔ اس ہال میں قالینوں کا فرش بچھ رہا تھا۔ اس فرش پر قطار در قطار آبنوسی کرسیاں پڑی تھیں۔ صدر دروازے کے سامنے کمرہ کے وسط میں کشادہ راستہ آمد و رفت کے لئے چھوٹا ہوا تھا۔ کرسیوں پر درباری خوق البھڑک پوشاکیں پہنے نہایت شان و وقار کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ کمرے کے شمالی جانب آخری سرے پر تقریباً ۲۵ فٹ مربع چبوترہ تھا۔ یہ چبوترہ سطح زمین سے ۴ فٹ بلند تھا اس کے پشت کی طرف دیوار میں ایک دروازہ دوسری طرف جانے کے لئے تھا۔ دروازہ پر سرخ و سبز ریشم کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ جس پر سنہرے پھول بنے ہوئے تھے۔ چبوترہ کے تین طرف چاندی کا جنگلہ لگا ہوا تھا۔ فرش پر نہایت دبیز ریشمی قالین پڑے

ہوئے تھے۔ اس کے وسط میں چاندی کا کشتی نما تخت تھا۔ یہ تخت نہایت خوبصورت، سبک اور بڑا ہی خوشنما تھا۔ اس میں سونے کے تاروں میں ہیرے جواہرات کی جھالریں لگی ہوئی تھیں۔ اس تخت کے اوپر ایک ضعیف العمر رومی بیٹھا تھا۔ یہ رومی قوی الجثہ اور سرخ و سپید رنگ کا تھا۔ اس کا چہرہ نورانی اور داڑھی لمبی تھی۔ داڑھی کے بال سفید تھے۔ اس کی عمر ۱۲۵ سال سے زیادہ تھی وہ ریشم کے نہایت بیش قیمت کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ جس کے حاشیوں پر موتیوں اور جواہرات کی جھالریں لگی ہوئی تھیں۔ جو جھلملا رہی تھیں۔ سر پر سونے کا نہایت درخشاں تاج تھا۔ اس وقت یہی رومتہ الکبریٰ کا بادشاہ تھا۔ اس کا نام فلیطانوس تھا۔ وہ نہایت شان و وقار کے ساتھ بیٹھا تھا۔

پیٹرس اور اس کے ساتھی سیدھے ہنگل کے قریب پہونچے فلیطانوس نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ فوراً سجدہ میں گر پڑے۔

جب وہ سجدے سے اُٹھے تو فلیطانوس نے دریافت کیا "کیا تم انطاکیہ سے آئے ہو۔

پیٹرس نے نہایت ادب سے آہستہ لہجہ میں جواب دیا۔ عالی جاہا میں انطاکیہ ہی سے آیا ہوں عظیم روم کا سفیر ہوں۔ حضور کی بارگاہ اعلیٰ میں سفارت کی خدمت پر مامور ہو کر حاضر خدمت اقدس ہوا ہوا ہوں۔

فلیطانوس۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ عظیم روم مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکے اور ملک شام کے مشہور شہروں اور قلعوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ بدقسمتی سے زمین ایلیا (بیت المقدس) پر وحشی عربوں نے قبضہ کر لیا۔ سنا ہے ان کی چیرہ دستی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ دارالسلطنت انطاکیہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔

بطرس۔ حضور والا اعظم روم نے مسلمانوں کا یلغار رد کرنے کی بہت کچھ کوشش کی۔ سب سے پہلے اجنادین میں نوے ہزار لشکر بھیجا۔ مسلمان صرف ۲۳ ہزار ہی تھے۔ یہ خیال تھا کہ عیسائیوں کی فتح ہوگی۔ لیکن بدقسمتی سے شکست ہوئی۔ دوسری مرتبہ دس لاکھ لشکر فراہم کرکے یرموک بھیجا۔ اس لشکر میں ملک کے چیدہ چیدہ بہادر اور ذی عزت ملوک شریک تھے۔ مسلمان ۲۷ ہزار تھے پختہ یقین تھا کہ اس مرتبہ عیسائیوں کی فتح یقینی ہوگی۔ لیکن رومیوں کی قسمت الٹ گئی۔ عیسائیوں کو زبردست شکست ہوئی۔ ان مشہور معرکوں کے علاوہ عظیم روم نے ہر قلعہ دار کو مدد دی۔ مگر نتیجہ کچھ بھی بہتر نہ ہوا۔ ہر جگہ رومیوں کو شکست ہوتی رہی۔

فلیطانوس۔ اب عظیم روم نے دارالسلطنت بچانے کا کیا انتظام کیا ہے؟۔

بطرس۔ اس مرتبہ پھر عظیم پیمانہ پر لشکر فراہم کیا گیا ہے۔ اس وقت تک ۱۰ لاکھ سے بھی زیادہ لشکر جمع ہو چکا ہے۔ تمام وہ ملک جو مسلمانوں کی دست برد سے باقی بچے ہیں رومی جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے ہیں۔ میں عظیم روم کے حکم سے حضور والا کی حضوری میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ شاہی مراسلہ حضور کے ملاحظہ سے گذاردں۔

فلیطانوس۔ اس مراسلہ کو پیش کرو۔

بطرس نے مراسلہ نکال کر اپنے ہاتھوں پر لیا۔ جنگلہ کے قریب ایک نہایت معزز رومی چاندی کی کرسی پر بیٹھا تھا۔ یہ وزیر اعظم تھا وہ کھڑا ہوا اور نہایت ادب و احترام سے ہاتھ بڑھا کر بطرس سے مراسلہ لیا۔ اس نے اس مراسلہ کو چوما۔ آنکھوں سے لگایا۔ پھر غور سے مہر دیکھی۔ یہ اطمینان کرکے کہ مہر صاف ہے۔ مہر توڑی۔ لفافہ کھولا اور مراسلہ نکال کر پہلے آہستہ آہستہ پڑھا۔ پھر بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا۔ اس مراسلہ کا

مضمون یہ تھا۔

از جانب عظیم روم، ملک معظم، شہنشاہ اعظم ہرقل والیٔ ملک سوریہ۔ بجانب ناصر دین عیسوی۔ فخر ملوک فلیطانوس والیٔ رومۃ الکبریٰ۔ آج عیسائیوں کی بد اعمالیوں سے اُن پر خدا کی زمین تنگ ہو گئی ہے۔ ان بادیہ نشینان عرب نے جو رومیوں کا نام سن کر کانپ جایا کرتے تھے ملک شام میں خروج کیا ہے۔ انہوں نے صرف شام ہی کا کثیر حصہ فتح نہیں کر لیا ہے بلکہ ہماری مقدس زمین ایلیا (بیت المقدس) پر بھی قابض ہو گئے۔ اب ان کا ارادہ دار السلطنت انطاکیہ پر حملہ کرنے کا ہے۔ میں نے اُن کا مقابلہ کرنے کا ہر طرح سامان کر لیا ہے۔ میرا جرّی لشکر اور باہمت ملوک مسلمانوں کو ملک سے نکالنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کو ملک شام ہی سے بدر کرنا نہیں چاہتا بلکہ میرا ارادہ ہے۔ کہ میں ملک حجاز پر لشکر کشی کر کے سرکش و گستاخ عربوں کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچل ڈالوں۔ اُن کے بادشاہ یعنی خلیفہ کو گرفتار کر لوں۔ خانہ کعبہ کو گرا دوں۔ بلکہ اگر ممکن ہو تو اس قوم ہی کو دنیا سے نیست و نابود کر دوں۔ اس مہم کیلئے مزید لشکر کی ضرورت ہے۔ اس وقت عیسائی دنیا آپ کیطرف دیکھ رہی ہے۔ اس جنگ میں آپ کی شرکت عیسائیوں کو جہاد کے لئے برانگیختہ کر دے گی۔ اور وہ مسیحی مذہب کو بچانے کے لئے دوڑ پڑیں گے۔ یقین ہے۔ آپ اس جنگ میں شریک ہو کر عیسائیوں کی حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔ اور میرے ارادہ کی تکمیل کے لئے انتہائی جد وجہد

کریں گے۔

"از انطاکیہ دار السلطنت ملک شام"

فلیطانوس اور اس کے تمام درباری اس شاہی مراسلہ کو نہایت غور سے سن رہے تھے۔ جب مراسلہ ختم ہوا تو فلیطانوس نے نہایت جوش میں آکر کہا۔

اس وقت عیسائیوں کی کشتی منجدھار میں ہے۔ عربوں نے مسیحیوں اور مسیحی مذہب کو مٹانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ وہ صلیب کو سرنگوں کرنا چاہتے ہیں۔ اب ہر عیسائی کا فرض ہے۔ کہ زمین ایلیا (بیت المقدس) کی خاطر مسیحی مذہب کی خاطر، کنیسوں اور گرجوں کی حرمت کی خاطر اس مذہبی جہاد میں شریک ہو۔ ..... محترم سفیر! تمہارا کیا نام ہے؟

پطرس نے ادب سے سر جھکا کر جواب دیا۔ عالی جاہا! اس خاکسار کا نام پطرس ہے۔

فلیطانوس۔ پطرس! میں ضرور انطاکیہ چلوں گا۔ مذہبی جہاد میں شریک ہوں گا۔ میں نے عربوں کی بہادری کی شہرت سنی ہے۔ اُن کی محیر العقول داستانیں میرے گوش گذار ہوئی ہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے۔ کہ آج دنیا میں اُن سے زیادہ بہادر کوئی قوم نہیں ہے۔ وہ نہایت دلیری جرأت اور جانبازی سے لڑتے ہیں۔ مجھے شوق ہے۔ صرف شوق ہی نہیں بلکہ میری آرزو اور تمنا ہے۔ کہ میں عربوں سے جنگ کروں۔ ان عربوں سے جن کا نام سُن کر عیسائی کانپتے ہیں۔ .....

ارسطا طالیس: وزیر اعظم کا نام، تم وزیر جنگ کو آج ہی مطلع کر دو کردہ لشکر کو تیاری کا حکم دے۔ مابدولت پرسوں انطاکیہ کی طرف کوچ کرینگے

ارسطاطالیس مراسلہ ہاتھوں میں لئے ہوئے ابھی تک کھڑا تھا۔ اُس نے سر جھکا کر جواب دیا "بہت خوب پیر و مرشد"

اب فلیطانوس اراکین سلطنت کی طرف مخاطب ہوا اُس نے کہا۔ معمولی جنگ کے اخراجات کی بہت زیادہ ضرورت ہوا کرتی ہے۔ پھر یہ تو جنگ عظیم ہے۔ اس لیئے بہت ہی اخراجات کی ضرورت ہوگی۔ ان اخراجات کا کیا انتظام کرنا چاہیئے؟۔

اور اراکین سلطنت تو خاموش رہے۔ ارسطاطالیس نے جواب دیا عالیجاہا! جنگی ٹیکس قائم کرکے رعایا سے وصول کیا جائے۔

فلیطانوس۔ رعایا اس ٹیکس کو برداشت نہ کرسکے گی۔ ممکن ہے کہ عمال حکومت جبر و سختی سے وصول کریں۔ میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔ پھر ٹیکس وصول کرنے کا وقت بھی نہیں ہے۔

ارسطاطالیس۔ لیکن میرا مقصد یہ ہے۔ کہ عام رعایا سے یہ ٹیکس وصول نہ کیا جائے بلکہ روٗسا اور امرا سے وصول کیا جائے۔

فلیطانوس۔ روٗسا اور امرا میں بھی بہت سے ایسے ہیں جنہیں یہ بار گراں معلوم ہوگا۔ یہ امر مجھکو منظور نہیں۔

ارسطاطالیس۔ بس تو پھر اراکین سلطنت سے وصول کیا جائے۔

فلیطانوس۔ اراکین سلطنت بھی شاید برداشت نہ کرسکیں۔

ارسطاطالیس۔ اب جہاں پناہ جو تجویز فرمائیں وہ مناسب ہے۔

فلیطانوس۔ آپ سب اصحاب کو یہ بات معلوم ہے کہ ہمارے اس شہر میں ایک عجائب خانہ کا نام ابوسوفیا ہے۔ یہ عجیب و غریب عمارت ہے۔ جب سے یہ عمارت بنی ہے۔ آج تک نہیں کھولی گئی۔ چونکہ اس کے کھولنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ بلکہ ہر نیا بادشاہ تخت نشینی کے روز اس میں ایک تالا ڈالتا رہا۔ میرا خیال ہے۔ کہ اس عمارت میں بزرگوں نے خزانہ دفن کیا ہوگا اور اس بات کو مدنظر رکھ کر کہ کوئی اس عمارت کو کھول کر خزانہ نہ نکالے اس کے متعلق عجیب اور ہیبت ناک باتیں مشہور کردی گئیں۔ چنانچہ ان

باتوں ہی کی وجہ سے کسی کو آج تک اس عمارت کے نہ کھولنے کا خیال پیدا ہوا اور نہ جرات ہوئی۔ اب میں نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ اس عمارت کو کھولوں۔۔۔۔۔۔۔۔

تمام درباریوں نے حیرت اور خوف کی نگاہوں سے فلیطانوس کو دیکھا۔ ارسطاطالیس نے تحیر خیز نگاہیں ڈالیں۔ فلیطانوس نے کہا تم متحیر اور خوف زدہ ہو رہے ہو۔ میں اسے واہمہ پرستی کہتا ہوں۔ محض اپنے بڑھے ہوئے وہم کی وجہ سے تم اس عمارت کو کھولنا نہیں چاہتے۔۔۔۔۔۔

ارسطاطالیس نے جواب دیا۔ حضور والا! جو عمارت برسوں سے بلکہ صدیوں سے بند ہے۔ اور جس کو نہ کھولنے کی شاہان سلف ہدایت کرتے چلے آئے ہیں۔ اس کو کھولنا میرے خیال میں اپنی قوم کو اور اپنے ملک کو مبتلائے مصیبت کرنا ہے۔ بہتر یہی ہے۔ کہ اس کو نہ کھولا جائے۔

فلیطانوس نے جوش میں آکر کہا۔ یہی تو وہم پرستی ہے۔ خداوند اس توہم پرستی ہی کو مٹانے کے آئے تھے۔ ہم عیسائیوں کو وہم و شگون چھوڑ دینے چاہئیں۔ مابدولت نے ابوصوفیا کو کھولنے کا قصد کر لیا ہے اب اپنا ارادہ نہیں بدل سکتے۔

ارسطاطالیس۔ لیکن جہاں پناہ! جب اس عمارت کو کھولنے پر ملک و قوم کی تباہی کا انحصار ہے۔ حکومت و سلطنت کے زوال کا اندیشہ ہے تو پھر اس کا نہ کھولنا ہی اچھا ہے۔ حضور والا! ہر قوم خزانہ کی حفاظت کرتی ہے۔ اگر ابوصوفیا میں خزانہ ہوتا تو زمانہ سلف سے ہی اس۔ کے اردگرد چھاؤنی ہوتی۔ اس کی حفاظت کا خاص انتظام کیا جاتا۔ وہ آبادی سے دور بغیر کسی حفاظت کے نہ چھوڑا جاتا۔ میرے

خیال میں اس میں کوئی راز دفن ہے۔ ہمیں استحقاق نہیں ہے۔ کہ ہم اس راز کو افشا کریں۔

فلیطانوس سر بہ گریبان ہو گیا۔ اور تھوڑی دیر تک کچھ غور کرتا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد اُس نے اپنا سر اُٹھا کر کہا۔ ارسطاطالیس! راز ہو یا خزانہ کل میں ضرور ابو سوفیا کو کھولوں گا۔ تم عطاؤس محافظ ابو سوفیا کو حکم دو کہ وہ کل نو بجے صبح جملہ چابیاں لیکر ابو سوفیا کے دروازہ پر ملے۔ (پطرس سے مخاطب ہو کر) پطرس! تم دور دراز کا سفر کر کے آئے ہو۔ اب آرام کرو۔ کل میں اس عجیب و غریب مکان کو کھولوں گا۔ جو ۷۰ سال قبل از حضرت مسیح تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ مکان جب سے بنا ہے آج تک مقفل ہے۔ اگر تم بھی اس کے عجائبات دیکھنا چاہو تو کل صبح ہی ابو سوفیا کے دروازہ پر پہنچ جاؤ۔

پطرس نے سر جھکا کر ادب و احترام کے لہجہ میں کہا۔ حضور والا! ابو سوفیا اور اس کے عجائبات کا شہرہ رومتہ الکبریٰ سے نکل کر تمام ملک شام میں پھیل گیا ہے۔ ہر شخص اس عجائب خانہ کو دیکھنا چاہتا ہے میری بھی آرزو ہے۔ میں ضرور اس کو دیکھوں گا۔

تمام درباری اس وقت خوفزدہ اور بلبھوت سے ہو رہے تھے وہ آنکھیں پھاڑے ہوئے انتہائے فکر و اندوہ اور حیرت و تعجب کی نگاہوں سے فلیطانوس کو دیکھ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ابو سوفیا کے کھولے جاتے ہی ان کا ملک اور وہ خود تباہ ہو جائیں گے۔ ارسطاطالیس نے ان کے جذبات و خیالات کی ترجمانی کر دی تھی۔ لیکن راج ہٹ کی بنا پر فلیطانوس نے کوئی پروا نہ کی تھی۔ ایک ضعیف العمر درباری اُٹھا اس نے کہا۔ عالی جاہا۔

فلیطانوس نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ تم بھی ابو سوفیا کے نہ کھولے

جانے کی بابت کچھ کہو گے۔

وہی ضعیف العمر۔ جہاں پناہ! ابوسوفیا کھولے جانے کی خبر سنکر میرا دل کانپنے لگا ہے۔ اس وقت تمام درباری متفکر و مغموم ہو گئے ہیں بہتر ہے کہ حضور اس کے کھولنے سے محترز رہیں۔

فلیطانوس۔ نہیں! یہ نہیں ہو سکتا۔ کل ابوسوفیا ضرور کھولا جائیگا تم سب دیکھو گے کہ اس میں کیا چیز چھپائی گئی ہے۔ بس اب کل تک کے لئے رخصت۔

فلیطانوس اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے اُٹھتے ہی تمام درباری کھڑے ہو گئے۔ ان سب کے کھڑے ہوتے ہی پشت والے دروازہ کی طرف سے نہایت سُریلی اور روح پرور باجہ کی آواز آنے لگی۔ ارسطانیس بڑھا اس نے سربسجود ہو کر بادشاہ کو سلام کیا اور سیدھے قدموں واپس ہو کر اپنی کرسی کے قریب سر جھکا کر کھڑا ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ تمام درباریوں نے سلام کی رسم ادا کی۔ جب یہ سب سلام کر چکے تو چبوترہ کے پشت والے دروازہ پر پڑا ہوا پردہ اُٹھا اور اسکو دس نو عمر، نوخیز حسین لڑکیاں زرق برق پوشاکیں پہنے نمودار ہوئیں۔ یہ لڑکیاں نہایت حسین تھیں۔ ان کے حسن کی تجلی نے تمام دربار کو جگمگا دیا۔ اس وقت ان سب کی پوشاکیں سبز ریشم کی تھیں جن کے حاشیوں پر ہیرے جواہرات لگے ہوئے جھلملا رہے تھے یہ حسین پری چہرہ لڑکیاں کچھ ایسی چنچل واقع ہوئی تھیں کہ ان کی بوٹی بوٹی تھرک رہی تھی۔ سیماب کی طرح انہیں کسی پہلو قرار ہی نہ تھا۔ ان کا تمام جسم ایک ادائے دلربانہ کے ساتھ متحرک تھا۔ وہ سنگ مرمر کے فرش پر بالکل ایسی معلوم ہو رہی تھیں جیسے سفید بادلوں پر بجلی چمک کر مرتعش ہوتی رہتی ہے۔ غیر ممکن تھا کہ کوئی ان کی طرف نظر بھر کر دیکھ لے۔ تجلی حسن آنکھوں میں چکا چوند

پیدا کر دیتی تھی۔ انہوں نے دروازہ سے نکل کر نیم استادہ ہو کر سلام کیا۔

خلیطانوس ان حسن کی پتلیوں کو دیکھ کر مسکرایا اُس نے کہا "اے حسن و جمال کی تصویرو! مرحبا۔ تمہیں دیکھتے ہی میرے تمام غم وافکار دور ہو جاتے ہیں۔ میری روح دریائے حسن میں غرق ہو کر اُسی نور کے ناپید کنار سمندر میں پہنچ جاتی ہے۔ جہاں سوائے لمحات حسن و نور کے اور کچھ نہیں ہے۔ میں کس قدر خوش قسمت ہوں کہ میرے گھر میں حسن و جمال کی وہ دیویاں ہیں جن پر حسن و جمال بجا طور پر ناز کر سکتے ہیں"

باجہ اب نہایت سریلی آواز سے بج رہا تھا۔ اس کی روح پرور آواز میں تمام درباریوں کی روحیں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اس وقت سب پر وجد کی سی کیفیت طاری تھی۔ اب خلیطانوس محل میں جانے کے لیے دروازہ کی طرف بڑھا۔ فوراً حسین لڑکیوں نے جلدی سے بڑھ کر اس کا لبادہ اپنے نازک ہاتھوں پر اُٹھا لیا۔ یہ سب قدم قدم اس طرح جا رہی تھیں جیسے وہ باجہ کی سر اور تھاپ پر قدم رکھ رہی ہوں۔

تمام درباری اس وقت کچھ ایسے مسحور ہو رہے تھے کہ انہیں معلوم نہ تھا کہ اس وقت کیا ہو رہا ہے۔ وہ سب بدستور سر جھکائے محویت کے عالم میں کھڑے تھے۔

خلیطانوس آہستہ آہستہ چل کر دروازہ میں داخل ہوا۔ اور جلدی سے دروازہ کے دوسری طرف چلا گیا۔ اس کی لبادہ بردار حسن و جمال کی پتلیاں بھی اس کے ساتھ چلی گئیں۔

اب باجہ کی آواز مدہم سروں میں آنے لگی تھی معلوم ہوتا تھا کہ باجے والے بھی خلیطانوس کے ساتھ ساتھ جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں باجہ کی آواز آنی بالکل بند ہو گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد مسحور درباری ہوشیار ہوئے

اُنھوں نے نظریں اُٹھا اُٹھا کر دروازہ کی طرف دیکھا۔ وہاں اب کیا رکھا تھا۔ فیطانوس اور اس کی بادہ بردار ناز آفریں لڑکیاں سب چلی گئی تھیں۔ باجہ بند ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے اطمینان سے سانس لیئے اور ایک ایک دو دو کرکے اپنے گردہ کی طرف روانہ ہوئے۔

لیطرس شاہی مہمان تھا۔ وہ نہایت ادب و احترام کے ساتھ شاہی مہمان خانہ میں پہنچایا گیا۔ اس کے ہمراہی بھی اُس کے پاس پہنچ گئے۔ ان لوگوں نے کمریں کھول کر آرام کیا۔

دربار سے درباریوں کے باہر نکلتے ہی عوام الناس کو یہ معلوم کرکے کہ کل ایوسوفیا کھولا جائے گا۔ سخت فکر و پریشانی لاحق ہوئی۔ وہ حیرت و اضطراب سے ایک دوسرے کا منھ تکنے لگے۔ انہیں صرف اندیشہ ہی نہیں بلکہ یقین اور یقین ہی کیا حق الیقین ہو گیا۔ کہ کل رومۃ الکبریٰ۔ رومۃ الکبریٰ کے بادشاہ اور اُس کے باشندوں پر ضرور کوئی آفت نازل ہو گی۔ اس اندیشہ۔ فکر۔ اور یقین نے تمام باشندوں کو سخت مضطرب اور بدحواس کر دیا۔ گھر گھر اسی بات کا چرچا ہونے لگا تمام گرجوں اور کنیسوں میں دعا مانگی گئی کہ خدا رومۃ الکبریٰ پر نازل ہونے والی بلا اور مصیبت کو دور کر دے۔

فلیطانوس رحمدل۔ منصف مزاج۔ رعایا پرور اور ملک و قوم کا خیر اندیش بادشاہ تھا۔ اُس کے دور حکومت میں لوگ نہایت آرام۔ اطمینان اور فارغ البالی سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ اُس کی رعایا اُس سے بہت زیادہ مانوس اور خوش تھی۔ ہر شخص اس کی محبت اور عزت کرتا تھا وہ نہیں چاہتے تھے کہ اُن کا بادشاہ جوان کے دلوں پر حکمراں ہے۔ ایوسوفیا کو کھول کر خود بھی مبتلائے مصیبت ہو۔ اور ملک و قوم کو بھی ابتلا میں گرفتار کرے۔ ساری رات رومۃ الکبریٰ کے باشندے متفکر و مغموم اور پریشان رہے۔ اُنہوں نے نہایت اضطراب بےچینی اور فکر و انتشار میں وہ رات بسر کی

جب صبح ہوئی اور آفتاب عالمتاب درخشاں کرنوں کا منور تاج زیب سر کئے اُفق مشرق سے جلوہ گر ہوا اور اس کی ضیا پاش کرنوں نے دنیا کو روشن کر دیا۔ تو رومتہ الکبریٰ کے باشندے بیدار ہوئے۔ وہ جلد جلد ضروریات سے فارغ ہو ہو کر ابوسوفیا کے سامنے جمع ہونے شروع ہو گئے۔

ابوسوفیا ایک زبردست نہایت مستحکم اور عالیشان عمارت تھی۔ یہ عمارت تقریباً ۹۹ فٹ مربع تھی۔ اس کے چاروں طرف دو دو دروازے تھے یہ دروازے نہایت بلند اور عالیشان تھے۔ اِن آٹھوں دروازوں میں ایک ایک بت انسان کی آنکھیں کان اور ناکیں چاندی کے تھے۔ اور آنکھوں کی پتلیاں سونے کی تھیں۔ ان بتوں میں کچھ ایسا مصالحہ بھرا تھا کہ رات کو وہ اس قدر روشن ہو جاتے تھے کہ ان کا عضو عضو دور سے نظر آنے لگتا تھا۔ ان ساتوں بتوں کے ہاتھ نہایت تانبے تھے اور ان سب کے داہنے ہاتھوں میں سونے کی ایک ایک تختی تھی۔

ان دروازوں سے گذر کر اس احاطہ کے درمیان میں ایک بڑا ہشت پہلو گنبد تھا جو سونے کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ گنبد خالص تانبے کا تھا۔ اس گنبد پر ایک بڑا قوی ہیکل خالص چاندی کا بت تھا۔ اس بت کا چہرہ سونے کا تھا۔ یہ رات اور دن برابر درخشاں اور تاباں رہتا تھا۔ اس بڑے بت کے بھی داہنے ہاتھ میں ایک بڑی سونے کی تختی تھی

جس وقت دنیا میں کوئی بڑا یا اہم اور نیا واقعہ پیش آتا تھا تو ساتوں دروازوں کے ساتوں بت گھومنے لگتے تھے۔ ان کے گھومنے یا چکر کھانے سے ایک ہولناک آواز پیدا ہوتی تھی۔ ایسی ہولناک کہ لوگ دہل جاتے تھے۔ جب یہ آواز پیدا ہوتی تھی تو اسی وقت ساتوں بت اپنی تختیوں کو اونچا کر دیتے تھے۔ ان تختیوں کا عکس بڑے چاندی کے بت کی تختی میں پڑتا تھا۔ وہ تختی روشن ہو جاتی تھی اور اس میں سیاہ موٹے موٹے حروف نمودار ہونے

شروع ہو جاتے تھے۔ ان حروف سے الفاظ بننے لگتے تھے۔ الفاظ سے عبارت بن جاتی تھی۔ یہ عبارت ایسی موٹی اور روشن ہوتی تھی۔ کہ دن ہو یا رات دور سے بھی بخوبی پڑھی جاتی تھی۔ اس طرح رومتہ الکبریٰ کے باشندوں کو دنیا کے اہم اور نئے واقعات کا علم گھر بیٹھے ہو جایا کرتا تھا۔

آج سائنسداں اپنی اختراعات پر ناز کرتے ہیں۔ بعض اپنی اختراعات کی بدولت خدا کے وجود ہی سے بھی منکر ہو جاتے ہیں۔ لیکن سچ پوچھئے تو وہ ابھی اس قدر اختراعات نہیں کر سکتے ہیں۔ جو عہد ماضی میں ہو چکی ہیں اور جن کو امتداد زمانہ نے مٹا دیا ہے۔

ابو سونیا کے آٹھویں دروازہ پر ایک نہایت بلند اور مہیب سنگ موسی کا بت تھا۔ جس میں جگہ جگہ سنگ مرمر کی ٹکیاں لگی ہوئی تھیں۔ یہ بت کھو کھلا تھا۔ جب بہار کا موسم آتا۔ درختوں میں نئی نئی کونپلیں پھوٹنے لگتی تھیں۔ پھولوں کے پودوں پر کلیاں آجاتیں تو اس بت میں سے ایسی سخت آواز نکلتی کہ لوگ کانپ جاتے۔ بچے اور عورتیں بیہوش ہو جاتیں لیکن قدرت خداوندی یا اُس کی آواز کا اثر ملاحظہ ہو کہ طیور اپنی چونچوں میں روغن زیتون بھر بھر کر لاتے اور اس عظیم الشان بت کے سر پر ڈالتے یہاں تک کہ اس بت کا خول روغن زیتون سے بھر جاتا۔ اور پرند اُس وقت تک روغن ڈالے جاتے جب تک وہ بت روغن زیتون میں تر نہ ہو جاتا جب وہ بت روغن سے پر ہو جاتا تو آواز بند ہو جاتی پرند اُڑ جاتے اس بت کے دونوں پیروں میں چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے۔ ان سوراخوں میں سے روغن رس رس کر ٹپکنے لگتا۔ رومتہ الکبریٰ کے باشندے اس روغن کو برتنوں میں بھر لیتے اور سال بھر تک استعمال کرتے۔

ابو سونیا کے چاروں طرف نہایت وسیع اور سبزہ زار میدان تھا

آج یہ تمام میدان لوگوں سے لبریز ہو گیا تھا۔ ہر طرف انسانوں کا سمندر لہریں لیتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ رومتہ الکبریٰ اور اس کے مفصلات کے تمام باشندے یہ دیکھنے کے لئے امنڈ آئے تھے کہ ان کا بادشاہ ابو سوفیا ین اجل ہو کر کیا کرے گا؟ لیکن یہ تمام لوگ جو اس وقت یہاں جمع ہو گئے تھے سخت متفکر اور پریشان معلوم ہوتے تھے

جب آفتاب بلند ہو گیا اور اس کی درخشاں کرنیں ابو سوفیا پر پڑنے لگیں تو فلیطانوس نہایت تزک و احتشام سے معہ وزراء۔ امراء اور مصاحبوں کے گھوڑوں پر سوار نمودار ہوا۔ اُسے دیکھتے ہی تمام لوگ اُسے سلام کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑے۔ انسانی پرستش کا یہ اچھا خاصہ منظر تھا فلیطانوس ابو سوفیا کے سامنے آکر ٹھہرا۔ لوگ سجدے سے اٹھے۔ اُنھوں نے فلیطانوس زندہ باش" نعرہ لگایا۔

فلیطانوس گھوڑے سے اُتر کر ابو سوفیا کے دروازے پر پہنچا۔ یہاں اُسے ایک ضعیف العمر رومی ملا۔ جو اس قدر بڈھا تھا کہ اس کے سر داڑھی اور چار ابرو کے بال چاندی کی طرح سفید ہو گئے تھے۔ کمر جھکی ہوئی تھی۔ بدن میں لرزہ تھا۔ وہ سفید ریشم کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ ایک سیاہ ریشم کی ڈور سے کمر باندھے ہوئے تھا۔ اس ڈور میں داہنی طرف چابیوں کا بڑا سا گچھا لٹک رہا تھا۔ اور بائیں طرف موٹے موٹے دانوں کی تسبیح لٹک رہی تھی۔ سینہ پر سرخ رنگ کی صلیب لٹک رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چاندی کا عصا تھا۔ وہ اس عصا کے سہارے سے دو چار قدم چل سکتا تھا۔ کبیر سنی کے باعث اس کے تمام چہرہ پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ آنکھیں حلقوں کے اندر دھنس گئی تھیں۔ مگر نیلگوں پتلیاں اب بھی حلقوں میں چکر لگا رہی تھیں۔ اس بڈھے کا نام عطادس تھا۔ اس وقت یہی سوفیا کا محافظ تھا۔

جب رومتہ الکبریٰ کی سلطنت قایم ہوئی تھی اُسی وقت ابو سوفیا بھی

بجاتی رہیں گی پھر سوائے کف افسوس ملنے کے اور کچھ نہ ہوگا۔ اس زمانہ میں ایسے ذی عقل و ذی علم۔ دانش مند اور حکیم موجود نہیں ہیں جو اس کو پھر بدستور سابق کر دیں۔

میرے حضور! بزرگوں کا ارشاد ہے۔ کہ جب یہ عمارت کھولی جائیگی تباہی اور بربادی رومتہ الکبریٰ کے دروازہ پر آجائے گی۔

عطاؤس رک رک کر آہستہ آہستہ گفتگو کر رہا تھا۔ فلیطانوس کو اُس کی گفتگو سے الجھن ہو رہی تھی۔ مگر چونکہ وہ اس کا ادب و احترام کرتا تھا۔ اس لیئے خاموش کھڑا سن رہا تھا۔

عطاؤس خاموش ہو کر ہانپنے لگا۔ فلیطانوس نے کہا۔ "اے بزرگ ترین ہستی! میں اسے کھولنے کا قصد کر چکا ہوں۔ ضرور کھولوں گا۔ چاہے ہم اس کی برکتوں اور عجائبات سے محروم ہی کیوں نہ ہو جائیں"۔

عطاؤس نے پھر کہا۔ "جہاں پناہ! اسے کھولنے کا قصد نہ کیجئے۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سُنا ہے۔ کہ جو بادشاہ ابوسوفیا کو کھولے گا وہ رومتہ الکبریٰ کا آخری فرمانروا ہوگا۔

فلیطانوس نے جلدی سے جواب دیا۔ اوہ کچھ پروا نہیں۔ میرے خاندان سے سلطنت جاتی رہے یا مجھ پر کوئی آفت نازل ہو جائے مگر میں اسے ضرور کھولوں گا۔ تم اصرار مت کرو۔ میری تباہی کا وقت آگیا ہے۔ میری سلطنت کی تباہی کا وقت آگیا ہے۔ سب سے بڑھ کر مسیحی مذہب کی تباہی کا وقت آگیا ہے میں ان تمام باتوں کو سمجھتا ہوں۔ میرے سر پر جو نحوست کی گھٹا چھا گئی ہے اُس نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔ کہ میں اس بے نظیر عجائب خانہ کو کھولوں۔ لاؤ مجھے چابی دو۔

۔س مجبور ہو گیا۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے چابیوں کا گچھا نکالا اور فلیطانوس کو دیا۔ فلیطانوس کو ابوسوفیا کے کھولنے کا کچھ ایسا شوق تھا کہ

تعمیر کیا گیا تھا۔ اور جب سے ابو سوفیا تعمیر ہوا تھا اُسی وقت سے اس کی حفاظت
عطادس کے بزرگوں کو تفویض کی گئی تھی۔ جس طرح فلیطانوس سلسلہ بسلسلہ
اپنے خاندان میں اس وقت تک بادشاہ تھا۔ اسی طرح عطادس اپنے بزرگوں
کا جانشین ابو سوفیا کی حفاظت پر مامور تھا۔

عطادس نے فلیطانوس کے قریب پہنچکر نہایت ادب سے جھک کر
اُسے سلام کیا۔ فلیطانوس اُس کا اس قدر احترام کرتا تھا کہ اُس نے بڑھکر
اُس کے جھری دار ہاتھوں کو بوسہ دیکر کہا۔ محترم بزرگ! آج ابو سوفیا کے
کھولنے کا وقت آگیا ہے۔ مجھے چابیوں کا گچھا دو۔ میں اسے کھولوں گا۔"
عطادس کے چہرے سے فکر و غم کے علاوہ ہمدردی اور ترحم کے آثار
ظاہر ہوئے۔ اُس نے اپنا پوپلا منہ کھولا۔ جھری دار پھیلے ہوئے لب کھلتے ہی
اُس کے منہ سے رال ٹپک کر اس کے کپڑوں پر گر پڑی اس کا سر اور تمام
جسم زور زور سے کانپنے لگا۔ اس نے نہایت آہستہ اور رُک رُک کر ایسے
لہجے میں گفتگو شروع کی جو مشکل سمجھ میں آتی تھی۔ اس نے کہا مجھے تعجب ہے کہ
حضور اس بات کا قصد کر رہے ہیں جس کی جرات شاہان سلف میں سے آج تک
کسی نے بھی نہیں کی۔ اس مکان کو بنے ہوئے ۰۰ ، سال سے بھی زیادہ عرصہ گذر
چکا ہے۔ یہ آج تک کبھی نہیں کھولا گیا ہے۔ بلکہ ہر بادشاہ وصیت کرتا رہا کہ اسکا
جانشین اس کو ہرگز نہ کھولے۔ جہاں پناہ! اس عمارت میں سوائے عقل و دانش
اور علم و حکمت کے کچھ بھی نہیں ہے۔ گذشتہ حکیموں اور ذی علم لوگوں نے
اسے تعمیر کیا ہے۔ اس کے ذریعہ سے رومتہ الکبریٰ کے باشندے دنیا بھر
کے اہم اور نئے واقعات گھر بیٹھے معلوم کر لیتے ہیں۔ حضور کی رعایا کو سال
بھر کے لئے روغن زیتون بلا کسی مشقت اور محنت کے ملجایا کرتا ہے۔ یہ دنیا میں
بے نظیر اور عجیب و غریب عمارت ہے۔ حضور والا اسے کھول کر اس کے عجائبات کو
نہ مٹائیے۔ میرا خیال ہے کہ اس کے کھولتے ہی اس کی نادر اور عجوبہ تمام باتیں

اُس نے خود تمام تالے کھول کر اُس نے دروازہ کو دھکیلا کو اڑ کھلے فلیطاؤس اور اُس کے چند مصاحب، بدعطاؤس اور وزیر اعظم اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے درمیانی میدان طے کیا اور ہشت پہلو گنبد پر پہونچے۔

اس وقت بادشاہ کے تمام ساتھیوں کے دل دھڑک رہے تھے۔ وہ خوفزدہ تھے ان کے چہروں کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ انہیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے عنقریب کوئی مصیبت نازل ہوا چاہتی ہے۔ وہ اِدھر اُدھر خوفزدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے قدم قدم بڑھ رہے تھے۔ جب وہ ہشت پہلو گنبد کے قریب پہونچے تو اُس کو ایسی حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے کہ جیسے وہ عنقریب فنا ہونے والا ہے۔ ان میں صرف ایک فلیطاؤس تھا جسے کسی قسم کا ہراس نہ تھا۔ وہ دلیرانہ ہشت پہلو گنبد میں داخل ہوا۔

یہ گنبد بالکل خالی تھا۔ صرف دیواروں پر نقشے اور تصاویر آویزاں تھیں۔ داہنی طرف ایک بڑا بیت المقدس کا نقشہ لٹک رہا تھا۔ اس کے قریب اور بہت سے چھوٹے چھوٹے نقشے تھے ان لوگوں نے ان نقشوں کو دیکھا۔ یہ تمام نقشے ملک شام کے مشہور قلعوں اور شہروں کے تھے۔ ہر نقشہ کے اوپر ایک ایک تصویر تھی۔ یہ تصویریں ان لوگوں کی تھیں جو اس وقت ان قلعوں پر حکمراں تھے جس وقت اپوسونیا کھولا گیا۔

یہ سب لوگ ان تصویروں کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ صدیوں پہلے قلعہ اور قلعہ داروں کی تصویریں اور نقشے کیسے بنائے گئے اور ان تصویروں اور نقشوں سے کیا مطلب ہے۔

یہ لوگ ان تصویروں کو دیکھتے ہوئے سامنے والی دیوار کے پاس پہونچے تو انہوں نے انطاکیہ کا نقشہ دیکھا۔ اس نقشے کے اوپر ہرقل اعظم کی تصویر تھی۔ تمام لوگ اس نقشے اور ہرقل اعظم کی تصویر دیکھ کر بہت زیادہ متعجب ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ہرقل اعظم کی تصویر سے غم و فکر ہویدا ہے

وہ حسرت بھری نظروں سے سامنے والی دیوار کو دیکھ رہا ہے۔ فلیطانوس نے کہا ہرقل اعظم سامنے دیکھ رہا ہے۔ اس دیوار پر دیکھو کیا ہے؟

فوراً ارسطاطالیس بڑھ کر دوسری دیوار کے قریب پہونچا اس نے کہا۔ عالیجاہا یہاں ایک تحریر آویزاں ہے۔

فوراً فلیطانوس اور اس کے ہمراہی لپک کر اس دیوار کے قریب پہونچے انھوں نے وہاں سونے کے پتر پر ایک تحریر دیکھی۔ یہ تحریر سرخ رنگ کی تھی۔ اس کے سرخ الفاظ آگ کے شعلہ کی طرح دھک رہے تھے۔ فلیطانوس نے اس تحریر کو پڑھنا شروع کیا۔ اس میں لکھا تھا۔

افسوس ہے اس پر جس نے اس مکان کو کھولا۔ اس مکان کو کھولتے ہی اسکی تمام برکتیں جاتی رہیں گی۔ عجائبات دور ہو جائیں گے۔ فارغ البالی اور بے فکری جاتی رہے گی۔ مگر جس طرح قیامت کا ایک دن مقرر ہے۔ اسی طرح اس مکان کے کھولے جانے کا بھی ایک دن مقرر ہے۔ جو شخص اس عمارت کو کھولے گا اسے بجز افسوس اور مایوسی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس میں نہ خزانہ ہے نہ دنیا کی کوئی اور نعمت ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اے اس مکان کے کھولنے والے گوش ہوش سے سن لے! علم کا حاصل کرنا ہر انسان کے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسا تن پروری کے لئے کھانا پینا۔ علم سے عقل بڑھتی ہے۔ دل و دماغ روشن ہو جاتے ہیں۔ دل و دماغ روشن ہونے سے اسرار خفی و جلی نظر آنے لگتے ہیں علم سے بڑھ کر دنیا میں کوئی نعمت نہیں ہے۔ یہ نعمت عظمیٰ ہے۔ ہمیں اس بیش بہا نعمت (علم) کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے۔ کہ جب دنیا میں کفر و ضلالت کا غلبہ ہوگا مخلوق خالق حقیقی کو بھول جائے گی۔ بت پرستی کا عام رواج ہو جائے گا لوگ فسق و فجور میں پھنس کر اس قدر آلودہ عصیاں ہو جائیں گے کہ خدا کو بالکل ہی بھول جائیں گے اس وقت غیرت خداوندی کو جوش ہوگا اور زمین تہامہ (مکہ معظمہ) سے آفتاب ہدایت جلوہ گر ہو کر ساری دنیا کو منور کرنے لگے گا صاحب

ہدایت لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دیں گے۔ خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جو ہدایت پاکر مسلمان ہو جائیں گے۔ ان صاحب ہدایت کے بعد اُن کے جانشین ایک نحیف الجثہ لمبے قد کے بزرگ ہونگے۔ وہ رحم دل ہوں گے۔ ان کا دل دین اسلام سے منور ہو گا۔ وہ بھی اسلام کی تبلیغ کریں گے۔ دنیا کا کچھ حصہ ان کی زندگی میں مسلمان ہو جائے گا۔ ان کے بعد ایک سانولے رنگ کے دراز قد اور مضبوط جسم والے ان کے جانشین ہوں گے۔ یہ نہایت دبدبہ والے بزرگ، دور اندیش، عادل، اور بہادر ہوں گے۔ ان کے رعب سے قیصر و کسریٰ کانپنے لگیں گے۔ عدالت کرنا ان کی صفت ہوگی پرہیزگاری اُن کا جوہر ہو گا۔ ان کی آرائش ان کی پیوند لگی گدڑی ہوگی۔ ان کی تلوار ان کا دُرّہ ہو گا۔ ان کے زمانہ میں سلطنتیں الٹ جائیں گی۔ ملک روم فتح ہو جائے گا ملک شام پر اُن کا قبضہ ہو گا۔ مصر کو بھی وہ فتح کریں گے۔ ایران پر قابض ہو جائیں گے۔ رومیوں کا شہنشاہ ہرقل اعظم ان کے زمانہ میں ہو گا۔ وہ رومیوں کا آخری فرماں روا ہو گا۔ اس کی سلطنت تباہ ہو جائے گی۔ عیسائی مغلوب ہو جائیں گے۔ تمام دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کا زور ہو گا۔ لوگ جوق جوق مذہب اسلام میں داخل ہوں گے۔ یہ وہ زمانہ . . . . . ہو گا۔ جب یہ مکان کھولا جائے گا۔ مبارک ہو اس شخص کو جس نے علم پڑھا۔ جس کی علم سے عقل بڑھی۔ عقل نے درستی کو اختیار کیا وہی شخص لائق صد ہزار تحسین ہے۔"

تمام لوگ اس تحریر کو سن کر متحیر ہوئے۔ وہ ایک دوسرے منہ تکنے لگے فلیطانوس پر بھی حیرت طاری ہوئی۔ عطاؤس خوف زدہ اس کی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر میں فلیطانوس نے کہا۔ کچھ نہیں۔ یہ سب خرافات ہے۔ میں نے سمجھا تھا۔ اس مکان میں خزانہ ہو گا۔ یہاں خزانہ وزانہ کچھ بھی نہیں صرف نقشے۔ تصویریں اور ایک لاطائل تحریر ہے۔ آؤ واپس چلیں۔

اب یہ سب لوگ گنبد سے باہر نکلے۔ فلیطانوس کے چہرہ سے افسوس اور مایوسی ہویدا تھی۔ لیکن اور سب لوگ سخت خوف زدہ تھے۔ جس وقت یہ سب

لوگ سخت خوفزدہ تھے۔ جس وقت یہ سب لوگ گنبد سے باہر نکلے ہیں اُسی وقت سیاہ بڑے بت کے منہ سے خوفناک آواز نکلنی شروع ہوئی۔ فلیطانوس کے وزراء اور امراء اس آواز کو سُن کر اس درجہ خوفزدہ ہوئے کہ وہ بھاگ کر ابوسوفیا سے باہر نکلنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن فلیطانوس مغموم، متفکر، مایوس، اور متاسف تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ اس لئے انہوں نے صبر کیا۔ اور وہ اپنے بادشاہ کی معیت میں قدم قدم چلنے لگے۔

آواز دم بدم بلند کریہہ اور سخت ہولناک ہوتی جاتی تھی۔ ان لوگوں کے دل بحر غم و فکر میں ڈوبنے لگے۔ ان چہرے زرد پڑ گئے۔ ہاتھ پیر کانپنے لگے انہوں نے بڑے بت کی طرف دیکھا۔ اب یہ بت ہلنے لگا تھا۔ اسے ہلتے ہوئے دیکھ کر لوگوں کو بہت ہراس ہوا وہ اس لئے اور بھی ڈر گئے کہ کہیں یہ بت ان کے اوپر گر کر انہیں کچل نہ ڈالے۔ آخر یہ لوگ ابوسوفیا سے نکل کر باہر آئے باہر آ کر انہوں نے دیکھا کہ صدہا آدمی مہیب آواز سُن کر بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے ہیں۔ جو لوگ ہوش میں ہیں۔ وہ نظریں اُٹھائے حیرت، حسرت و افسوس بھری نظروں سے بڑے بت کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

ان لوگوں کے ابوسوفیا سے باہر نکلتے ہی اس کی تمام عمارت خزاں رسیدہ پتہ کی طرح لرزنے لگی تھی۔ اب بڑا بت زور زور سے ہچکولے کھانے لگا تھا۔ اُس کی آواز اس قدر بلند اور مہیب ہو گئی تھی کہ دسیوں میل کے فاصلہ پر بخوبی سنائی دے رہی تھی۔ لوگوں کے کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے بہت سے آدمیوں نے رومال اور کپڑے کانوں میں ٹھوس لئے تھے۔ مگر آواز اس قدر بلند ہو گئی تھی کہ کپڑے ٹھونسنے پر بھی زور شور سے برابر آواز آ رہی تھی۔

اب بڑا بت اس قدر ہچکولے کھانے لگا تھا کہ وہ دونوں طرف سے زمین سے ملجاتا تھا۔ گنبد اور گنبد سے باہر کی تمام عمارت ایسی زور سے لرز رہی تھی کہ

ہر لمحہ اس کے گرنے کا احتمال ہوتا تھا۔ لوگوں پر سخت خوف و ہراس طاری تھا۔ وہ بیہوش ہو کر گر رہے تھے۔ بوڑھا عطاؤس بھی گر پڑا تھا۔ بیچارہ غریب بڈھا گرتے ہی راہی ملک بقا ہوا۔ فلیطانوس حیران و ششدر کھڑا کانوں میں انگلیاں رکھے حسرت و افسوس بھری نظروں سے بڑے بت کو دیکھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بڑا بت نہایت زور سے زمین پر گرا۔ اُس کے گرتے ہی زمین کانپ گئی۔ لوگوں کے دل لرز گئے۔ رومۃ الکبریٰ میں زلزلہ آ گیا۔ متعدد مکانات گر پڑے۔ سینکڑوں آدمی دب کر مر گئے۔ شہر کے باشندے شہر کو چھوڑ چھوڑ کر باہر جنگل نکل کر بھاگنے لگے۔

جب بڑا بت گر گیا تو اب باقی آٹھوں بت نہایت تیزی سے گھومنے لگے ان کے گھومنے سے دروازے بنیادوں سے ہلنے لگے۔ تمام عمارت اسطرح لرزنے اور کانپنے لگی جیسے بادصرصر کے سامنے نازک ڈالیاں زور زور سے لرزنے لگتی ہیں۔ دفعتاً آٹھوں بت بھی نہایت زور سے زمین پر گرے۔ ان کے گرنے سے اس قدر دھماکا ہوا کہ ایک مرتبہ رومۃ الکبریٰ میں زلزلہ آ گیا۔ اور سینکڑوں عمارتیں منہدم ہو گئیں۔ قرب و جوار کے دیہات میں بھی زلزلہ کا اثر ہوا۔ اور اس زلزلہ نے وہاں بھی کئی مکانات گرا دیئے۔ بہت سے آدمی مکانات اور عمارات کے گرنے سے اُن کے نیچے دب کر مر گئے۔

ان تمام بتوں کے گرتے ہی ابوسوفیا میں آگ لگ گئی۔ چشم زدن میں شعلے بلند ہو گئے۔ در و دیوار۔ پتھر۔ لکڑی سب جل جل کر چٹخنے لگے۔ لوگ اُن کے شعلوں اور چٹخنے والے ایزوں سے بچنے کے لئے دور بھاگ کر جا کھڑے ہوئے۔ لیکن جو لوگ قریب رہ گئے۔ یا جو بیہوش پڑے ہوئے تھے۔ آگ کے شعلوں نے اُنہیں جلا ڈالا۔

فلیطانوس اور اُس کے ہمراہی بھاگ کر دور جا کھڑے ہوئے۔ اُس وقت لوگوں کو سخت رنج و قلق تھا۔ تھوڑی دیر میں تمام عمارت جل کر تودہ خاک

ہو گئی۔ لیکن بت ابھی بدستور پڑے ہوئے تھے۔ البتہ وہ آگ میں پڑے ہوئے دھک رہے تھے۔ ہر شخص کو انہیں دیکھ کر خوف معلوم ہوتا تھا۔

کچھ عرصہ کے بعد فلیطانوس مغموم و متفکر سر جھکائے رومۃ الکبریٰ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے ہمراہ جو لوگ تھے وہ بھی روانہ ہوئے۔ جب یہ لوگ رومۃ الکبریٰ میں پہونچے تو انہوں نے یہاں متعدد مکانات اور عمارتوں کو منہدم دیکھا۔ ان سب کو اس حادثہ جانکاہ سے سخت رنج و ملال ہوا۔

فلیطانوس بیہوش آدمیوں کو ہوش میں لاکر شہر میں پہونچانے کا حکم دیکر قصر شاہی میں داخل ہوا۔ وہ تمام دن متفکر و مغموم رہا۔ رات کو بھی اُسے غم و تفکر لاحق رہے۔ دوسرے روز علی الصباح وہ بیدار ہوا۔ اُس نے بیدار ہوتے ہی لشکر کو تیار ہوکر انطاکیہ کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ بہت جلد لشکر مسلح ہوکر کوچ پر آمادہ ہو گیا۔ اسی روز سفر مینا کی پلٹنیں۔ باربرداری کے چھکڑے۔ رسد کے ذخائر اور خیمے وغیرہ روانہ ہوئے۔ تیسرے روز صبح کے وقت بہت سویرے فلیطانوس بھی معہ تیس ہزار لشکر کے نہایت شان و شوکت کے ساتھ انطاکیہ کے طرف روانہ ہوئے۔ لیکن وہ کچھ مغموم و متفکر اور رنج و الم میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے قلب کا اطمینان جاتا رہا تھا۔ وہ نہایت مردہ دل اور تاسف و مایوسی کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ اُس کے سپاہی بھی آزردہ خاطر اور رنج و الم میں گرفتار کوچ کر رہے تھے۔

بارھواں باب

عرب کی حور عیسائیوں کے پنجے میں

رہے دیوں میں سر در بن کر بسے تھے آنکھوں میں نور بنکر
کسے خبر تھی رہیں گے ہم بھی اسیر قید فرنگ ہو کر

جب سلمہ پانی لینے چلی گئی تو حور وش عذرا تھوڑی ہی دور چل کر بیٹھ گئی اس وقت وہ بہت زیادہ متفکر و مغموم معلوم ہو رہی تھی۔ اُس کی نرگسی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ افسردہ چہرہ بہت ہی پیارا معلوم ہو رہا تھا۔ وہ یوں ہی بہت زیادہ نازک لڑکی تھی۔ محبت نے اُسے اور بھی نازک کر دیا تھا۔ اب وہ نازک تر ہو گئی تھی۔ نازک تر ہو جانے کی وجہ سے وہ ذرا سا بھی رنج برداشت نہ کر سکتی تھی۔

اس وقت جہاں عذرا بیٹھی تھی یہ وہی جگہ تھی جہاں دو روز قبل وہ قیس کے ہمراہ اُسے جہاد پر جانے سے روکنے کی غرض سے باتیں کر رہی تھی۔ اسے قیس کے ساتھ گفتگو کرنے کا خیال آیا۔ اُس کے کلیجے میں گھونسا سا لگا۔ وہ اس وقت قیس کو یاد کر کے اور بھی بے چین ہو گئی۔ اُسے کچھ ایسا صدمہ ہوا۔ کہ اُس کی روح تحلیل ہونے لگی۔ اس نے ضبط و صبر کرنا چاہا۔ اپنے نازک لبوں کو موتی جیسے دانتوں میں دبا لیا۔ اس سے اس کا اور بھی غم بڑھ گیا۔ وہ مرقع غم بن گئی۔ اس کا چہرہ بالکل سفید ہو گیا۔

چاند اس حور وش پر ایسا فدا ہو رہا تھا کہ وہ بے تحاشا اُس کی چاند سی صورت کو تکے جا رہا تھا۔ چاند کی پر نور کرنیں اُس کے منور چہرہ پہ نثار ہو رہی تھیں۔ گستاخ ہوا اس کے سیاہ مشک بو زلفوں کے ساتھ چھیڑ کر رہی تھی۔ اس کے نازک سر سے دوپٹہ سرک کر اُس کے نازک ترین کندھوں پر آ پڑا تھا۔ اس کی شب دیجور کو شرمانے والی زلفیں چاندنی کے پرتو سے مار سیاہ کی طرح چمک رہی تھیں۔

چاند نہایت آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ سفید سفید چاندنی سبزہ زار پر لوٹتی ہوئی بھلی معلوم ہوتی تھی۔ نوجوان حسین پھولوں کے گچھے سروں پر اٹھائے اکڑے کھڑے تھے۔ پھول چاندنی کی ضو میں چمک رہے تھے اس وقت نہایت ہی دلفریب منظر تھا۔ ہر شخص کا جی چاہتا تھا کہ اس دلفریب منظر کو دیکھے ہی

جائے۔ لیکن ایک عذرا تھی جس کو کائنات کی اس دلفریبی سے کچھ بھی حظ حاصل نہ ہو رہا تھا۔ بلکہ برخلاف اس کے وہ نہایت پریشان اور غمگین تھی۔

ابھی عذرا کو بیٹھے ہوئے کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ اُسے اپنے قریب ہی سے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ جلدی سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور خوف زدہ ہرنی کی طرح جس طرف سے آواز آرہی تھی اس طرف دیکھنے لگی۔ اسے ایک نوجوان عرب اسی کی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ اُس نے اُسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ وہ وہی عرب تھا جسے اُس نے عیٹس کے ہمراہ پہلے قنسرین میں اور پھر اس جگہ دو روز قبل دیکھا تھا۔ ہمارے ناظرین اس عرب سے بخوبی واقف ہیں۔ کہ اس کا نام حازم ہے۔

عذرا اس وقت تنہا تھی۔ غم و رنج نے اسے نازک تر بنا دیا تھا وہ حازم کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر خوفزدہ ہو گئی۔

حازم اس حور وش کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے انتہائی محبت خیز لہجہ میں کہا۔ اے عرب کی حور! اسلام علیکم۔

حور وش عذرا نے ترنم خیز لہجہ میں جواب دیا" وعلیکم السلام۔

عذرا اس کے سلام کرنے سے اسے مسلمان سمجھی۔ چونکہ وہ مسلمانوں کو نیک اور نقصان نہ پہنچانے والے جانتی تھی اس لئے اب اُس کا خوف جاتا رہا۔ اور وہ بےخوف ہو کر اُس کے سامنے سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔

حازم اُسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے پھر دریافت کیا۔

"اے ہوشربا لڑکی تمہارا کیا نام ہے؟"

اپنے اس طرح خطاب کئے جانے پر عذرا حازم کی طرف سے کھٹکی۔ کیونکہ مسلمانوں کی معاشرت کے خلاف تھا کہ وہ کسی لڑکی کی تعریف اس کے منہ پر کریں۔ عذرا شرما گئی۔ اُس نے شرم آلود نظروں سے حازم کو دیکھ کر کہا

میرا نام عذرا ہے۔

حازم نے محبت خیز نظروں سے عذرا کو دیکھ کر کہا۔ اہا کیسا پیارا نام ہے۔ اے شیریں ادا لڑکی! جیسی تم خوبصورت اور پیاری ہو ویسا ہی تمہارا نام بھی پیارا ہے۔ پری جمال عذرا! تم کو معلوم ہے۔ کہ میں کب سے اور کیوں تمہارے ساتھ ہوں؟

عذرا نے شرم افزا لہجہ میں بھولے پن کے ساتھ جواب دیا۔ مجھے کیا خبر!۔

حازم نے اپنی تیز نگاہیں عذرا کے نازک ترین پھول سے رخساروں پر گڑو کر کہا۔ آہ! تمہیں خبر نہیں۔ تم کس قدر بیداد۔ ستم پرور اور تغافل شعار ہو۔ اے عرب کی حور میں تمہارے ساتھ دمشق سے ہوں۔ میں نے سب سے پہلے تمہیں، دمشق میں دیکھا تھا۔ تمہیں دیکھتے ہی میں ہزاروں جان سے تم پر شیفتہ ہو گیا۔ . . . . تم شرما رہی ہو۔ تمہاری یہ ادا بھی کس قدر ہو شربا ہے عذرا! میں تم پر فریفتہ ہو گیا ہوں۔ تم حسینانِ جہاں کی سرتاج ہو۔ حضرت مسیح کی قسم تم بے نظیر حسین ہو۔ اور اے ناز آفریں لڑکی!! میں ہمدان کا شاہزادہ ہوں۔ بادشاہ جبلہ کا بھتیجا ہوں۔ میرا نام حازم ہے۔ مجھ پر سینکڑوں رومی عورتیں والہ و شیدا ہیں۔ لیکن میں . . . . . ہاں میں تمہارا پرستار ہوں۔ تم پر فدا ہوں۔ تمہاری ہر ادا پر جان دیتا ہوں۔

حازم خاموش ہو گیا۔ عذرا کو ابتدا ہی میں شک ہو چلا تھا کہ اُس سے ہم کلام ہونے والا مذہباً عیسائی ہے۔ جب اُس نے خود کو ہمدان کا شاہزادہ اور جبلہ کا بھتیجا بتایا تو اُسے اُس کے عیسائی ہونے کا یقین کامل ہو گیا۔ اب اسے حازم کی طرف سے خوف پیدا ہو گیا کہ کہیں وہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔ اُس نے نظر اُٹھا کر سامنے دیکھا۔ سامنے دور اسلامی لشکر خیمہ زن ہے۔ تمام لشکر میں کثرت سے آگ روشن تھی۔ اس کا خیال تھا

کہ شاید سلمہ پانی لے کر آرہی ہو۔ لیکن سلمہ کا بھی پتہ نہ تھا۔ حازم نے پھر سلسلہ کلام شروع کیا۔ اُس نے کہا۔

اے حسن کی دیوی! تمہاری محبت میری رگ رگ میں سما گئی ہے میں دمشق سے یہاں تک تمہارے ساتھ آیا۔ اور اس بات کا متمنی رہا کہ تم سے تنہائی میں ملنے کا موقعہ ملے۔ لیکن کم بخت قیس...... سایہ کی طرح تمہارے ساتھ رہتا تھا۔ اُس بدتمیز نے تم سے تنہائی میں ملنے کا موقعہ ہی نہ دیا۔ پرسوں مجھے معلوم ہوا کہ وہ ضرار کے ہمراہ جہاد پر جانے والا ہے میں اُس کی تاک میں لگ گیا اور بالآخر میں نے اُسے گرفتار کرا دیا......

عذرا اس گفتگو کو سُنکر چونک پڑی۔ وہ سمجھ گئی کہ قیس کو گرفتار بلا کرنے والا حازم ہے۔ اسے حازم سے نفرت پیدا ہو گئی۔ حازم نے اُس کی یہ کیفیت دیکھی۔ اُس نے پھر کہا۔ میری بھولی دوشیزہ رشک قمر! تم اس خبر کو سُنکر چونک پڑی ہو۔ خورد وش عذرا!! قیس کو مصائب میں مبتلا کرنے کا بانی میں ہی ہوں۔ میں نے ہی اس جرم کا ارتکاب کیا ہے شاید تمہیں اُس کی گرفتاری کا ملال ہے۔ تم ملال نہ کرو۔ تمہارا بڑھا ہوا حُسن ہزاروں قیس جیسے نوجوانوں کے سر تمہارے قدموں پر جھکوا دے گا۔ ایک مجھے ہی دیکھو میں تم پر پروانہ وار فدا ہوں۔ تمہاری صورت کا پجاری ہوں۔ میں نے اپنا ناز پروردہ دل تمہاری نظر کر دیا ہے ایک جان باقی ہے۔ اس کو بھی تم پر تصدق کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اے ملکۂ حسن! مجھے معلوم ہے کہ تم یمن کے ایک رئیس کی لڑکی ہو۔ ناز و نعم میں پلی ہو۔ تمہاری ناز برداری کی گئی ہو گی لیکن عذرا...... میں شاہزادہ ہوں۔ میرے پاس اس قدر دولت ہے کہ میں کسی طرح بھی اس کو صرف نہیں کر سکتا۔ سینکڑوں میرے خادم ہیں۔ ہزاروں کنیزیں ہیں۔ نہایت پر فضا محلات ہیں۔ شاہانہ طور پر بسر کرنے کے لئے جاگیر ہے میں چاہتا ہوں کہ تم میری دولت و ثروت میں حصہ دار بن جاؤ حضرت مسیح کی

قسم میں تمہیں شاہزادیوں کی طرح رکھوں گا۔ تمہارے لئے دنیا بھر کی نعمتیں موجود کر دوں گا۔ کیا تمہیں منظور ہے؟

عذرا نفرت و حقارت کی نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ خاموش تھی۔ حازم اُسے محبت بھری للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے پھر کہا۔ اے نور مجسم! خاموش کیوں ہو۔؟ جلد جواب دو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں سلمہ حبس کو تم نے پانی کے لئے بھیجا ہے نہ آ جائے۔ میری روح رواں!! میری آرزو ہے۔ کہ تمہیں انطاکیہ دنیا کی بہشت ہے۔ اس میں نہایت دلکش باغات۔ دلفریب آبشار اور پر فزا گلشن ہیں۔ میں تمہیں ہرقل اعظم کی بیٹی زیتون سے ملاقات کراؤں گا۔ شاہی قصر میں پہنچاؤں گا۔ تم وہاں کی عجیب و غریب اور نظر فریب چیزیں دیکھ کر بہت زیادہ محظوظ ہو گی۔

اب عذرا کو کسی قدر طیش آ گیا۔ اس کے پیارے پیارے چہرہ پر ہلکا گلابی رنگ دوڑ گیا۔ آنکھوں میں سرخ ڈورے کھنچ کر ایسے دل آویز ہو گئے کہ دیکھنے والے کا یہی جی چاہتا تھا کہ ان موہنی آنکھوں کو دیکھے ہی جائے۔ اس نے کسی قدر ترش لہجہ میں نغمہ زا آواز سے کہا۔ میں دولت کی بھوکی نہیں مجھے زر و جواہر نہیں چاہئے۔ نہ میں ہرقل کا عالی شان قصر اور اس قصر کے عجائبات دیکھنا چاہتی ہوں۔ تم نے قیس کو گرفتار کرا کر میرے دل کو صدمہ پہنچایا ہے۔ مجھے تم سے نفرت ہو گئی ہے۔ میرا دل گوارا نہیں کرتا کہ میں تم سے بات بھی کر دوں۔

حازم۔ یہ میں پہلے ہی سے جانتا تھا۔ لیکن اے عرب کی حور! تم مجھ سے نفرت کر دیا مجھے حقارت کی نظروں سے دیکھو۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تمہاری ہی تیغ نگاہ کا کشتہ ہوں۔ آج تمہیں اپنے ساتھ لیجانے کا قصد کر چکا ہوں اگر تم خوشی سے چلو تو نہایت اچھا ہے۔ ورنہ پھر مجھے زبردستی کرنی پڑے گی۔ ......

عذرا گھبرا گئی۔ اُس نے قطع کلام کر کے کہا۔ نہیں نہیں تمہیں ایسا نہ کرنا چاہیئے۔

حازم۔ اگر تم خوشی سے چلوگی تو میں زبردستی نہ کروں گا۔

اب حازم نے بڑھ کر حور وش عذرا کا ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں لے کر کہا۔ وقت بہت تھوڑا ہے۔ سلمہ آنے والی ہے۔ قبل اس کے کہ میں تمہیں اپنی آغوش میں اُٹھاؤں بہتر یہی ہے۔ کہ تم بخوشی چلی چلو۔

عذرا سہم گئی۔ اُس آنکھوں سے خوف وہراس ٹپکنے لگا۔ اُس نے عاجزی کے ساتھ کہا۔ نہیں حازم ایسا نہ کرو۔ میں نے تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی ہے۔ تم بھی میرے ساتھ برائی نہ کرو۔

حازم نے تیز نگاہوں سے عذرا کو دیکھ کر کہا۔ اے جان جہاں! میں تمہاری فرقت برداشت نہیں کر سکتا۔ میرا خیال تھا کہ تم میرے ساتھ بخوشی چلوگی۔ لیکن تم رضامند نہیں ہو۔ مجبوری میں زبردستی لے چلوں گا۔

اب حازم نے حور وش عذرا کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ عذرا نے حسرت بھری نظروں سے اسلامی لشکر کی طرف دیکھا۔ اسے خیال ہوا کہ شاید سلمہ پانی لے کر آرہی ہو لیکن سلمہ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ نہ کوئی اور شخص اُسے قریب نظر آیا۔ عسکر اسلامیہ بہت دور تک پڑا ہوا تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ مدد کے لئے شور وغل کرنا لاحاصل ہے۔ اُس کی مدد کرنے والے اُس سے بہت دور تھے۔ وہ اس وقت سخت غمزدہ تھی۔ نازآفریں لڑکی کچھ بھی نہ کر سکتی تھی آنسوؤں پر اُسے اختیار تھا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور وہ بے زبان خوبصورت پرند کی طرح صیاد کی گرفت میں آگئی۔

حازم نے اُسے گود میں اُٹھا لیا۔ وہ بالکل ہلکی پھلکی تھی۔ حازم اُسے نہایت آسانی سے لے کر انطاکیہ کے راستہ کی طرف چل پڑا۔ تھوڑی دور چل کر اُسے دو آدمی اور ملے۔ حازم نے انہیں دیکھتے ہی دریافت کیا۔

گھوڑے کہاں ہیں؟ جلدی لاؤ۔

فوراً ایک آدمی دوڑ کر گیا اور ایک گھوڑا لے کر آ گیا۔ حازم نے عذرا سے مخاطب ہو کر کہا۔ پری جمال عذرا! اس گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔

عذرا رو رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔ اُس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ حازم مجھے نہ ستاؤ۔ میں خود ہی غمزدہ ہوں۔ اُس خدا سے ڈرو جو ستم زدوں اور دردمندوں کی فریاد سنتا ہے۔ اُس کی لاٹھی میں آواز نہیں ہے۔

حازم نے کہا۔ عذرا بہت تھوڑا وقت ہے میں اس بیش بہا وقت کو باتوں میں ضائع نہیں کر سکتا۔ خدا کسی کی مدد نہیں کرتا۔ بلکہ ہر انسان خود اپنی مدد کرتا ہے۔ بہتر ہے۔ تم خود سوار ہو جاؤ ورنہ مجھے تمہیں اپنی گود میں لے کر سوار ہونا پڑے گا۔

عذرا خود ہی گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ وہ اب بھی زار و قطار رو رہی تھی حازم نے گھوڑے کی باگ پکڑی اور آہستہ آہستہ روانہ ہوا۔ دونوں آدمی اُس کے پیچھے پیچھے چلے۔ یہ لوگ ابھی تھوڑی دور چلے تھے کہ انہیں ایک چرواہا ملا جو رات ہو جانے کی وجہ سے جلد جلد اپنی بھیڑوں کو شہر حلب کی طرف ہانکے لئے چلا جا رہا تھا۔ یہ وہی چرواہا تھا جس نے حضرت ابو عبیدہ کے سامنے شہادت دی تھی۔

تھوڑی ہی دور چل کر یہ سب ایک بڑے درخت کے قریب جا کر رُکے اس درخت کے گہرے سایہ میں دو گھوڑے اور کھڑے تھے ان سے ایک شخص گھوڑوں کو لایا۔ ایک گھوڑے پر حازم سوار ہو گیا۔ دوسرے پر اُس کے ساتھیوں میں سے ایک آدمی سوار ہوا۔ عذرا کے ایک طرف حازم ہو گیا اور دوسری طرف اُس کا ساتھی۔ یہ تینوں تیزی سے روانہ ہوئے۔ حازم کا ایک ہمراہی وہیں رہ گیا۔

اب رات زیادہ آگئی تھی۔ چاند نہایت آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ ہر طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ رات کا قدرتی سکوت طاری تھا۔ عمزہ وہ عذرا اجپاکار حازم اور اُس کے ہمراہی کے ساتھ رات بھر سفر کرتی رہی وہ نازک اندام تھی۔ دن میں سفر کرنے کی عادی تھی۔ رات کو سفر کرنے سے مضمحل ہوگئی۔ صبح صادق کے وقت یہ تینوں عمزہ میں پہونچے۔ عمزہ وہی گاؤں ہے جس میں تین روز قبل ضرار۔ قیس اوران کے ہمراہی آئے تھے۔ حازم اس گرجہ کے سامنے جاکر رُکا۔ جس کے پادری نقیطا سے ضرار نے گفتگو کی تھی۔

چونکہ ابھی سویرا تھا اس لئے گرجے کا دروازہ بند تھا۔ حازم نے دروازہ پر جاکر دستک دی۔ تھوڑی دیر میں دروازہ کھلا اور پادری نقیطا باہر آیا۔ اُس نے حازم کو دیکھ کر کہا۔ اہا شاہزادہ! تم اس وقت کہاں۔ (عذرا کو دیکھ کر) یہ پری جمال لڑکی کون ہے؟

حازم نقیطا کو دیکھ کر گھوڑے سے نیچے اُتر آیا۔ اُس نے رومی زبان میں جواب دیا۔ مقدس باپ! یہ لڑکی مسلمان ہے۔ عیسائی مذہب میں داخل ہونے کے لئے آئی ہے۔ اسی عرصہ میں حازم کا ہمراہی بھی گھوڑے سے اُتر پڑا۔

جب نقیطا نے سنا کہ یہ لڑکی عیسائی ہونے کے لئے آئی ہے۔ تو وہ خوش ہوگیا۔ اُس کی آنکھیں وفور مسرت سے چمکنے لگیں۔ اُس نے عذرا سے مخاطب ہو کر کہا۔ خوش آمدید! بھولی بھالی حور وش لڑکی خوش آمدید!! خداوند نے تجھ پر مہربانی کی۔ آ تجھے مسیح پاک مذہب اپنی آغوش میں لینے کے لئے تیار ہے۔

یہ تمام گفتگو۔ حازم اور نقیطا کی رومی زبان میں ہوئی تھی۔ عذرا رومی زبان سے ناواقف تھی۔ وہ اس گفتگو کا ایک لفظ بھی نہ سمجھی۔ حازم نے

نعتیطا سے مخاطب ہو کر کہا۔

مقدس باپ! ہم رات بھر سفر کرتے رہے ہیں۔ ہمیں آرام کی ضرورت ہے۔ اور اس لڑکی کے لئے۔۔۔۔۔۔

نعتیطا نے جلدی سے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ معاف کیجئے میں فرط مسرت سے اس بات کا خیال ہی نہ کر سکا۔ آیئے گرجے کے اندر تشریف لے چلیئے ہاں! اس لڑکی کا کیا نام ہے؟

حازم۔ اس کا نام عذرا ہے۔ چونکہ اس نے آج ہی پہلی مرتبہ اپنے والدین کو چھوڑا ہے۔ اس لئے ان کی یاد اسے اور بھی پریشان کر رہی ہے۔ اس کی دلبستگی کے لئے۔

نعتیطا نے پھر قطع کلام کر کے کہا۔ اس کی دلبستگی کی ضرورت ہے نہیں اور سینٹ[۱] موجود ہیں۔ ان کی صحبت میں اس کا دل بہل جائے گا۔ چلو تم گرجے کے اندر تو چلو۔

اب حازم نے عذرا کو گھوڑے سے نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ عذرا حازم کا سہارا لے کر اتری۔ اس نے پادری کو قیاساً ولی اللہ خیال کر کے سلام کیا۔ پادری نے دعا دی۔

پادری ان لوگوں کو ہمراہ لے کر اندر داخل ہوا۔ یہ ایک احاطہ تھا۔ جو نہایت وسیع تھا۔ اس احاطہ کے چاروں طرف قد آدم دیوار تھی مشرق کی طرف بارگیں بنی ہوئی تھیں۔ وسط میں گرجے کی عالیشان عمارت تھی اس عمارت کے متصل مشرق اور جنوب کے گوشہ میں ایک اور احاطہ تھا اس احاطہ میں چھوٹا سا باغ تھا۔ اور تین طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ ان کمروں میں ننیں رہتی تھیں۔ باہر جو بارگیں تھیں ان میں سینٹ لوگ رہتے تھے۔

نعتیطا ان لوگوں کو لے کر بارگوں میں پہنچا۔ اُس نے ایک خالی بارگ میں

---

[۱] سینٹ اولیا اللہ دیندار پادری یا گوشہ نشین راہب کو کہتے ہیں۔

گھوڑوں کو بندھوایا۔ حازم کے ہمراہی کو وہیں چھوڑا۔ اور عذرا و حازم کے ہمراہ گرجے کے قریب والے احاطہ کے دروازے پر آکر ٹھہرا۔ اس دروازہ کے دونوں طرف چند کمرے تھے۔ ان کمروں میں سے ایک میں نفیطا رہتا تھا اور دوسرے کمروں میں مہمان راہب آکر ٹھہرا کرتے تھے۔ نفیطا نے ایک کمرہ کی طرف اشارہ کرکے حازم سے مخاطب ہوکر کہا۔ آپ اس کمرے میں تشریف رکھئے۔ میں اس لڑکی کو اس کی پاک باز بہنوں کے پاس پہونچا آدوں۔

حازم اپنے چچا جبلہ کے ہمراہ عیسائی ہو گیا تھا وہ عام عیسائیوں ننوں اور راہبوں کو خوب جانتا تھا اسے معلوم تھا۔ کہ اکثر ننیں اور پادری بدچلن ہیں۔ اسے اندیشہ ہوا کہ کوئی سینٹ عذرا کو نہ ورغلالے۔ اس نے کہا۔ مقدس باپ! عذرا کو بھی اسی کمرے میں رہنے دیجئے۔

نفیطا نے جلدی سے جواب دیا۔ نہیں شاہزادے! اسے یہاں تکلیف ہوگی۔ میں اِسے کسی اس کی ہم سن نن کے سپرد کردوں گا۔ یہ وہاں آرام سے رہے گی۔

حازم نفیطا کو پارسا جانتا تھا۔ اسے اس راہب پر اعتماد تھا۔ اس کے علاوہ نفیطا بڈھا آدمی تھا اس کی طرف سے بدگمان ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس لئے اُس نے کہا۔ بہت خوب! اگر آپ کی یہی رائے ہے تو اسے وہیں لیجائیے۔ لیکن اس کے آرام کا بخوبی انتظام کردیجئے گا۔ اور جس نن کے سپرد آپ کریں اُسے سمجھا دیں کہ یہ رات بھر جاگتی رہی ہے اسے اُسوقت تک سونے دیا جائے جب تک یہ خود بیدار نہ ہو۔

نفیطا۔ یہی ہوگا۔ اس لڑکی کا نام کیا ہے؟ میں اس کا نام بھول بھول گیا۔

حازم۔ اس کا نام عذرا ہے۔

اب نفیطا عذرا کی طرف مخاطب ہوا اس نے کہا۔ عذرا میرے ساتھ آؤ۔

یہ فقرہ اس نے عربی زبان میں کہا تھا۔ عذرا حازم سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ اس لئے وہ چپ چاپ نقیطا کے ہمراہ روانہ ہوئی۔ نقیطا۔ عذرا کو ہمراہ لے کر ننوں کے احاطہ میں داخل ہوا۔ اس احاطہ میں تختہ بندی ہو رہی تھی۔ روشوں کے دونوں جانب کثرت سے پھولوں کے پودے کھڑے تھے۔ جن پر پھول بکثرت کھل رہے تھے۔ پھولوں کی خوشبو سے یہ تمام احاطہ مہکا ہوا تھا۔

چاند ابھی تک نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ چاندنی ہر طرف کھیت کئے ہوئے تھی۔ خوشرنگ پھول چاندنی کے پرتو میں چمک رہے تھے۔

نقیطا عذرا کو لے کر شمال کی طرف ایک کمرہ میں پہنچا۔ اس کمرہ کے دروازہ پر دستک دی۔ تھوڑی دیر میں دروازہ کھلا۔ ایک لڑکی نے اپنا نازک سر کواڑوں سے نکال کر دیکھا اور دریافت کیا۔ کیا ہے؟

نقیطا نے کہا۔ ایلیا! کیا تم ابھی تک سو رہی ہو؟

اس لڑکی کا نام ایلیا تھا۔ وہ دروازہ سے باہر نکل آئی۔ اس نے کہا مقدس باپ! ایسے سویرے کس طرح آنا ہوا؟

عذرا نے ایلیا کو دیکھا۔ ایلیا نہایت خوبصورت لڑکی تھی۔ وہ ڈھیلے ڈھالے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ عذرا نے کبھی کسی راہبہ یا نن کو نہ دیکھا تھا۔ وہ ایلیا کے کپڑے دیکھ کر متعجب ہوئی۔ نقیطا نے ایلیا سے کہا۔ ایلیا! آج ایک لڑکی مہمان آئی ہے۔ یہ لڑکی مسلمان ہے۔ عیسائی ہونے کے لئے آئی ہے۔ اس نے رات بھر سفر کیا ہے۔ میں اسے تمہارے پاس لایا ہوں تم اسے آرام سے اپنے کمرہ میں سلا دو اور جب تک یہ خود بیدار نہ ہو سونے دو۔

مقدس باپ ایسا ہی ہوگا۔ ایلیا نے کہا۔ اب وہ عذرا کی طرف مخاطب ہوئی اس نے ٹوٹی پھوٹی عربی زبان میں کہا۔ آؤ بہن میرے پاس آرام کرنا۔

عذرا خاموشی سے ایلیا کے ہمراہ روانہ ہوئی۔ نقیطا واپس چلا گیا۔ ایلیا نے

کمرے میں جاکر بتی روشن کی۔ روشنی ہوتے پر عذرا نے کمرہ کا جائزہ لیا۔

یہ کمرہ مختصر تھا۔ اس کی دیواروں پر لاجوردی رنگ کی استرکاری ہورہی تھی۔ ٹاٹ کا فرش تھا۔ کمرہ کے درمیان میں ایک کوچ پڑی تھی جس پر خاکی کپڑا منڈھا ہوا تھا۔ سرہانے کی طرف دیوار پر حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی تصاویر آویزاں تھی۔ ایلیا محبت سے عذرا کا ہاتھ پکڑ کر کوچ پر بیٹھ گئی۔ اس نے محبت بھرے لہجہ میں کہا بہن! تم نے رات بھر سفر کیا ہے۔ آؤ لیٹ جاؤ۔ تھوڑی دیر آرام کرلو۔

عذرا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کیا جواب دیتی۔ اُسے غم و فکر نے پریشان کر رکھا تھا۔ اسے بہ جبر اس کے والدین سے جدا کر دیا گیا تھا۔ ساری رات وہ سفر کرنے پر مجبور کی گئی تھی۔ وہ اس وقت بہت زیادہ مضمحل، متفکر اور غمزدہ تھی۔ وہ خاموشی سے لیٹ گئی۔ لیٹتے ہی اُسے والدین کا خیال آیا۔ اُس کے کلیجے پر گھونسہ سا لگا۔ اُس کی نرگسی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوگئیں۔ اُس کا جی چاہتا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رودے۔ لیکن اُس نے ضبط کیا اور ایلیا کیطرف سے کروٹ لے کر پڑ گئی۔

یہ سچ ہے کہ نیند سولی پر بھی آتی ہے۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ انسان ۲۴ گھنٹے میں صرف چند ہی منٹ آرام کی گہری نیند سوتا ہے۔ باقی وقت اُس پر عذاب کا سر ور طاری رہتا ہے۔ ممکن ہے یہ صحیح ہو لیکن نیند کو نیند کہو یا سرور انسان کے لئے وہ نہایت مفید، اہم اور ضروری ہے۔ انسان کیسا ہی متفکر، مغموم اور پریشان ہو اسے سخت تکلیف، کرب یا بے چینی ہو لیکن جب وہ سو جاتا ہے تو اُسے روح پرور سکون حاصل ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے تکلیف، غم، اور فکر دور ہو جاتے ہیں۔ اس طرح انسان بیدار ہو کر پھر دنیاوی آلام کا مقابلہ کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔

مصیبت زدہ عذرا تھوڑی دیر تو پڑی رہی اور ہجوم افکار و غم میں

ہچکولے کھاتی رہی۔ لیکن رفتہ رفتہ اُس پر نیند نے غلبہ کیا اور وہ تمام غم و فکر سے نجات پاکر غفلت کی نیند سو گئی۔

وہ عرصہ تک آرام سے سوتی رہی۔ جب وہ بیدار ہوئی تو دوپہر ہو گیا تھا وہ اُٹھی۔ حوائج ضروری سے فارغ ہو کر وضو کیا اور باغچہ میں سبز سبز گھاس پر کھڑی ہو کر صبح کی قضا نماز پڑھنے لگی۔

تمام ننیں عذرا کو دیکھ کر متعجب ہوئیں۔ اُنہوں نے حیرت و استعجاب سے اُسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آج تک کسی نن نے کبھی کسی مسلمان کو بھی نہ دیکھا تھا نماز پڑھتے ہوئے تو کیا دیکھتیں۔ وہ سب کی سب متحیر و متعجب خیز نظروں سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے لگیں۔

عذرا نے نماز پڑھ کر نہایت خشوع و خضوع سے دعا مانگی۔ دعا مانگ کر وہ اُٹھی۔ اب اُس نے ان تمام ننوں کو دیکھا۔ سب ننیں ایک ہی قسم کے سفید اور ڈھیلے کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ اُن سب نے سروں سے سفید رومال لپیٹ رکھے تھے۔ سب کے سینوں پر سرخ رنگ کی صلیبیں لٹک رہی تھیں یہ سب لڑکیاں نو عمر، نوخیز، اور خوبصورت تھیں۔ اگرچہ وہ بھدا لباس پہنے ہوئے تھیں لیکن ان کا حسن اس لباس میں بھی دلفریب معلوم ہو رہا تھا۔ عذرا ان ننوں کو دیکھ کر متعجب ہوئی۔

عذرا حسین تھی۔ غلط بلکہ حسن و جمال کی دیوی تھی۔ ننیں اُس کے عالم افروز حسن کو دیکھ کر متعجب ہو رہی تھیں۔

جب عذرا نماز پڑھ کر اُٹھی تو ایلیا اُس کے پاس آئی۔ اُس نے ہنس کر دریافت کیا۔ بہن تمہارا کیا نام ہے؟

عذرا نے شرما کر جواب دیا۔ میرا نام عذرا ہے۔

ایلیا۔ عذرا! یہ تم ابھی کیا کر رہی تھیں؟

عذرا۔ میں نماز پڑھ رہی تھی۔

ایلیا نے متعجب ہو کر کہا۔ نماز پڑھ رہی تھیں؟ لیکن جب تم عیسائی ہونے کے لئے آئی ہو تو اسلامی طریقہ پر نماز پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔

عذرا یہ بات سن کر سناٹے میں آ گئی۔ اسے خواب میں بھی یہ خیال نہیں تھا کہ وہ عیسائی بنے گی۔ وہ ایلیا کی گفتگو سے یہ سمجھ گئی کہ اسے عیسائی بنانے کی کوشش کیجائے گی یا کیجا رہی ہے۔ اسے اس بات سے سخت صدمہ ہوا۔ اُس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ وہ مسلمان تھی۔ اسے کسی طرح بھی گوارا نہ تھا کہ وہ دین اسلام کو چھوڑ کر عیسائی ہو جائے۔

اگرچہ عذرا کو سخت صدمہ ہوا تھا۔ لیکن رات ہی سے اُس نے ضبط و جبر کرنا سیکھ لیا تھا۔ اُس میں کسی قدر برداشت کی قوت بھی آ چلی تھی۔ وہ تقدیر کے لکھے پر شاکر ہو کر راضی برضائے الٰہی ہو گئی۔

ایلیا نے اُسے خاموش دیکھ کر کہا۔ عذرا تم چپ کیوں ہو گئیں؟ تمہیں گھر چھٹنے کا رنج ہے۔ یا کسی سے محبت ہے؟

عذرا نے ایسی نظروں سے ایلیا کو دیکھا جن سے افسوس اور ناراضی کے آثار ظاہر تھے۔

ایلیا نے پھر کہا۔ عذرا تم رنج و غم نہ کرو۔ تمہیں یہاں اپنے گھر سے زیادہ آرام ملے گا۔ ہمارے گرجے کے سینٹ (ولی اللہ) نہایت خوبرو ہیں وہ تمہاری دلبستگی کریں گے۔

عذرا کو ایلیا کے ہر فقرہ سے ایک نئی بات معلوم ہوتی تھی وہ یاردمیوں کی طرز معاشرت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان معمولی باتوں کو اہم اور نئی باتیں سمجھتی تھی۔ اس نے تحیر خیز نظروں سے ایلیا کو دیکھکر کہا۔

ایلیا شاید تمہارا نام یہی ہے۔ رات تمہیں پادری نے اسی نام سے تو پکارا تھا۔

ایلیا نے ہنسکر جواب دیا۔ ہاں میرا نام ایلیا ہی ہے۔

عذرا نہ ننوں کو جانتی تھی نہ سینٹوں سے واقف تھی۔ اس نے دمشق وغیرہ میں رومی عورتوں کو جو لباس پہنے ہوئے دیکھا تھا ان ننوں کا لباس ان سے مختلف تھا۔ اس لئے ایلیا سے دریافت کیا۔ یہ تم سب لڑکیاں ڈھیلا اور کوجہ الباس کیوں پہنے ہوئے ہو۔

ایلیا نے مسکرا کر جواب دیا۔ عذرا ہم سب لڑکیاں عابدہ اور زاہدہ ہیں ہم نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ تکلفات اور آرائش کو چھوڑ دیا ہے۔ ہم سب رات دن عبادت و ریاضت میں مشغول رہتی ہیں۔ ہم نن کہلاتی ہیں۔ ہمیں ساری عمر کنوارا رہنا پڑتا ہے۔ عیسائی ہمارا بہت زیادہ ادب و احترام کرتے ہیں۔

عذرا۔ اور یہ سینٹ کون ہوتے ہیں؟

ایلیا۔ سینٹ ان مردوں کو کہتے ہیں جو ہماری طرح رات دن عبادت ریاضت میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ لوگ پکے دیندار ہوتے ہیں۔ ولی اللہ کہلاتے ہیں۔ یہ بھی ساری عمر کنوارے رہتے ہیں۔ اس گرجے میں تقریباً سو سینٹ ہیں۔ ان میں ایک سینٹ مرقش نامی نہایت وجیہ اور خوبصورت ہے۔ تمام ننیں اسے پیار کرتی ہیں۔ تم بھی اسے دیکھ کر خوش ہو جاؤ گی حضرت مسیح کی قسم وہ نہایت خوبرو ہے۔

مرقش کی تعریف کرتے کرتے ایلیا کو جوش آگیا۔ اس کا چہرہ گلنار ہو گیا آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔ عذرا نے اس کی یہ کیفیت دیکھی اس نے اس سے کہا ایلیا! جب ننیں عابدہ اور زاہدہ ہیں۔ انہوں نے ساری عمر کنواری رہنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ اور مرقش ولی اللہ ہے۔ وہ بھی کنوارے رہنے کا عہد کر چکا ہے۔ پھر ننیں اسے کیوں پیار کرتی ہیں؟

ایلیا نے بے ساختہ پن سے جواب دیا۔ عذرا! اچھی چیز سب ہی کو اچھی معلوم ہوا کرتی ہے۔ مرقش ایسا خوبصورت اور بانکا جوان ہے کہ اسے

ہر ٹن کا پیار کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اس میں برائی کی کیا بات ہے؟ ور ہمارے گرجہ کا قانون ایسا سخت ہے۔ کہ ہم عورتیں اور مرد زیادہ عرصہ تک ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ پھر بھی جو وقت ملتا ہے۔ اُسے غنیمت سمجھ کر ہم دل بستگی کر لیتے ہیں۔

عذرا۔ اس دل بستگی کا نتیجہ کیا ہو گا؟

ایلیا نے شوخی سے مسکرا کر کہا۔ نتیجہ گرجہ کے تہ خانہ سے دریافت کرو اس تہ خانہ میں بہ تعداد چھوٹی چھوٹی قبریں موجود ہیں۔ تم رفتہ رفتہ سب کچھ سمجھ جاؤ گی۔

عذرا کچھ کہنا چاہتی تھی کہ پادری نقیطا آ گیا۔ نقیطا کو دیکھتے ہی تمام نتیں اُس کے گرد جمع ہو گئیں۔ اور سب کی سب دو زانو ہو ہو کر اُس کے ہاتھوں اور دامنوں کو بوسے دینے لگیں۔ جب سب بوسے دے چکیں تو دو قدم ہٹ کر نیم دائرہ کی صورت میں کھڑی ہو گئیں۔ نقیطا عذرا کے پاس آیا۔ اُس نے غور سے عذرا کی صورت دیکھی۔ رات کو وہ اچھی طرح اُسے نہ دیکھ سکا تھا۔ اس وقت اُسے عذرا گلاب کے اُس پھول کی طرح سے خوبصورت معلوم ہوئی جو شبنم کے پڑنے سے نکھر گیا ہو۔ وہ اُس کے حسن عالم افروز کو دیکھ کر حیران رہ گیا اس کی تمام قوتوں کو عذرا کے حسن سحر خیز نے سلب کر لیا۔

عذرا نقیطا کو گھور کر اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھ کر شرما گئی۔ اُس نے ازدیاد شرم سے اپنا نازک سر جھکا لیا۔

تھوڑی دیر میں نقیطا سنبھلا اُس نے کہا۔ عذرا تو کس قدر پیاری لڑکی ہے۔ تیرا بڑھا ہوا حسن ساری دنیا کو مسحور کر لینے کے لئے کافی ہے۔ حاذم تجھے عرب کی حور کہتا ہے۔ لیکن وہ غلطی پر ہے۔ تو آسمانی حور ہے۔ وہ حور جس کا تذکرہ انجیل میں ہے۔ اور اگر سچ پوچھو تو بہشت کی حور سے بھی زیادہ حسین ہے تو چاند کا ٹکڑا ہے۔ . . . . . . نہیں نہیں میں نے بھی غلطی کی۔ چودھویں کا چاند خود تیرے رخ روشن کا دھندلا سا عکس ہے۔ ساری دنیا کے بادشاہ

اور شہنشاہ تیری کفش برداری کو فخر سمجھیں۔ تو تو نور مجسم ہے۔ ....

ہائیں تو شرما رہی ہے۔ شاید اپنی تعریف نہیں سن سکتی۔ بہت سے آدمی اپنی تعریف سن کر شرما جایا کرتے ہیں۔ اچھا اب میں تیری مزید تعریف کر کے تجھ سے شرمندہ نہ کروں گا۔ اور میں تیری تعریف ہی کیا کر سکتا ہوں۔ دنیا کا کوئی شخص بھی تیرے حسن کی تعریف نہیں کر سکتا۔

کوئی رومی عورت ہوتی تو ایک پیشوائے دین سے اپنی تعریف سن کر خوش ہو جاتی۔ اُس ملک کا۔ رسم و رواج ہی یہ تھا کہ مرد عورتوں کی تعریفیں کریں۔ لیکن عذرا نے اُس ملک میں پرورش پائی تھی جہاں پر وہ کا رواج ہو گیا تھا۔ عورت اور مرد الگ الگ رہتے تھے۔ عورتیں نامحرموں کے سامنے نہ آتی تھیں۔ نہ وہ خود کسی کی تعریف کرتی تھیں نہ کوئی اُن کی تعریف کرتا تھا۔ عذرا اپنی تعریف سُن سنکر شرما رہی تھی۔ ازدیادِ شرم سے اُس کے پھول سے رخسارے عرق اگیں ہو گئے تھے۔ اس کا نازک سر جھک گیا تھا۔ نفیطا اب بھی برابر اُس کی تعریف کئے جا رہا تھا۔ لیکن جب اُس نے اُسے زیادہ شرماتے ہوئے دیکھا تو کہا۔ نہ شرماؤ اے بہشت کی حوروں کو شرمانے والی خوبصورت ترین لڑکی! نہ شرماؤ۔ اس قدر شرم اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ تمہاری عمر کی لڑکیوں میں شوخی اور چنچل پن اچھا معلوم ہوتا ہے۔

عذرا اب بھی خاموش تھی۔ اب نفیطا آگے بڑھا تھا۔ اُس نے اُس کے نازک ٹھوڑی کے نیچے اپنا جھری دار ہاتھ لگا کر اُس کا چاند سا منھ اوپر کر کے کہا۔ اے رشک قمر! اس قدر شرم بھی کس کام کی۔ ہنسو بولو۔

ایلیا نے نفیطا سے مخاطب ہو کر کہا۔ مقدس باپ! یہ ابھی ہمارے ملک کے رسم و رواج سے واقف نہیں ہے۔ نئی جگہ ہے۔ نئے آدمیوں کو دیکھ کر شرما رہی ہے۔ دو چار روز میں شرم دور ہو جائے گی ....

نفیطا نے قطع کلام کر کے کہا۔ ہاں ہاں تو ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ایلیا! تو

آج ہی سے اسے عیسوی مذہب کی تعلیم دینا شروع کر دے۔ اگر اس نے نن بننا منظور کر لیا تو حضرت مسیح کی قسم سب سے زیادہ خوبصورت نن ہو گی ہمارا گرجہ اس کی موجودگی سے دنیا بھر میں مشہور ہو جائے گا۔ بڑے بڑے ملوک ہمارے گرجہ کی آستانہ بوسی اپنا فخر سمجھیں گے۔ امرار رؤسا کا تو ہر وقت میلہ لگا رہا کریگا۔ سیم وزر کے انبار لگ جائیں گے۔ ہیرے جواہرات اور لعلوں کی کثرت سے گرجہ جگمگا اٹھے گا۔ اوہو وہ بھی کیا وقت ہو گا۔ اسقف اعظم سے بھی میرا وقار بڑھ جائے گا۔ او میرے خدا۔ او میرے خداوند......

نقیلا اس وقت اس طرح خوش ہو رہا تھا جیسے کوئی بچہ کوئی کھلونا پاکر خوش ہو۔ وہ شیخ چلی کی طرح ہوا اور ریت پر قلعہ بنا رہا تھا۔ ازدیاد مسرت سے اس کا رواں رواں پھڑک رہا تھا۔ پتلیاں حلقوں میں جلد جلد گردش کر رہی تھیں۔ وفور مسرت سے اس کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ وہ فقرا پورا نہ کر سکا لیکن یہ خیال کر کے ننیں اس کا مذاق نہ اڑائیں وہ کھنکارا اور اس نے پھر کہنا شروع کیا۔ ایلیا جس طرح بھی ہو تو اسے سمجھا بجھا کر جلد سے جلد عیسائی بنا لے دیکھو کھانے کی گھنٹی ہو رہی ہے۔ اب کھانا کھانے چلو۔

اس وقت نہایت سریلی آواز سے گھنٹی بج رہی تھی۔ یہ کھانا تیار ہونے کی اطلاع تھی۔ اس گھنٹی کے سنتے ہی سب لڑکیاں چار چار کی قطاریں در تک کھڑی ہو گئیں۔ ایلیا نے عذرا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر میں کھڑا کر لیا نقیطا نے ننوں کو بڑھنے کا اشارہ کیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلیں۔

یہ ننیں پچاس کے قریب تھیں۔ وہ خرام ناز سے چل کر احاطہ سے باہر آئیں اور گرجہ کی طرف بڑھیں گرجہ کے دروازے پر ایک ادھیڑ عمر کی عورت ننوں کا استقبال کرنے کے لئے کھڑی تھی۔ ننوں نے دروازے کے قریب پہنچکر اپنے نازک سر جھکا کر دور سے سلام کیا۔ اس عورت نے ہاتھ کے اشارہ

سے اُنہیں دعا دی۔

گرجہ کی عمارت سطح زمین سے تقریباً چار فٹ بلند تھی۔ اس کے صدر دروازے کے سامنے لمبی لمبی دو دو فٹ چوڑی سیڑھیاں تھیں۔ ننیں سیڑھیوں کو طے کرکے دروازے پر پہونچیں۔ وہ عورت جو دروازے پر کھڑی تھی ایک طرف ہٹ گئی ننیں دروازے میں داخل ہوئیں۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی اُنہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینوں پر اس طرح رکھ لئے کہ ان کی کہنیاں پہلوں سے باہر نکلی ہوئی رہیں۔ اب اُنہوں نے نہایت سریلی آواز میں گیت گانا شروع کیا۔ اس گیت کو مل کر کبھی اونچے اور کبھی مدہم سروں میں اس طرح گا رہی تھیں جیسے آج کل تھیٹر میں رامشگر گاتے ہیں۔

دروازہ کو عبور کر کے یہ ننیں ایک وسیع کمرہ میں پہونچیں۔ یہاں پہنچتے ہی اُنہوں نے گیت بند کر دیا۔ اس کمرہ میں آتشدان تھا۔ آتش دان کے اوپر کارنس پر حضرت عیسیٰ کی قد آدم تصویر نصب تھی۔ یہ تصویر سنگ مرمر کی تھی۔ تمام ننیں اس تصویر کے سامنے سر جھکا کر کھڑی ہو گئیں۔

اس جگہ نقیطا نے دوزانو کھڑے ہو کر آہستہ آہستہ انجیل کی آیتیں پڑھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے کھڑے ہوتے ہی ننیں اس کمرہ کے بغلی دروازہ میں داخل ہو کر دوسرے کمرہ میں پہونچیں۔ یہ کمرہ پہلے کمرہ سے بدرجہا بڑا تھا۔ اس کا فرش سنگ مرمر کا تھا۔ دیواروں پر سونے چاندی کا کام ہو رہا تھا۔ بیت المقدس کی طرف قربان گاہ بنی ہوئی تھی۔ قربان گاہ کے داہنی طرف حضرت مریم کی اور بائیں طرف روح القدس کی خیالی تصاویر آویزاں تھیں۔ عین قربان گاہ کے اوپر حضرت عیسیٰ کی تصویر تھی۔ قربان گاہ کے داہنی طرف ایک لمبی صف میں نوجوان پادری خاموشی سر جھکائے اور ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ یہ پادری یا راہب اسّی نوّے کے قریب تھے۔ ننیں اُن پادریوں کے سامنے صف بستہ ہو گئیں۔ پادریوں کا لباس بھی ڈھیلا ڈھالا اور ٹخنوں تک لمبا تھا

وہ چوغے سے پہنے ہوئے تھے۔ یہ چوغے بالکل سفید تھے۔ ان سب راہبوں کی کمریں سیاہ ڈوروں سے کسی ہوئی تھیں۔ ان ڈوروں میں بائیں جانب موٹے موٹے دانوں کی سیاہ تسبیحیں لٹکی ہوئی تھیں۔ سینوں پر تنوں کی طرح سرخ رنگ کی صلیبیں لٹک رہی تھیں۔ یہ لوگ سینٹ یا ولی اللہ کہلاتے تھے۔

نقیطا ان ننوں اور راہبوں کے درمیان کھڑا ہو گیا۔ اُس نے کہا۔ شکر کرو اے مسیحی جاں نثاروں! شکر کرو۔ عیسائی مذہب کے پرستارو! شکر کرو جس نے تمہیں عیسائی مذہب میں پیدا کیا۔ اس خداوند کا شکر کرو جو اپنے اُمتیوں کے گناہوں کے کفارہ میں صلیب پر چڑھ گیا۔

راہبوں نے کہا۔ ہماری زبان میں طاقت نہیں کہ ہم خدا کا شکر کریں۔ اُس خدا کا جس نے اپنے بیٹے کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا۔ اگر ہمارا ہر موئے تن زبان ہو جائے تب بھی ہم اُس کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔ نقیطا تم نے سچ کہا ہم نہ خدا کا شکر ادا کر سکتے ہیں اور نہ خداوند کا۔ آہ! وہ خداوند جو اپنی امت کی خاطر تکلیفیں بھگتا ہوا اُٹھایا گیا۔ آج تک کوئی بھی رسول اور پیغمبر ایسا نہیں ہوا جو اپنی امت کی خاطر امت کے گناہوں کے کفارہ میں پھانسی پر چڑھ گیا ہو۔ یہ دلیری خداوند ہی نے کی ہے۔ خداوند کے باپ نے خداوند کی اس دلیری سے خوش ہو کر اُس کی تمام اُمت کے گناہ معاف کر دیئے۔ ہمارا خداوند لائق صد ہزار تحسین ہے۔ اُس کے اُمتی قابل مبارکباد ہیں۔ تعریف کرو خداوند کی تعریف کرو۔ اس کی تعریف کرو۔ جو ہماری خاطر صلیب پر چڑھ گیا۔ اس کی تعریف کرو جو ہماری رہبری کے لئے زمین پر آیا۔

ننوں نے نہایت سریلی آواز سے کہا۔ غیر ممکن ہے کہ ہم اُس کی تعریف کر سکیں۔ نہ ہماری زبان میں اس قدر طاقت ہے۔ نہ ہم میں ایسی لیاقت ہے نہ جرات ہے نہ ہمت ہے۔ ہم خداوند کی تعریف سے قاصر ہیں۔

نقیطا۔ بیشک! بیشک!! اے مقدس ترین سینٹو! بیشک!!! خداوند کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ .... خداوندا! تم خدا کے بیٹے ہو۔ تمہارا مذہب خدائی مذہب ہے۔ ہم ناکارہ۔ دور افتادہ۔ گناہ گار تمہارے دربار میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہم پر لطف و مہربانی کر۔ ہاں لطف و مہربانی کرو۔ تم اپنے باپ کے چہیتے ہو۔ ہم تمہارے اُمتی ہیں۔ سب سے زیادہ ہم ہی تمہاری لطف و عنایت کے مستحق ہیں۔

نقیطا خاموش ہو گیا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی ننوں نے نہایت ہی سریلی آواز میں گیت گانا شروع کیا۔ اس گیت کے ہر بند کے تین مصرعے ننیں گاتی تھیں اور چوتھا مصرع سینٹ اپنی موٹی اور بھاری آواز میں گاتے تھے۔

عذرا کو عیسائیوں کی یہ باتیں عجیب تر معلوم ہو رہی تھیں۔ وہ خاموش کھڑی حیرت خیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اگرچہ وہ چاہتی تھی کہ نامحرموں کے سامنے منہ کھول کر کھڑی نہ ہو۔ لیکن نہ تو اس کے پاس کوئی نقاب تھا نہ برقعہ گھونگھٹ نکالنا اس نے مناسب نہ سمجھا۔ اس لئے مجبور رہی وہ بے نقاب کھڑی رہی۔

عذرا کے حسن میں قدرت نے کچھ ایسی سحر خیزی، دلکشی اور دلفریبی پیدا کی تھی کہ غیر ممکن تھا کوئی ایک دفعہ دیکھ کر اس کو دوبارہ دیکھنے کی خواہش نہ کرتا۔ سینٹوں نے اُسے آتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اُس کا عالم افروز حسن دیکھکر حیران و مسحور ہو گئے تھے۔ اگرچہ پادری نقیطا اُن کے سامنے کھڑا تھا۔ اور وہ اس پادری کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ مقدس ننیں حضرت عیسیٰ کی تعریف کا گیت گا رہی تھیں۔

وہ خود بھی اس گیت میں شریک ہو رہے تھے۔ گرجہ کے اندر مقدس ترین جگہ قربان گاہ کے سامنے وہ کھڑے تھے۔ رہبانیت کا لباس انہوں نے پہن رکھا تھا۔ حضرت عیسیٰ۔ حضرت مریم اور روح القدس کی تصویریں اُن کے

سامنے آویزاں تھیں۔ یہ سب ایسی باتیں تھیں جن سے ان کے قلوب متاثر ہو کر خدا کی طرف مائل ہوتے۔ لیکن وہ سب دزدیدہ نظروں سے حور وش عذرا کی پیاری پیاری صورت دیکھ رہے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد گیت ختم ہوا۔ اس عورت نے جو گرجہ کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھی۔ قربان گاہ کے اوپر سے ایک چاندی کا پیالہ اٹھایا۔ اسی پیالہ میں ماء معمودیہ (وہ مقدس پانی جس سے عیسائیوں بپتسمہ دیا جاتا ہے) تھا اس عورت نے وہ پیالہ نقیطا کو دیا۔ نقیطا نے اس پانی میں اپنی انگشت شہادت ڈال کر پہلے اپنی پیشانی پر صلیب کی تصویر کھینچی۔ پھر اس عورت کے سینہ پر صلیب کا نقشہ بنایا۔ اس کے بعد اس نے تمام سینٹوں کی پیشانیوں پر پانی میں انگلی ڈال ڈال کر صلیب کے نشانات بنائے۔ سینٹوں کے بعد وہ ننوں کی طرف پلٹا اور ان کے سینوں اور پیشانیوں پر صلیب کی تصویریں بنانے لگا۔ جب وہ عذرا کے قریب آیا اور اس نے اس کی پیشانی پر بھی نشان بنانا چاہا تو عذرا جھجک کر پیچھے ہٹ گئی۔

نقیطا نے تعجب خیز نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔ ہائیں تم جھجکتی ہو۔ یہ پانی مقدس ترین پانی ہے۔ قربان گاہ کے اوپر رکھا ہوا پانی۔ ماء معمودیہ۔ یہ بڑی برکت کی چیز ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لئے تو عیسائی بڑی بڑی کوششیں کیا کرتے ہیں زر کثیر صرف کرتے ہیں۔ کس کی قسمت جو اسے ایسی نایاب بیش بہا۔ پاک اور برکت والی چیز ملے آؤ آگے آؤ۔ میں تمہاری منور پیشانی پر صلیب کا نشان بنا دوں۔

عذرا کی رگوں میں عربی خون تھا۔ اس کے دل میں اسلامی جوش تھا اسے معلوم تھا۔ کہ عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں۔ روح القدس کو ازلی کہتے ہیں۔ صلیب پرستی کرتے ہیں۔ آج اس نے اپنی آنکھوں سے تثلیت پرستی کے منظر کو دیکھا تھا۔ وہ خدا کے خوف سے کانپ رہی تھی۔ جب پادری نے

اس کی پیشانی پر صلیب کا نقشہ کھینچنا چاہا۔ وہ جھجک کر پیچھے ہٹ گئی۔ نفیطانے اس کے جھجکنے پر تقریر شروع کی تو اس نے برہم ہو کر کہا!

بس مہربانی کیجیے!"

عذرا کو اس وقت جوش آگیا تھا۔ اس جوش کی وجہ سے خون اس کے خوبصورت اور منور چہرہ کی باریک باریک شریانوں میں جلد جلد دورہ کرنے لگا تھا جس سے اس کے چہرہ پر سرخی دمکنے لگی۔ سرخی دمکنے کے باعث اس کا چہرہ ایسا دلفریب اور ایسا دلکش ہو گیا تھا کہ جی چاہتا تھا اسے دیکھے ہی جائے۔

نفیطا نے اس کی برہمی کو دیکھا۔ وہ مرعوب ہو گیا۔ اس نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔

"عذرا! تم ابھی نہیں سمجھتی ہو کہ یہ کیا چیز ہے؟ خیر کچھ ہرج نہیں۔ گرجہ میں رہنے سے سب کچھ سمجھ جاؤ گی۔"

اب اس نے اور لڑکیوں کی پیشانیوں اور سینوں پر نشانات بنانے شروع کئے .... جب وہ سب کے نشانات بنا چکا تو اس نے کہا۔ پاکباز بنوں! خدا رسیدہ زاہدو! تم پاک ہو گئے بالکل پاک مقدس مار محمودیہ نے تمہیں پاک کر دیا۔ فرشتے تمہاری پاکی کے شاہد ہو گئے۔ خدا نے تمہارا نام برگزیدہ بندوں کی فہرست میں لکھ لیا خوش قسمت ہیں وہ ہستیاں جو روزانہ پاک ہو کر خداوند کے حضور میں حاضر ہوں۔ اب چلو اور چل کر کھانا کھاؤ۔

اب یہ سب مرد عورتیں دوزانو کھڑے ہوئے انہوں نے سر جھکا کر دعا مانگی اور اٹھ کر سب آہستہ آہستہ واپس لوٹے۔ وہ گرجہ سے باہر نکل کر شمالی جانب چلے تھوڑی ہی دور چل کر ایک نہایت وسیع اور کشادہ کمرہ میں داخل ہوئے۔ اس کمرہ کے وسط میں میزیں پڑی تھیں۔ جو شرق سے

مغرب تک دو تین قطاروں میں بعض میزوں پر سفید پوش پڑے ہوئے تھے۔ اور میزوں کے دونوں طرف کرسیاں پڑی تھیں۔ ان کرسیوں پر ایک طرف تین اور دوسری طرف سینٹ بیٹھ گئے۔ ان کے بیٹھتے ہی چند خادم کھانا لیکر آ گئے۔ انہوں نے جلد جلد کھانا چن دیا۔ جب کھانا چنا جا چکا تو پادری نقیطا کھڑا ہوا۔ اس نے دعا پڑھی۔ دعا کے بعد کھانے کا اشارہ کیا۔ سب کھانا کھانے لگے۔

کھانا نہایت سادہ تھا۔ چونکہ دوپہر ہو گئی تھی۔ بھوک کا وقت تھا۔ اس لئے سب لوگ رغبت سے کھانے لگے۔ البتہ ایک عذرا تھی جو آہستہ آہستہ اور شرما شرما کر کھا رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں یہ سب کھانے سے فارغ ہو گئے خادموں نے کھانا بڑھایا۔ نقیطا پھر اٹھا اس نے پھر دعا پڑھی۔ اور دعا پڑھ کر اس کمرہ سے باہر چلا گیا۔

نقیطا کے باہر جاتے ہی تمام سینٹ اور ننیں مخلا بالطبع ہو کر ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگیں۔ اس وقت ان میں جس قسم کی باتیں چھیڑ خانیاں اور اشارہ بازیاں ہو رہی تھیں ان کو دیکھ کر کوئی شخص بھی انہیں خدا رسیدہ یا خدا پرست نہ کہہ سکتا تھا

اوباش یا بد اطوار لوگ اس وجہ سے بدنام ہوتے ہیں۔ کہ وہ عام طور پر اوباشی اور بد اطواری کرتے رہتے ہیں لیکن جو منظر اسوقت پیش نظر تھا اس کو دیکھ کر یہ خیال ہوتا تھا۔ کہ کوئی شخص بھی خواہ وہ دنیا دار ہو یا دیندار اوباشی اور بد اطواری سے خالی نہیں۔

ان سینٹوں میں ایک سینٹ کسی قدر خوبرو اور نوجوان تھا۔ اکثر ننیں اس کے چاروں طرف جھرمٹ کئے ہوئے تھیں۔ وہ ننوں سے چھیڑ خانی کر رہا تھا۔ جب وہ کسی نن کے چٹکی لیتا تھا۔ تو وہ سسکی بھر کے اچھل پڑتی تھی۔ اور ننیں اس پر قہقہہ لگاتی تھیں۔ اسی طرح تھوڑی دیر تو وہ چہل اور مذاق

کرتا رہا۔ لیکن جب اس کے گرد مجمع زیادہ بڑھ گیا۔ تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ایلیا کے قریب آیا۔

ایلیا عذرا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس سینٹ نے ایلیا کے قریب آکر عذرا کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا " اللہ! اللہ! ایلیا! تم تو آفتاب حسن کے پاس بیٹھی ہو۔ کہیں تابش حسن کی گرمی تمہاری رگوں میں آتش محبت نہ دوڑا دے۔

ایلیا نے مسکرا کر لگاوٹ آمیز ادا کے ساتھ جواب دیا " آپ بے فکر رہیں مجھ پر ان کی گرمی حسن اثر نہ کرے گی "

اس سینٹ نے ہنس کر کہا۔ ہاں تم پر کیوں اثر کرتی۔ آخر تم بھی اسی کی جنس سے ہو۔ ایلیا! " یہ پری پیکر کون ہے؟ "

ایلیا۔ یہ مسلمان لڑکی ہے۔ اس کا نام عذرا ہے۔ عیسائی ہونے کے لئے آئی ہے۔ مہربانی کر کے اسے گھور گھور کر نہ دیکھو۔

وہی سینٹ۔ ایلیا! یہ کس قدر خوبصورت ہے۔ حضرت مسیح کی قسم میں نے اس سے اچھی تو کیا اس جیسی بھی کوئی لڑکی آج تک نہیں دیکھی۔ اس کے بڑھے ہوئے حسن نے میرے جذبات وحسیات میں تلاطم پیدا کر دیا ہے۔

ایلیا شوخی سے مسکرائی اس نے کہا۔

مرقس! اس حسن کی دیوی کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھو۔ دیکھو تمہاری گرم نظری سے اسے نظر نہ لگ جائے "

اسی سینٹ کا نام مرقس تھا۔ ایلیا نے اسی سینٹ کی عذرا سے تعریف کی تھی اس سینٹ سے اکثر ننوں کو انس تھا۔ مرقس نے کہا " ایلیا خداوند کی قسم! اس دوشیزہ پری جمال کے حسن نے میرے صبر وقرار کو جلا ڈالا ہے۔ تم اس سے میرا تعارف تو کرا دو "

ایلیا نے مسکرا کر کہا " صبر کرو۔ ابھی نہیں۔ یہ نئی نئی آئی ہے۔ بات بات پر

صحرائی ہرنی کی طرح بھڑکتی ہے۔ دو چار روز میں جب اس کی جھجک جاتی رہے گی۔ میں تمہارا تعارف کرادوں گی۔"

مرقس کچھ کہنا چاہتا تھا کہ پھر گھنٹی ہوئی۔ یہ اس بات کی اطلاع تھی کہ ان کے چہل اور مذاق کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ یہ سب اُٹھے اور کمرے سے نکل کر باہر آئے سینٹ توبارگوں کی طرف چلے گئے۔ اور ننیں اپنی جائے قیام کی طرف چلیں۔ عذرا بھی ان کے ساتھ ہوئی۔ جب وہ احاطہ کے قریب پہونچیں تو عذرا نے حازم کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ اس کی صورت دیکھتے ہی اسے سخت غصہ آیا۔ اسی کی وجہ سے وہ گھر سے بے گھر ہوئی تھی۔ مسلمانوں سے نکالی جاکر عیسائیوں کے پنجہ میں ڈالدی گئی تھی۔ اس نے ازدیاد غیظ وغضب سے حازم کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور ننوں کے ساتھ جلد جلد چل کر احاطہ میں داخل ہوئی۔ احاطہ میں داخل ہو کر سیدھی ایلیا کے کمرہ میں پہونچی۔ آج اس نے ایسے واقعات دیکھے تھے جن کا اثر اس کے دل ودماغ پر بہت کچھ ہوا تھا۔ اس لئے وہ کمرہ میں آتے ہی کوچ پر لیٹ گئی۔ اس کے برابر ہی میں ایلیا بھی لیٹ گئی۔ ایلیا نے اس سے گفتگو کرنی چاہی لیکن عذرا اس سے کچھ دل برداشتہ ہوگئی تھی۔ وہ خاموش کروٹ لئے پڑی رہی۔ جب ظہر کا وقت ہوا تو عذرا اُٹھی اس نے وضو کرکے نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر وہ باغچہ میں ہری ہری گھاس کے اوپر پھولوں کے پودوں کے قریب بیٹھ گئی۔ اسے بیٹھے ہوئے دیکھ کر ننیں بھی اسکے چاروں طرف آبیٹھیں اور آپس میں ہنسی مذاق کرنے لگیں۔ چونکہ تمام ننیں عربی نہ جانتی تھیں۔ اور عذرا رومی زبان سے ناواقف تھی۔ اس لئے وہ ان سے گفتگو نہ کرسکتی تھی۔ عذرا خود بھی ان سے باتیں کرنا نہ چاہتی تھی۔ عصر کے وقت اس نے عصر کی نماز پڑھی۔ اور اٹھ کر روشوں پر چہل قدمی کرنے لگی۔ ایلیا سایہ کی طرح اس کے ساتھ تھی۔ اس نے پھول توڑ توڑ کر عذرا کو دیئے عذرا کو پھولوں سے بہت زیادہ رغبت تھی۔ اس نے دوپٹہ کا آنچل پھولوں

سے بھر لیا۔ تھوڑی ہی دیر میں مغرب کا وقت ہو گیا۔ عذرا نے پھول گھاس پر ڈال دیئے اور خود مغرب کی نماز پڑھنے لگی۔ اس عرصہ میں ایلیا نے پھولوں کے گجرے بنا ڈالے۔ جب عذرا نماز سے فارغ ہوئی تو ایلیا نے گجرے اس کی نازک اور پر نور صراحی دار گردن میں ڈال دیئے۔ عذرا نے مسکرا کر ایلیا کا شکریہ ادا کیا۔ ایلیا نے مسکرا کر کہا۔ عذرا تم میرا شکریہ ادا نہ کرو۔ میں تم پر فریفتہ ہو چکی ہوں۔ تمہاری خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتی ہوں۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ تم اداس اور آزردہ خاطر نہ رہا کرو چپ چپ اور گھٹ گھٹ کر رہنے سے تو تم بہت جلد بیمار پڑ جاؤ گی"۔

عذرا نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اس نے جواب دیا۔ "ایلیا! تم نہیں جانتی ہو میں کن تفکرات اور مصیبتوں میں گرفتار ہوں"۔

ایلیا۔ مجھے بتاؤ تو جانوں۔

عذرا۔ ابھی نہیں۔ جب موقعہ ہوگا۔ تمہیں اپنی سرگذشت سناؤں گی۔ مجھے سردی معلوم ہونے لگی ہے۔ آؤ اب کمرہ میں چل کر بیٹھیں گے۔

اب یہ دونوں کمرہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ اور نئیں پہلے ہی اپنے اپنے کمروں میں چلی گئی تھیں۔ یہ دونوں کمرہ میں پہونچیں۔ رات ہو گئی تھی۔ کمرہ میں بتی روشن تھی۔ ایلیا نے اونی چادر عذرا کو دی۔ عذرا نے وہ چادر اوڑھ لی اور بیٹھ گئی۔ بتی کی مدہم روشنی حور وشں عذرا کے عارض پر نور دیکھ کر جھلانے لگی تھی۔ ابھی یہ دونوں اطمینان سے بیٹھنے بھی نہ پائی تھیں۔ کہ کھانے کی گھنٹی ہوئی تمام نئیں گھنٹی کی آواز سنتے ہی اپنے اپنے کمروں سے نکل نکل کر باغچہ میں آ کھڑی ہوئیں۔ ایلیا نے عذرا سے بھی چلنے کے لئے کہا۔ عذرا جانتی تھی کہ اس نے جو مناظر صبح دیکھے تھے وہی اب بھی دیکھنے پڑیں گے۔ اور وہ دیکھنا نہ چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ اگرچہ ایلیا نے بہت کچھ کہا مگر وہ کسی طرح وہاں جانے پر رضامند نہ ہوئی۔ آخر ایلیا چلی گئی۔

عذرا اب اپنی حالت پر غور کرنے لگی۔ اسے اپنے والدین کا خیال آ گیا۔

اس کا دل بھر آیا۔ اس نے ایک آہ کی اور صبر و شکر کر کے خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر میں پادری نقیطا اسے بلانے کے لئے آیا۔ اس نے درد سر کا بہانہ کر دیا۔ پادری چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایلیا اس کے لئے کھانا لے کر آئی۔ عذرا نے ایلیا کے اصرار پر تھوڑا بہت کھایا۔ کھانا کھا کر اس نے عشا کی نماز پڑھی۔ جب وہ نماز پڑھ رہی تھی۔ تو ننیں کھانا کھا کر واپس آئیں اور اپنے کمروں میں چلی گئیں ایلیا کوچ پر لیٹ گئی۔ عذرا بھی نماز سے فارغ ہو کر جا لیٹی۔ یہ دونوں تھوڑی دیر تو خاموش پڑی رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں کو نیند آ گئی۔ خدا جانے وہ کب تک سوتی رہیں۔ دفعتہ عذرا کی آنکھ کھلی اس نے گرجہ کے بڑے گھنٹہ کو زور زور سے بجتے ہوئے سنا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ اس نے ٹٹول کر دیکھا۔ تو ایلیا اس کے پاس نہ تھی۔ جب غنودگی دور ہوئی اس نے دروازے کی طرف نظر کی تو اسے ایلیا بتی ہاتھ میں لئے دروازے میں کھڑی باہر کی طرف جھانکتی نظر آئی۔ وہ بھی اس کے قریب پہونچی۔ اس نے دریافت کیا " ایلیا! یہ اس وقت گھنٹہ کیسا بج رہا ہے؟"

اس وقت ایلیا خوف و ہراس سے کانپ رہی تھی۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ اس نے جواب دیا " عذرا! اس وقت کوئی خطرناک بات رونما ہوئی ہے یہ گھنٹہ خطرہ کے وقت بجایا جاتا ہے۔ خدا جانے اس وقت کیا خطرہ پیش آ گیا؟"

عذرا نے دروازے باہر جھانکا۔ اسے تمام ننیں اپنے اپنے کمروں کے دروازوں پر روشن بتیاں ہاتھوں میں لئے کھڑی نظر آئیں۔ بتیوں کی لرزتی تھرتھراتی ہوئی روشنی ان کے چہروں پر پڑ رہی تھی۔ ان سب کے چہرے خوف و ہراس سے زرد ہو رہے تھے۔ چاند نکلا ہوا تھا۔ چاندنی ہر طرف ٹھنڈی دھوپ کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن یہ عجیب بات تھی۔ کہ اس وقت چاندنی بھی اداس معلوم ہوتی تھی۔ عذرا خوفزدہ ننوں کی طرف حیرت سے د

استعجاب سے دیکھنے لگی۔

تیرھواں باب

خوفزدہ قافلہ

چین دیتی ہی نہیں گردش ایام کہیں
دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

گھنٹہ زور زور سے بج رہا تھا۔ خوفزدہ ننیں اپنے اپنے کمروں کے دروازوں پر کھڑی جھانک رہی تھیں۔ اس وقت نصف سے زیادہ رات گذر چکی تھی۔ چاندنی خوب نکھری ہوئی تھی۔ باغیچہ میں پھولوں پر پڑ کر چاندنی نے انہیں عجیب دلفریب خلعت پہنا دیا تھا۔ البتہ بڑے بڑے سایہ دار درختوں کے نیچے اندھیرا تھا۔ مگر اندھیرا گھپ نہیں۔ کیونکہ کہیں کہیں چاندنی درختوں کے پتوں سے چھن چھن کر اندھیرے کو دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اب گھنٹہ بجنا بند ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر میں احاطہ کا دروازہ کھلا۔ اور سینٹ آتے ہوئے نظر آئے۔ ننیں جو خوف وہراس سے کانپ رہی تھیں۔ ان سینٹوں کو دیکھ کر کسی قدر مطمئن ہوئیں۔ سینٹ باغیچہ میں آکر گھاس پر بیٹھ گئے ننیں بھی بتیوں کو دروازوں کے اوپر طاقوں میں رکھ رکھ کر ان کے پاس آکر بیٹھ گئیں۔ اگرچہ عذرا کا دل اس مجمع میں آنے کو نہ چاہتا تھا۔ لیکن اسے اس خطرہ کے معلوم کرنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے گرجہ کا بڑا گھنٹہ بجایا گیا تھا۔ اسے خیال ہوا کہ شاید مسلمانوں نے اس گاؤں پر یورش کر دی ہے۔ کیا عجب ہے کہ وہ صبح ہونے سے پہلے عیسائیوں کے

پنجے سے رہا ہو جائے۔ اس خیال سے اسے ایک گونہ تسلی اور خوشی حاصل ہوئی
وہ خراماں خراماں چل کر ایک گوشہ میں ایک چھوٹے سے درخت کے سایہ میں
سب سے الگ اس لئے بیٹھ گئی کہ اُسے کوئی نہ دیکھے اور وہ خطرہ کی وجہ
معلوم کر کے فوراً واپس چلی جائے۔ اس نے بیٹھ کر ننوں اور سینٹوں کو دیکھا
ایلیا بھی دبے پاؤں آکر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ عذرا نے مرقش کو گلاب کی
ننوں کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اس وقت بھی مرقش کے چاروں طرف
جمگھٹ ہو رہا تھا۔ اگرچہ یہ سب اس جگہ خطرہ کی وجہ معلوم کرنے کے لئے آئے تھے
ان کے دلوں پر خوف و ہراس طاری تھا۔ مگر عذرا نے دیکھا کہ دوپہر کی طرح اس
وقت بھی نامعقول حرکتوں کا آغاز ہو گیا۔ ناشائستہ چہل۔ بیہودہ اشارہ بازیاں
اور تہذیب سوز مذاق شروع ہو گئے۔ ایک نن جو ایلیا سے کسی قدر کم خوبرو تھی
مرقش کے اوپر جھکی جا رہی تھی۔ مرقش خاموش بیٹھا اُسے دیکھ رہا تھا۔ آخر وہ
اس قدر اس کے اوپر جھکی کہ اس کے عارض مرقش کے منہ کے سامنے آ گئے
مرقش آخر انسان تھا۔ نوجوان مرد تھا۔ انسانی تمام جذبات اس میں موجود تھے
اس نے اس نن کا منہ چوم لیا۔ اکثر ننوں نے مرقش کی اس حرکت کو دیکھا
انہوں نے زور سے قہقہہ لگایا۔ وہ نن جس کا مرقش نے منہ چوما تھا۔ شرما کر
پیچھے ہٹ گئی۔

عذرا کو ایسی نازیبا حرکتوں سے طبعاً نفرت تھی۔ اسے ان دونوں کی
یہ اخلاق سوز حرکت سخت بری معلوم ہوئی۔ اس نے ایلیا کی طرف یہ دیکھنے کے
لئے دیکھا۔ کہ اس پر اس نازیبا اور بیہودہ حرکت کا کیا اثر ہوا؟

اس وقت ایلیا کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس کے چہرہ سے رشک کے
دشتا ظاہر تھے۔ عذرا اگرچہ ناتجربہ کار اور بھولی بھالی لڑکی تھی۔ مگر وہ ایلیا
کی اس وقت کی کیفیت دیکھ کر سمجھ گئی۔ کہ اسے بھی مرقش اور اس نن کی یہ بیہودہ
حرکت سخت ناگوار گذری ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس ناگواری کے

اسباب اس نازیبا حرکت کی مذمت نہیں ہے۔ بلکہ اس کی تہ میں کچھ اور ہی بات ہے۔ وہ بات کیا ہے؟ اس کو وہ نہ سمجھ سکی۔ اس نے ایلیا سے مخاطب ہو کر کہا۔

ایلیا! کیا عابدہ عورتوں اور زاہد مردوں کو ایسا ہی ہونا چاہئے جیسا یہ مجمع ہے؟

اس وقت ایلیا کا دل جلا ہوا تھا۔ اس نے جواب دیا" عذرا یہ تن مرقش پر مرتی ہے۔ اس تن کا نام ماریہ ہے۔ یہ بڑی بے حیا اور اوباش ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کس قدر مرقش کے اوپر جھکی ہوئی تھی۔ اگر مرقش نے اس بدکار کا منہ چوم لیا تو اس میں اس کا قصور نہیں ہے۔ بلکہ قصور بے حیا ماریہ کا ہے۔ جس نے اپنے گالوں کو اس کے منہ کے سامنے اسی لئے پیش کیا تھا۔

عذرا۔ ایلیا! میں سمجھتی تھی کہ گرجہ میں پاکباز لوگ رہتے ہوں گے مگر دیکھا تو اس کے برعکس نظر آیا۔ خدا کی پناہ۔ اس قدر بے شرمی۔ حیا سوزی اور سیہ کاری۔

ایلیا ابھی تک ماریہ کو غضب آلود نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے جواب دیا

"عذرا! ایسی بے حیائیں جیسی ماریہ ہے۔ گرجوں کو بدنام کر دیتی ہیں"

یہ تمام گفتگو عربی زبان میں ہو رہی تھی۔ جب سے مسلمانوں نے ملک شام پر لشکر کشی کی تھی۔ اور انھوں نے ملک کا معتدبہ حصہ فتح کر لیا تھا اس وقت سے تمام ملک میں عربی زبان کا عام رواج ہو گیا تھا۔ ان شہروں قصبوں اور گاؤں والوں نے ہی عربی سیکھنی شروع کر دی تھی۔ جو مسلمانوں کی دسترس سے باہر تھے۔ خصوصاً گرجوں میں عام طور پر عربی زبان داخل

ہو گئی تھی۔ اس سے عیسائیوں کا مقصود تو یہ تھا کہ قرآن شریف کو پڑھ کر اس کی تردید کریں لیکن اس کو کیا کیجئے کہ جو شخص بھی عربی زبان پر کافی عبور کر گیا اور اس نے تعصب کی عینک کو اتار کر ٹھنڈے دل اور غور و خوض سے قرآن شریف کو پڑھا سچائی اس کے دل میں گھر کر گئی۔ اور وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔

ہمارے ناول کو ان واقعات سے زیادہ تعلق نہیں ہے۔ ورنہ ہم ہزاروں ایسے واقعات پیش کر دیتے۔ کہ جس سے یہ معلوم ہوتا کہ قرآن شریف کی تعلیم نے کس قدر لوگوں کو اپنا گرویدہ کر کے انہیں حلقہ بگوش بنا دیا تھا۔ اسی ضمن میں ہم یہ بھی دکھا دیتے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ اپنی خوبیوں کی بدولت عالمگیر ہوتا چلا گیا۔

عذرا اور ایلیا عربی میں گفتگو کر رہی تھیں۔ اس گرجہ کی تمام ننیں اور راہب تھوڑی بہت عربی جانتے تھے۔ ایک نن نے جو ان دونوں کے قریب ہی گلاب کے کنج میں بیٹھی تھی۔ جسے ان دونوں نے نہیں دیکھا تھا کہا۔ "اور ایلیا تم ہی کون سی پاکباز ہو جو اوروں کو نام رکھ رہی ہو۔ تمہاری بے حیائیوں کو گرجہ میں کون نہیں جانتا؟"

ایلیا کو اس کی گفتگو سنکر طیش آ گیا۔ اس نے چوٹ کھائی ہوئی ناگن کیطرح پھنکاریں مارتے ہوئے کہا۔ خیر وہ میں تو جیسی ہوں ہوں۔ لیکن تم اپنی تو کہو کہ کے گرجہ سے بدنام ہو کر نکلیں۔ جو سیلہ کے پادری نے تمہاری بے حیائی دیکھ کر نکالا۔ اب یہاں آئی ہو۔ تو یہاں بھی وہی بے دینی شروع کر دی ہے۔ ابھی ذرا جارس راہب کی منظور نظر ہو۔ اس لئے کوئی کچھ نہیں کہتا۔ جہاں ان کی نظروں سے گریں اور گرجہ سے نکالی گئیں "

اس نن کو بھی غصہ آ گیا۔ اس نے کڑک کر کہا۔ ایلیا! یہ تو کہہ رہی ہے جس کی بے حیائیوں کی انتہا ہو چکی ہے۔ اگر میں تیری بے شرمیوں کو گنانے بیٹھوں تو صبح ہو جائے "

ایلیا جوش غضب سے کانپنے لگی۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ کسی مرد نے کہا "ایلیا! تم مجھ غریب پر کیوں برس پڑیں؟"

ایلیا نے غضب ناک لہجہ میں کہا جاوس! ذرا اسے اپنی چہیتی کو سمجھا دو کہ میرے منہ نہ لگا کرے۔ اگر میں اپنی پر آگئی تو فوراً مقدس باپ سے کہہ کر گرجہ سے نکلوا دونگی۔"

اس نن نے چیخ کر کہا "ہاں نکلوا کیوں نہیں دوگی۔ مقدس باپ تو تمہاری مٹھی میں ہیں ہی۔"

اس کے چیخنے کی آواز سنکر کئی ننیں اور سینٹ ان کے پاس آ گئے۔ مرقش بھی آگیا۔ اس نے دریافت کیا۔ ایلیا! کیا بات ہے؟ یہ چیخ پکار کیسی ہو رہی ہے؟

ایلیا کا دل جلا ہوا تھا۔ اُسے غصہ آرہا تھا۔ اس نے کہا "ننوں کے بوسے تو تم لو۔ اور بے حیا عورتیں لڑیں مجھ سے۔"

یہ سنتے ہی تمام ننوں اور راہبوں نے قہقہے لگائے۔ مرقش نے ہنسکر کہا۔ میں کسی کے بوسے لیتا ہوں۔ وہ تو ماریہ نے خود اپنا منہ میرے سامنے کر دیا تھا۔"

ایک دفعہ پھر سب نے قہقہہ لگایا۔ ایلیا نے کہا "یہی میں بھی کہہ رہی تھی۔ مگر یہ جو سیلہ سے میری بیچاری آئی ہیں۔ ان کے آگ ہی تو لگ گئی۔ لگیں۔ دشیم فول بکنے۔"

اس نے پھر کہا۔ آگ تو تمہارے لگی ہوئی ہے۔ مرقش نے ماریہ کا منہ چوما۔ تم رشک سے جل گئیں۔ بھلا میرا کیا قصور۔ برس مجھ غریب پر پڑیں۔

ایلیا۔ میں تیرے منہ نہیں لگتی ہوں۔

مرقش نے ہنسکر کہا۔ ایلیا! تم ہی چپ جاؤ۔ اہا تمہارے پاس تو خیت الارض کی حور بیٹھی ہے۔ یہ عذرا کی تعریف تھی۔ عذرا کو سخت ناگوار گذرا

مرقش کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ پادری نقیطا آگیا۔ اس کے ہمراہ عازم اور ایک اور ضعیف العمر پادری تھا۔

نقیطا کو دیکھتے ہی یہ سب لوگ خاموش ہو کر نہایت ادب سے بیٹھ گئے۔ نقیطا مع اپنے ہمراہیوں کے ان کے قریب آیا۔ سب نے اُٹھ اُٹھ کر اس کے ہاتھوں اور جبے کے دامنوں کو بوسے دیئے۔ اس نے انہیں خیر و برکت کی دعا دی۔ تھوڑی دیر میں نقیطا گھاس پر بیٹھ گیا۔ عازم اور ضعیف العمر پادری دونوں اس کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ تمام راہب اور ننیں اس کے سامنے کئی قطاروں میں بیٹھ گئیں۔ نقیطا نے کہا۔

"مقدس راہبو! پاکباز ننو!! تم گرجہ کے بڑے گھنٹہ کی آواز سنکر متحیر اور متفکر ہوئے ہو گے۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہ گھنٹہ سخت خطرہ کے وقت بجایا جاتا ہے۔ اس وقت ایک عظیم خطرہ درپیش ہے پادری پاسیل ابھی شہر حلب سے آئے ہیں۔ ان کا بیان ہے۔ کہ عذرا جو کل ہمارے گرجہ میں آئی ہے کسی مسلمان رئیس کی لڑکی ہے۔ اس لڑکی کے چلے آنے کی وجہ سے مسلمان از دیاد غم و غصہ سے مجنوں ہو گئے ہیں۔ انہوں نے عہد کیا ہے کہ جب تک عذرا انہیں نہ ملے وہ تمام ان عیسائیوں کو جو انہیں ملیں مار ڈالیں گے۔ عورتوں اور بچوں کو غلام اور کنیزیں بنائیں گے۔ ان مجنوں مسلمانوں کا لشکر حلب سے روانہ ہو چکا ہے۔ وہ یا تو مرعش جائیں گے۔ یا انطاکیہ پر یورش کریں گے۔ بد قسمتی سے دونو راستوں کے اتصال پر گاؤں واقع ہے۔ اس گاؤں میں اسلامی لشکر کا آنا لازمی اور لابدی ہے اور یہ بھی سمجھ لو کہ صبح ہونے سے قبل اسلامی لشکر اس گاؤں میں آجائے گا۔

عذرا جو ہمارے گرجہ میں موجود ہے۔ وہ عیسائی مذہب میں پناہ لینے آئی ہے۔ مشکل یہ ہے۔ کہ ہم نہ اسے مسلمانوں کے سپرد کر سکتے ہیں اور نہ اس گرجہ میں رکھ سکتے ہیں۔ تم سب کوئی ایسی مناسب تجویز بتاؤ۔ جس سے ہمیں اس

بلائے چھٹکارا ملے جو ہمارے گرجہ پر نازل ہونیوالی ہے۔"

سب نہایت خاموشی سے بیٹھے اس گفتگو کو سنتے رہے۔ جب نقیطا خاموش ہوا، تو بینٹ جارس نے کہا۔" میری رائے میں تو عذرا کو مسلمانوں کے سپرد کر دیا جائے۔ اس سے وہ خوش ہو جائیں گے اور ہم پر یا ہمارے گرجہ پر دست درازی نہ کریں گے۔"

مرقش کو جارس کا مشورہ نہایت ناگوار گذرا۔ اس نے برہم ہو کر کہا۔" یہ نہایت بزدلی ہے۔ صرف بزدلی ہی نہیں بلکہ کمینہ پن بھی۔ جو عیسائی ہونے کے لئے آئے۔ ہم اسے دھکے دے کر کیسے نکال سکتے ہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو خداوند کو کیا منھ دکھائیں گے۔ میرے خیال میں بہتر یہ ہے۔ کہ یا تو ہم کہیں عذرا کو چھپا دیں یا کسی غیر معروف جگہ پہونچا دیں۔

ایک اور راہب نے کہا۔" اس وقت انتہائی دانشمندی کی ضرورت ہے اگر ہم نے عذرا کو چھپا دیا یا کہیں پہونچا دیا اور کسی جاسوس نے مخبری کر دی تو ہم سب قتل کر ڈالے جائیں گے۔ ہماری پاکباز بہنیں مسلمانوں کی کنیزیں بنا دی جائیں گی۔

گاؤں تاراج کر دیا جائے گا۔ گرجہ بیخ و بنیاد سے کھود ڈالا جائے گا۔ ہماری توہین و تذلیل میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے گی۔ اور اگر ہم عذرا کو مسلمانوں کے سپرد کر دیں تب بھی اندیشہ ہے۔ کہ وہ یہ سمجھ کر کہ ہم ہی اسے ورغلا کر لائے تھے۔ ہم سے انتقام لیں گے۔ کوئی نہیں جانتا کہ یہ انتقام کس طرح لیا جائے گا۔ اس لئے میرے خیال میں مناسب یہ ہے۔ کہ ہم عذرا کو لے کر سب انطاکیہ روانہ ہو جائیں۔ اگر ہم مع الخیر انطاکیہ پہونچ گئے۔ تو پھر مسلمان ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔"

حازم نے کہا مقدس باپ! عذرا کی طرف سے آپ بے فکر رہیں۔ جب تک میں زندہ ہوں مسلمان اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔ لیکن آپ کا۔ ننوں کا۔ راہبوں کا اور گرجہ کا خیال کرنا ضروری ہے۔ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس گرجہ کو فوراً

خالی کر دیا جائے۔ اور صبح ہونے سے پہلے سب انطاکیہ کو روانہ ہو جائیں"

نفیطا غور و فکر کر رہا تھا۔ اس نے کہا "میرے خیال میں بھی یہی مناسب ہے کہ ہم جلد سے جلد عمہ کو چھوڑ کر انطاکیہ روانہ ہو جائیں۔ اس وقت آدھی رات سے زیادہ گذر چکی ہے۔ صبح ہونے میں بہت تھوڑی دیر باقی ہے۔ اس لئے تم سب جلد سے جلد تیار ہو جاؤ۔ اپنے ساتھ زیادہ اسباب لینے کی ضرورت نہیں۔ بہت مختصر اور ضروری چیزیں لے لو۔ میں گاؤں میں جا کر سواریوں کا انتظام کرتا ہوں۔ میرے آنے سے پہلے سب اپنا سامان باندھ لو۔ ایک منٹ بھی فضول ضائع نہ کرو"۔

اب نقیبا اور نفیطا کے ساتھ حازم اور باسیل اُٹھے اور یہ تینوں احاطہ سے باہر چلے گئے۔ نور آئینیں اور سینٹ بھی۔ اُٹھے وہ بھی اپنی اپنی قیام گاہوں کی طرف روانہ ہوئے ان لوگوں نے جلد جلد اپنا اپنا سامان باندھ لیا۔ جب وہ سب فارغ ہو گئے تو پھر باغیچہ میں آکر جمع ہوئے۔ اور نفیطا کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ اس وقت یہ سب متفکر، پریشان اور مضطرب تھے۔ وہ سب مسلمانوں کے خوف سے کانپ رہے تھے۔

اب رات تین چوتھائی سے زیادہ گذر چکی تھی۔ چاندنی ہر طرف پھیلی پڑی تھی۔ خاموشی اس درجہ طاری تھی کہ درخت سے پتہ گرنے کی آواز صاف طور پر اور دور تک سنائی دیتی تھی۔ اس وقت خدا کی مخلوق آرام کر رہی تھی۔ ہر ذی روح خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ لیکن اس گرجہ کے رہنے والے مسلمانوں کی آمد کے خوف سے سخت متردد اور بےچین تھے۔ وہ اس قدر ڈرے اور سہمے ہوئے تھے۔ کہ ذرا سا کھٹکا ہونے پر گھبرا گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھنے لگتے تھے۔ ان سب کو پادری کے آنے کا انتظار تھا۔ انتظار کی گھڑیاں سخت ہوتی ہیں۔ یہ لوگ انتظار کرتے کرتے اُکتا گئے تھے۔ ایک طرف تو انہیں انتظار نے پریشان کر رکھا تھا۔ دوسری طرف مسلمانوں کے آنے کا دھڑکا لگا

ہوا تھا۔ جب سپیدۂ سحر نمودار ہو گیا اور چاند کی روشنی پھیکی پڑنے لگی۔ تارے جھلملا کر غائب ہونے لگے۔ تو ان سب کے چہروں پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں۔ ان کے دل ان کے سینوں میں زور زور سے دھڑکنے لگے۔ دفعتہ انہوں نے گرجہ کے احاطہ سے باہر گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی۔ گھوڑے آہستہ آہستہ آ رہے تھے ننیں اس آواز کو سنکر سہم گئیں۔ راہبوں کے چہرے فق پڑ گئے وہ خوفزدہ نگاہوں سے دروازہ کی طرف دیکھنے لگے دیکھتے ہی دیکھتے نقیطا باسیل اور حازم ان کی طرف آتے ہوئے نظر آئے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر ننوں اور راہبوں کی جان میں جان آئی۔ نقیطا نے قریب آکر دریافت کیا۔ "تم سب تیار ہو گئے؟"

قریباً سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا۔ "ہم تو عرصہ سے تیار بیٹھے ہیں۔"

نقیطا۔ کیا کہوں دیر ہو گئی۔ تمام گاؤں میں چکر لگانا پڑا۔ بڑی مشکل سے ۰ھ گھوڑے اور ۲۳ خچر ملے ہیں۔ سچ پوچھو تو چھوٹے سے گاؤں میں اس قدر جانوروں کا ملجانا ہماری خوش قسمتی ہے۔ اب تم جلد جلد خچروں پر اسباب لاد دو اور گھوڑوں پر ننوں کو سوار کرا دو۔ کسی دوسرے گاؤں سے اور جانور لے لئے جائیں گے۔ ذرا جلدی کرو صبح ہو گئی ہے۔ کہیں کمبخت مسلمان نہ آ کودیں۔ اور ساری کی کرائی محنت اکارت جائے۔"

فوراً راہبوں نے اپنا اور ننوں کا سامان کمر۔ کاندھوں اور سروں پر اٹھا اٹھا کر گرجہ سے باہر لیجانا شروع کیا۔ کچھ لوگ اس سامان کو خچروں پر بار کرنے لگے۔ انہوں نے بہت جلد تمام سامان خچروں پر لاد دیا۔ تمام ننیں اور راہب گرجہ سے باہر نکل آئے۔ نقیطا نے گرجہ کے دروازہ میں تالا ڈالا۔ ایک ایک گھوڑے پر دو دو ننیں سوار ہوئیں بچے کچھے گھوڑوں پر راہب بیٹھ گئے جو لوگ رہ گئے تھے وہ خچروں پر اسباب کے اوپر جا بیٹھے۔ اور یہ سب کسی قدر تیزی سے انطاکیہ کی طرف روانہ ہوئے۔"

چودھواں باب

ایک جاں بلب کا پیغام

زبانِ حال یوں کہیو تو جا کر نامہ بر پہلے
مریضِ جاں بلب ہوں سب سے ہی میرا سفر پہلے

ضرار بری طرح زخمی ہوئے تھے۔ ایک بے دست و پا قیدی کو تلواروں سے نیمہ کرنا رومیوں ہی کی شرافت و انسانیت کا کام تھا۔ اگر یوقنا کے دل میں خدا رحم پیدا نہ کرتا اور وہ سفارش کر کے نہ بچاتا تو رومی اس قدر غضبناک ہو رہے تھے کہ وہ ضرور ضرار کی زبان کاٹ ڈالتے۔

یوقنا نیم مردہ ضرار اور ان کے ہمراہیوں کو لے کر ایک عالیشان قصر میں داخل ہوا۔ اس نے اس قصر کے قریب ایک کشادہ مکان میں مسلم قیدیوں کو بند کر دیا۔ اور اس مکان کے چاروں طرف معقول سپاہیوں کا پہرہ لگا دیا۔ دروازہ پر ایک پوری پلٹن متعین کر دی۔ اس انتظام سے فارغ ہو کر وہ ضرار کو اپنے ہمراہ قصر کے اندر لے لیا۔ اور ایک صاف کمرہ میں لے جا کر ایک کوچ پر آہستہ سے لٹا دیا۔ ضرار کے زخموں سے ابھی تک خون اس کثرت سے جاری تھا۔ کہ انہیں اٹھا کر لانے والوں کے کپڑے اور ہاتھ خون میں تر ہو گئے تھے۔ اکثر زخموں پر خون جم گیا تھا۔ جب انہیں لانے والے چلے گئے۔ تو یوقنا نے ضرار کو دیکھا۔ ضرار ابھی تک بے ہوش تھے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔ چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ ہونٹوں کا رنگ پیازی پڑ گیا تھا۔ یوقنا ان کی یہ کیفیت دیکھ کر بہت زیادہ متاثر ہوا۔ اس کا دل بھر آیا۔ آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے۔ اس نے آہ کر کے کہا۔ آہ! بے کس غریب عرب!! وطن اور گھر والوں سے دور، غیر قوم اور غیر ملک میں مر رہا ہے

چونکہ میں خود بہادر ہوں۔ اس لئے بہادروں کی قدر کرتا ہوں۔ اے مظلوم عرب میں نے تجھے اکثر لڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ تو واقعی بہادر تھا۔ غلط بلکہ بہادری کو تجھ پر ناز تھا۔ جبکہ جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی تھی۔ تیر و تلوار اور نیزے زندگی اور موت کا فیصلہ کرنے لگتے تھے۔ موت اپنی کھیتی سرعت سے کاٹنے لگتی تھی۔ جنگ کو شعلہ زن دیکھ کر بہادروں کے چھکے چھوٹ جاتے تھے۔ اس وقت تو برہنہ جسم صرف ایک نیزہ ہاتھ میں لے کر بے دھڑک لڑائی کی آگ میں کود پڑتا تھا تجھے لڑتے ہوئے دیکھ کر بہادروں کا زہرہ آب ہو جاتا تھا۔ دلیر کانپ جاتے تھے۔ اے عرب کے شیر! مجھے تیری حالت زار پر سخت تاسف ہے۔ میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ ظالم بے دردوں نے تجھے سر دربار ذبح کیا۔ میرے دل میں تیری محبت ہے...... محبت! .... ہاں یقیناً محبت ہے تو مسلمان ہے۔ لیکن میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔

اب یوقنا کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا۔ وہ اس ستم زدہ اور بے کس کی بالیں پر کھڑا رو رہا تھا۔ جس کے پاس اس کی قوم کا کوئی فرد نہ تھا ضرار کا لاشہ کونچ پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ حسرت و بے کسی اس پر سایہ کئے ہوئے تھیں۔

یوقنا برابر آنسو بہا رہا تھا۔ دفعتہً اس نے کسی کے قدموں کی چاپ سنی وہ خوفزدہ ہو گیا۔ اس نے دروازہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ اور جلدی سے آنسوؤں کو خشک کرنا چاہا۔ لیکن آنسوؤں کا سیلاب کچھ ایسا امڈا چلا آ رہا تھا۔ کہ کسی طرح خشک ہونے میں ہی نہ آتا تھا۔ قدموں کی آواز دمبدم قریب آتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ ایک موٹا تازہ آدمی کمرہ میں داخل ہوا۔

یوقنا نے اس آدمی کو دیکھا۔ اس نے ضبط کر کے آنسوؤں کو پی جانا چاہا لیکن اس کی کوشش بیکار گئی۔ آنسو نہ رکنے تھے نہ رکے۔

آدمی نے کمرہ میں داخل ہوتے ہی نہایت ادب سے جھک کر یوقنا کو سلام کیا

اور حیرت و استعجاب کی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

یوتنا گھبرا گیا۔ اس کے چہرہ کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے سلام کا جواب دیکر گھبرائی ہوئی آواز سے کہا:" ارساوس! آؤ۔ کہو اس وقت کیسے آنا ہوا؟"

ارساوس یوتنا کے قریب آگیا۔ اس نے جواب دیا۔ حضور والا! مجھے عظیم روم نے یہ دیکھنے کے لئے بھیجا ہے۔ کہ آپ قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں؟"

یوتنا کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ آنکھوں سے خوف و ہراس کی علامتیں ظاہر ہو گئیں۔ اس نے کسی قدر توقف کے بعد اپنی بگڑی ہوئی حالت درست کر کے کہا:" میں نے تمام قیدیوں کو ایک ہی مکان میں بند کر کے اس کے چاروں طرف پہرہ لگا دیا ہے۔"

ارساوس نے قطع کلام کر کے کہا۔ لیکن یہ زخمی قیدی آپ کے خاص کمرہ میں"

یوتنا۔ میں اس کا جواب دہ ضرور ہوں مگر.......

ارساوس نے قطع کلام کر کے کہا:" آپ کو معلوم ہے۔ کہ وہ قیدی ہے جس نے اپنی آتشگیر زبان سے تمام درباریوں کے خرمن صبر کو جلا ڈالا تھا۔"

یوتنا۔ ہاں مجھے معلوم ہے۔

ارساوس۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ایسے بدبخت قیدی کی تیمارداری یا اس سے ہمدردی کا حشر کیا ہو گا؟

یوتنا۔ جانتا ہوں۔

ارساوس۔ شاید آپ نہ جانتے ہوں میں عرض کئے دیتا.......

یوتنا نے قطع کلام کر کے کہا:" میں بخوبی جانتا ہوں۔ اس کا حشر موت ہے۔"

ارساوس۔ بیشک۔ لیکن اس بات کو جانتے ہوئے بھی آپ نے اس کے ساتھ ہمدردی کا ارادہ کیا ہے۔

یوقنا۔ جی ہاں اور وہ ایک مجبوری ہے۔

ارساوس۔ کیا میں اس مجبوری کو دریافت کر سکتا ہوں؟

یوقنا۔ ضرور ارساوس! میں ایک زمانہ میں مسلمانوں کی گرفت میں آگیا تھا۔ ان کا وہ احسان میری گردن پر ہے۔ میں اس کا علاج کر کے اس احسان سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔

ارساوس۔ ایک عیسائی کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ احسان سے سبکدوشی حاصل کرے۔ لیکن اس حالت میں جب اپنی جان خطرہ میں نہ ہو۔

یوقنا۔ میرا یہ خیال تھا۔ کہ میں خاموشی اور اخفا کے ساتھ اس کا علاج کرا دونگا۔ لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ آج۔ اور آج کیا ابھی یہ راز طشت از بام ہو کر مجھے اپنی ہی جان کے لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ لیکن بزرگ ڈاکٹر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ارساوس شاہی ڈاکٹر تھا۔ وہ نہایت ہوشیار اور تجربہ کار تھا۔ ہرقل اعظم کو اس پر بڑا اعتماد تھا۔ وہ اس وقت تک کچھ نہ کھاتا تھا جب تک ارساوس طبی معائنہ کر کے اس کو کھانے کی اجازت نہ دیتا۔ وہی شاہی خاندان کا معالج اور صلاح کار بھی تھا۔

ہرقل اعظم کے قریب اس کا بڑا تقرب تھا۔ اس کی کبھی کوئی سفارش رد نہ ہوتی تھی۔ شاہی بارگاہ میں اس کا تقرب ہونے کی وجہ سے اس کا بہت کچھ وقار تھا۔ تمام درباری مصاحب۔ وزرار۔ اراکین سلطنت اور والیان ملک اس کا ادب و احترام کرتے تھے۔ وہ منکسر المزاج۔ رحمدل اور نیک طینت انسان تھا۔ اس نے قطع کلام کر کے کہا۔

عادل بادشاہ! میں نے آپ کے بشرہ سے آپ کے دل کا حال معلوم کر لیا۔ آپ یہ چاہتے ہیں۔ کہ میں اس راز کو پوشیدہ رکھوں۔ مجھے منظور ہے۔ مرتے دم تک بھی کوئی اس راز کو میری زبان سے ادا نہیں کرا سکتا۔

یوقنا۔ میں آپ کا مشکور ہوں لیکن شاید میں اس سے بھی زیادہ عنایت کا خواستگار

ہوں۔

ارساوس۔ میں اسے بھی سمجھ گیا۔ غالباً آپ اس قیدی کے علاج کی بابت کچھ کہیں گے۔ لیکن میں مجبور ہوں۔ اگر کسی دراندازنے ہرقل اعظم یا کسی درباری کو اطلاع کر دی تو پھر میرے لئے سوائے اپنی جان قربان کرنے کے اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔

یوقنا۔ اس کا میں ذمہ دار ہوں۔ پہلے میں آپ پر قربان ہو جاؤں گا.....

ارساوس نے ضرار کا معائنہ کرنا شروع کیا۔ اس نے نبض دیکھی۔ دل کی حرکت معلوم کی۔ آنکھوں کی پتلیاں دیکھیں۔ سینہ پر ہاتھ رکھ کر ان کے بدن کی گرمی کو دیکھا۔ ہر لحہ اس کی آنکھوں سے مایوسی ہویدا تھی۔ یوقنا امید وبیم کی نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ ارساوس نے معائنہ کر کے کہا: "اس قیدی کا کام قریب قریب تمام ہو چکا ہے۔ بظاہر اس کے بچنے کی کوئی توقع نہیں۔ لیکن علاج ضرور کرنا چاہیے۔ شاید خدا اس پر رحم کر کے اسے شفا عطا فرما دے۔"

یہ سنکر یوقنا کو سخت رنج ہوا۔ اس نے کہا: "ارساوس! خدا کے لیئے اس کا علاج کرو۔ اگر اسے آرام ہو گیا۔ تو میں آپ کے قدموں پر زر و جواہر کے انبار........"

ارساوس نے قطع کلام کر کے کہا: "میں یہ سمجھ گیا ہوں کہ آپ کو اس کے ساتھ خصوصیت ہے۔ میں بھی علاج میں اپنی پوری کوشش صرف کر دوں گا۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ یہ مردوں کی صف میں پہونچ گیا ہے۔ اس کا جانبر ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ غیر ممکن ہے۔ مگر میں آپ کے لحاظ سے ہر ممکن تدبیر کروں گا۔ میرا کام کوشش کرنا ہے۔ شفا عطا کرنا خدا کا کام ہے۔"

یوقنا۔ آج آپ نے دربار اور درباریوں کی کیفیت دیکھی ؟"

ارساوس۔ جی دیکھی۔ مجھے سخت حیرت بھی ہوئی اور افسوس بھی ہوا۔ آج تو لوگوں نے شاہی ادب واحترام کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ سچ پوچھئے تو ہرقل اعظم

نے درباریوں سے ڈر کر اس مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

یوتنا۔ جی ہاں میں نے اچھی طرح دیکھا تھا۔ کہ جب سنگدل درباری تلواریں لے کر اس عرب پر ٹوٹ پڑے تو ملک معظم کے چہرہ کی رنگت بدل گئی تھی۔

ارساوس۔ بیشک سچ یہ ہے۔ کہ ہمارا شہنشاہ نہایت رحمدل۔ عادل اور ملک و قوم کا بہی خواہ ہے۔ مجھے اس وقت اپنی قوم کی قساوت قلبی پر افسوس ہوا۔ جب چند لوگوں نے اس عرب کی زبان کاٹ ڈالنے کی استدعا کی۔

یوتنا۔ افسوس ہے۔ کہ ہم عیسائی ہو کر مذہب کی تعلیم کے خلاف عمل دیتے ہیں ہمارے لئے حکم تو یہ ہے کہ اگر کوئی غضبناک ہو کر ہمارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو ہمیں غصہ میں آ کر اس سے انتقام نہیں لینا چاہیئے بلکہ دوسرا گال بھی اس کے سامنے کر دینا چاہیئے۔ لیکن آج کتنے عیسائی ہیں۔ جو اس پر عمل کرتے ہیں۔ میرے خیال میں نفی کے برابر ہیں۔

ارساوس۔ عیسائیوں میں اب مذہب کی بو باس بھی باقی نہیں رہی۔ وہ خداوند کی تعلیم کے خلاف کر رہے ہیں۔ خدا اور خداوند ان سے ناخوش ہو گئے ہیں۔ اسی لئے آج ہم ذلیل ہو رہے ہیں۔ اور وہ عرب جن کی طرف سے کبھی یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ ہمارے ملک پر حملہ آور ہونگے۔ ہماری بدبختی سے ہمارے ملک کے کثیر حصہ پر قابض ہو گئے ہیں۔

یوتنا۔ یہی بات ہے۔ جو قوم اپنے مذہب کو چھوڑ دے گی۔ وہ یقیناً ذلیل اور خوار ہو جائے گی۔

اچھا اب آپ اس کی طرف توجہ کیجیئے۔

ارساوس چونک پڑا اس نے کہا۔ باتوں کی رو میں اس عرب کا خیال ہی نہ رہا۔ میں ادویات اور آلات منگواتا ہوں۔ اس کے زخم دھونے کے لئے گرم پانی کی ضرورت ہوگی۔

یوتنا۔ گرم پانی ابھی آجائے گا۔ آپ ادویات جلد منگا لیجیئے۔

ارساؤس، میرا خادم اس قصر کے دروازے پر موجود ہے۔ وہ بہت جلد دوائیں لے آئے گا۔ گرم پانی آنے تک اس پر کوئی سفید چادر ڈال دی جائے تو مناسب ہے۔

یوقنا ٹھیک کہہ گیا۔ اس نے چند عورتوں کو گرم پانی لانے کا حکم دیا۔ اور خود ایک سفید چادر لا کر ضرار پر ڈال دی۔

ارساؤس اپنے خادم کو ادویات لانے کی ہدایت کرنے کے لئے کمرہ سے باہر چلا گیا۔ ضرار آنکھیں بند کئے بالکل بے ہوش پڑے تھے۔ ابھی تک ان کے زخموں سے خون رس رس کر بہہ رہا تھا۔ وہ کسی قدر سیاہ فام تھے۔ ان کے جسم کی رنگت مٹیالی سی ہو گئی تھی۔ یوقنا انہیں افسوس بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔

یہ کمرہ جس میں ضرار کو بیچ پر ڈالا گیا تھا۔ یوقنا کے رہنے کا خاص کمرہ تھا۔ اس میں بیش قیمت فرش بچھا تھا۔ ہر قسم کا آرائشی سامان قرینے سے لگا ہوا تھا۔

یوقنا افسوس بھری نظروں سے ضرار کو دیکھ رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس کے اچھا ہونے کی دعا مانگ رہا تھا۔ اس نے پھر کسی کے قدموں کی چاپ سنی۔ وہ دروازہ کی طرف دیکھنے لگا۔ چونکہ اسے افشائے راز کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ اس لئے وہ ذرا سا کھٹکا ہونے پر بھی گھبرا جاتا تھا۔ آنے والا کچھ ایسا آہستہ قدمی سے آ رہا تھا۔ کہ آہٹ ہی میں نہ آتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد آنے والا کمرہ میں داخل ہوا۔ یہ ایک سترہ سالہ حسین لڑکی تھی۔ وہ اس قدر خوبصورت تھی۔ کہ اس کے کمرہ میں آتے ہی یہ معلوم ہوا۔ جیسے چاند جلوہ گر ہو گیا۔ وہ نازک اندام، بلند و بالا سرو قد تھی۔ اس نے آتے ہی مسکرا کر یوقنا کو دیکھ کر کہا: "محترم باپ! آپ دربار سے واپس بھی آ گئے۔ اور مجھے خبر بھی نہ کی"۔

یوقنا اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔ اس نے کہا: "نورچشمی! اس وقت میں تمہیں ہی یاد کر رہا تھا۔ اچھا ہوا تم آ گئیں"۔

یہ لڑکی یوقنا کی بیٹی تھی۔ اس کا نام لوسیانہ تھا۔ اسے پیار کی وجہ سے سب لوسی کہتے تھے۔ اس کی شادی ہو چکی تھی۔ اس نے جواب دیا: "میں تو آپ کی آمد کا

انتظار کر رہی تھی۔ (ضرار کو دیکھ کر) آئیں یہ کس کی لاش ہے؟"

یوقنا۔ لوسی! یہ ایک مسلمان ہے۔ اس کا نام ضرار ہے۔ اسے درباری عیسائیوں نے زخمی کر دیا ہے۔ کیا تم اس کی تیمار داری کرو گی؟"

"ضرور کرونگی لوسیانہ نے جواب دیا۔

یوقنا۔ شاباش! میری نور چشمی شاباش!! ذرا تم لپک کر کسی کو حکم دو کہ گرم پانی لے آئے۔ لوسیانا تیزی سے روانہ ہوئی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ واپس آئی اس نے کہا "پانی آ رہا ہے .... یہ ضرار دربار میں کیسے آ گئے"

یوقنا نے مختصر طور پر ضرار کے قید ہو کر آنے اور زخمی کئے جانے کا حال لوسیانا کو سنا دیا۔ لوسیانا نے کہا، عیسائیوں نے بڑی بیدردی کی۔ خدا اس عرب کو آرام کر دے۔"

اب ارساوس کمرہ میں داخل ہوا اس کے پیچھے اس کا خادم آ رہا تھا۔ خادم کے سر پر ایک چھوٹا سا صندوق تھا۔ ارساوس نے کہا۔ لیجئے میں سب سامان لے آیا۔ کیا پانی گرم نہیں ہوا۔"

لوسیانا نے جواب دیا "ہو گیا۔ ابھی آیا چاہتا ہے۔"

ابھی لوسیانا کا فقرہ ختم ہی ہوا تھا کہ دو نوعمر خادمائیں تانبے کے کلسے لئے کمرہ میں داخل ہوئیں۔ یہ خادمائیں زرق برق پوشاکیں پہنے ہوئے تھیں۔ وہ دونوں شوخ اور پھرتیلی معلوم ہوتی تھیں۔ انہوں نے پانی کے کلسے ایک طرف رکھ دیئے یوقنا نے کمرہ کا فرش اٹھائے جانے کا حکم دیا۔ فوراً فرش اٹھا دیا گیا۔ لوسی نے خادم کے سر سے صندوق اتروایا۔ اور ضرار کے قریب کرسی کھینچکر بیٹھ گیا۔ لوسی جلدی سے آفتابہ میں پانی لے کر کھڑی ہو گئی۔ ارساوس نے کوٹ اتار کر کرسی پر ڈال دیا۔ اور آستینیں چڑھا کر ضرار کے زخم دھونے لگا۔ لوسی پانی ڈالنے لگی۔ خادمائیں آفتابہ بھر بھر کر دینے لگیں۔

ضرار کے جسم پر خون جگہ جگہ جم گیا تھا۔ زخم بڑی مشکل سے دھل کر صاف

ہوے۔ جب زخم بالکل صاف ہو گئے تو ارساوس نے ہر زخم کو نہایت غور سے دیکھا۔ اس نے یوقنا سے مخاطب ہو کر کہا۔ زخم نہایت گہرے ہیں۔ بظاہر شفا کی کوئی امید نہیں "۔

اس ممدوح فرسا خبر کو سنکر یوقنا اور لوسیانا دونوں کو رنج ہوا۔ لوسیانا نے متفکر مگر خوبصورت نظروں سے ارساوس کو دیکھ کر کہا "ڈاکٹر صاحب! آج ملک شام میں آپ سے زیادہ ہوشیار کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔ جب آپ جواب دے رہے ہیں تو ہمیں نا امید ہو جانا چاہیئے۔ لیکن خدا کی رحمت سے ہم مایوس نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ یہ ایک مسلمان زخمی ہے مگر میں چاہتی ہوں کہ خدا اسے آرام کر دے اگر اسے آرام ہو گیا۔ تو میں بہت زیادہ مشکور ہونگی "۔

اس عرصہ میں ارساوس نے سفید سفید دوا زخموں پر چھڑک کر مرہم لگانا شروع کر دیا تھا۔ اس نے جواب دیا "خوردش شہزادی! میرا اور تمہارا کام کوشش کرنا ہے۔ میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی پوری قابلیت اس کے علاج میں صرف کر دوں گا۔ لیکن تم نے مردوں کو زندہ ہوتے نہیں دیکھا ہوگا۔ اس کی حالت خراب تر ہو چکی ہے۔ اس کی صحت کی بہت کم امید ہے "۔

لوسیانا۔ اب جو کچھ خدا کو منظور ہے۔ وہی ہوگا۔

اب ارساوس نے پٹیاں کسنی شروع کر دی تھیں۔ لوسیانا بھی پٹیاں کسنے میں مدد دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں ارساوس پٹیاں کس کر فارغ ہوا۔ اس نے ہاتھ دھوے کوٹ پہنا۔ اور رات کو آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

یوقنا نے فرش کو دھلوا کر خوب صاف کرا دیا۔ اور خود کوچ کے قریب کرسی بچھا کر بیٹھ گیا۔ دوسری کرسی پر لوسیانا بیٹھ گئی۔ اگرچہ خادم اور خادمائیں سب ہی موجود تھے۔ مگر لوسیانا نے ہاتھ میں ریشمی رومال لے کر مکھیاں جھلنی شروع کیں۔ خادمائیں مواوب ان دونوں کی کرسیوں کے پیچھے پرا باندھ کر کھڑی ہو گئیں۔ اس دوڑ دھوپ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں دن چھپ گیا۔ خادماؤں نے جلدی سے

روشنی کر دی۔ روشنی ہونے سے کمرہ جگمگانے لگا۔

لوسیانا نازک اندام تھی۔ پنکھیاں جھلتے جھلتے اس کے نازک ہاتھ دکھنے لگے۔

خادماؤں نے چاہا کہ وہ خود پنکھیاں جھلنے لگیں۔ لیکن اس نے اجازت نہ دی۔

یوقنا اور لوسیانا دونوں ٹکٹکی لگائے ضرار کو دیکھ رہے تھے۔ تقریباً ۸ بجے رات کو انھوں نے حرکت کی۔ یہ دونوں آگے کو جھک کر غور سے انہیں دیکھنے لگے کچھ عرصہ کے بعد ضرار نے کراہنا شروع کیا۔ یوقنا نے کہا۔ اب انہیں ہوش آنے والا ہے۔"

لوسیانا۔ خدا کرے انہیں جلد ہوش آ جائے۔

یوقنا نے ضرار کی نبض دیکھنی شروع کی۔ لوسی نے دریافت کیا: "نبض کی کیا کیفیت ہے؟"

یوقنا۔ بہت کم زور ہے۔

لوسیانا۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں جلد سے جلد . . . .

یوقنا نے قطع کلام کر کے کہا: "بیٹی زندگی موت۔ بیماری اور شفا سب خدا کے ہاتھ میں ہے۔"

اب ضرار نے آنکھیں کھول دیں۔ انھوں نے حیرت اور حسرت بھری نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

یوقنا کو اس وقت مسرت ہوئی۔ لوسی خوش ہو گئی۔ اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ اس نے کہا۔ خدایا تیرا شکر ہے۔"

ضرار نے بولنے کا ارادہ کیا لیکن بڑھے ہوئے ضعف کی وجہ سے وہ بول نہ سکے۔ یوقنا نے ان کی کوشش کو دیکھ کر کہا: "اے بزرگ ہستی! ابھی بولنے کی کوشش نہ کرو۔"

ضرار خاموش ہو گئے۔ انھوں نے روشنی دیکھ کر یہ اندازہ کر لیا کہ اس وقت رات ہو گئی ہے۔ وہ دوپہر سے پہلے زخمی کئے گئے تھے۔ اب رات ہو گئی تھی۔ وہ سمجھ گئے کہ وہ کئی گھنٹے سے بے ہوش رہے ہیں۔ ان کی ظہر عصر اور مغرب کی نماز

قضا ہو گئی تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے بڑے ہی بڑے اشاروں سے نماز ادا کی
یوقنا انہیں اس حالت میں نماز پڑھتے دیکھ کر بہت زیادہ متاثر ہوا۔ اس نے لوسی
سے مخاطب ہو کر کہا۔ "لوسی خدا کے نیک بندے ایسے ہوتے ہیں صبح سے اس وقت
تک یہ بے ہوش رہے۔ اب ذرا ہوش آیا ہے۔ تو سب سے پہلے نماز کا خیال
آیا۔ کھڑا ہو کر یا بیٹھ کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ تھی تو اشاروں ہی سے ادا کر لی یہ"
لوسی بھی ضرار کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر متاثر ہو رہی تھی۔ اس نے کہا۔
ابا جان خدا کا ہزار شکر و احسان ہے کہ ہم......"
یوقنا نے جلدی سے قطع کلام کر کے کہا۔ "لوسی! خاموش...... کیا تو
افشائے راز کرنا چاہتی ہے؟"
لوسی خاموش ہو گئی۔ ضرار خاموش پڑے ہوئے ان دونوں کو دیکھ رہے
تھے۔ وہ باتیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ان میں بات کرنے کی طاقت ہی نہ تھی
تھوڑی دیر میں انہیں بخار ہو گیا۔ بخار بھی ایسا تیز۔ کہ الحفیظ والاماں۔ پاس بیٹھنے
والوں کو بخار کی حدت محسوس ہو رہی تھی۔ ان پر غفلت طاری ہو گئی۔ غفلت بھی ایسی
کہ تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ آنکھیں اوپر کو چڑھ گئیں۔ یوقنا اور لوسی ان کی یہ
کیفیت دیکھ کر گھبرا گئے۔ یوقنا نے فوراً ارساوس کو طلب کیا۔ تھوڑی دیر میں ارساوس
حاضر ہوا۔ اس نے ضرار کی نبض دیکھی۔ ان کے چہرہ اور آنکھوں کا معائنہ کیا۔ کچھ
عرصہ کے بعد اس نے کہا۔ "حضور والا حالت نازک ہے۔ موت اور زندگی میں
جنگ ہو رہی ہے۔ زندگی پر موت غالب آنا چاہتی ہے۔ خدا ہی کو خبر ہے۔ کہ
اس جنگ میں موت کو شکست ہو گی یا زندگی کو۔ میں ایک عرق لایا ہوں۔ یہ نہایت
سریع الاثر ہے۔ کسی طرح اگر یہ ان کے حلق سے نیچے اتر جائے تو شاید ان کی
یہ کیفیت نہ رہے"
یوقنا اور لوسی کو یہ سنکر سخت رنج و قلق ہوا۔ لوسی نے کہا۔ "لایئے میں اس
دوا کو پلانے کی کوشش کروں"

یوقنا نے کہا " تم ؟ ...... تم نازک ہو۔ اس کام کو انجام نہیں دے سکتیں۔ ڈاکٹر صاحب یہ عرق مجھے دیجئے۔ میں کوشش کرتا ہوں۔

ارساڈس۔ آپ دونوں اس کام کو نہیں کر سکتے۔ یہ ہم لوگوں کا کام ہے۔ ٹھہریئے۔ میں خود کوشش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر اٹھا اس نے ضرار کا منہ کھول کر عرق کے چند قطرے ٹپکائے اور پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔ عرق کے حلق سے نیچے اترتے ہی ضرار نے ایک جھرجھری لی اور ان کی حالت اور بھی خراب ہوگئی پتلیاں الٹنے لگیں۔ لوسی ان کی یہ حالت دیکھ کر سخت مضطرب ہوئی۔ اس نے کہا۔ ڈاکٹر صاحب! ان کی حالت تو اور بھی نازک ہو گئی۔

ارساڈس ٹکٹکی لگائے ضرار کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے جواب دیا شاہزادی صاحبہ گھبرایئے نہیں۔ یقین ہے دوا ضرور اپنا اثر کرے گی۔ یہ ان کی حالت عارضی ہے۔ تھوڑی دیر میں انہیں سکون ہو جائے گا۔ بخار میں بھی کمی ہو جائیگی لیکن صاف بات یہ ہے۔ کہ میں ابھی ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔ کل انکی حالت دیکھ کر کوئی رائے قائم کر سکوں گا

اب یہ تینوں خاموش بیٹھکر ضرار کو دیکھنے لگے۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد انکی حالت کچھ درست ہوئی۔ پتلیاں جو الٹی جاتی تھیں اپنی جگہ پر قائم ہو گئیں۔ بخار بھی کسی قدر کم ہو گیا۔

ارساڈس نے کہا۔ اب یہ رات بھر اسی حالت میں رہیں گے۔ صبح انہیں ہوش آجائے گا۔ اگر ان کو بھوک معلوم ہو تو شوربہ پلا دینا چاہیئے "

ارساڈس اجازت لے کر چلا گیا۔ یوقنا اور لوسی نے خاصہ تناول کیا کھانا کھا کر یوقنا نے لوسی کو آرام کرنے کی اجازت دی۔ اگرچہ لوسی کا دل وہاں سے جانے کو نہیں چاہتا تھا۔ لیکن اس نے اپنے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ وہ چلی گئی۔ اور تین چار کنیزوں کو بھیج دیا۔ یوقنا برابر کرسی پر بیٹھا ضرار کی تیمارداری

کرتا رہا۔ وہ ساری رات نہیں سویا۔ صبح بہت سویرے ضرار کی غفلت دور ہوئی۔ بخار اور بھی کم ہوا۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں یوقنا کو بیٹھا ہوا دیکھ کر دریافت کیا: "آپ تمام رات اسی طرح بیٹھے رہے ہیں؟"

ضرار کی آواز نہایت کمزور تھی۔ یوقنا نے کہا: "میرا فرض تھا کہ میں آپ کی تیمار داری کروں۔ میں خوش ہوں کہ میں نے اپنا فرض ادا کیا۔"

ضرار نے مشکورانہ نظروں سے یوقنا کو دیکھ کر کہا: "میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ نہایت خلیق۔ نیک اور ہمدرد بنی نوع انسان ہیں۔"

یوقنا۔ شکریہ کی ضرورت نہیں۔ ضرار میں اس وقت خوش ہوں گا۔ جب خدا تمہیں صحت عطا فرمائے۔

ضرار۔ خدا تمہیں اس کا نیک اجر عطا فرمائے۔ اب صبح کی نماز کا وقت آگیا ہے۔ مہربانی کر کے مجھے وضو کے لئے پانی منگا دیجئے۔

یوقنا نے ایک کنیز کو اشارہ کیا۔ وہ لیک کر پانی لائی۔ یوقنا نے پانی لیکر خود ضرار کو وضو کرایا۔ لیٹے ہی لیٹے ضرار نے وضو کیا اور اشاروں سے پہلے عشا کی قضا نماز اور پھر صبح کی نماز پڑھی۔ جب وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ تو لوسی بھی آگئی۔ وہ ضرار کی طبیعت کسی قدر بشاش دیکھ کر خوش ہوئی۔ جب وہ نماز پڑھ چکے تو لوسی نے کہا۔

خدا کا شکر ہے۔ کہ اس وقت آپ کی طبیعت نسبتاً اچھی ہے۔ کچھ اشتہا معلوم ہوئی ہے؟"

ضرار۔ ہاں بیٹی مجھے بھوک معلوم ہو رہی ہے۔

لوسی نے فوراً کنیز کو اشارہ کیا۔ وہ چلی گئی۔ اور تھوڑی دیر میں ایک چاندی کے پیالہ میں شوربہ لے کر آئی۔ ضرار نے چاندی کا پیالہ دیکھ کر کہا:

نور چشمی: "ہم مسلمان چاندی اور سونے کے برتن استعمال نہیں کر سکتے۔"

عزرا کنیز واپس ہوئی اور ایک کٹوری کے پیالہ میں شوربہ لے کر آئی۔

یوقنا نے تھوڑا تھوڑا کر کے شوربہ پلایا شوربہ پینے سے ضرار پر کچھ غنودگی سی طاری ہو گئی۔ جس وقت آفتاب عالمتاب جلوہ گر ہوا۔ اور اس کی منور شعاعوں نے دنیاء جہان کو روشن کر دیا تو ضرار کو پھر ہوش ہوا۔ وہ تھوڑی دیر پڑے ہوئے یوقنا اور دسی کو دیکھتے رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد اُنہوں نے کہا "یوقنا! میں ان آنکھوں سے کیا دیکھ رہا ہوں؟ کیا تم مسلمان ہونے کے بعد پھر عیسائی ہو گئے؟"

اس وقت یوقنا کچھ مضطرب سا ہو گیا۔ اس نے ایسی نگاہوں سے ضرار کو دیکھا جن سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ کسی راز کو افشا کرنے والا ہے۔ لیکن پھر فوراً ہی سنبھل گیا۔ اس نے کہا "محترم عرب! ابھی اس تذکرہ کو ملتوی رکھئے۔ جب آپ کو آرام ہو جائے گا اُس وقت اس کے متعلق گفتگو کریں گے"

ضرار۔ تو گویا تم مرتد ہو گئے۔ خدا کرے میرا خیال غلط ہو۔ کوئی ذی عقل نہیں چاہتا کہ وہ تاریکی سے روشنی میں آکر پھر تاریکی میں چلا جائے۔ یوقنا! میں اسوقت بیچین ہوں۔ تم ایک دفعہ کہدو کہ مرتد نہیں ہوئے"

یوقنا کو اس وقت جوش سا آگیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ جوش کی حالت میں کچھ کہنے والا تھا۔ کہ پھر سنبھلا اور اس نے اپنی طبیعت پر قابو کر کے کہا۔ "آپ بیچین نہ ہوں جس وقت آپ کو خدا صحت عطا......"

ضرار نے ایک آہ کی اُنہوں نے قطع کلام کر کے کہا "صحت؟..... یعنی مجھے صحت ہو جائے گی۔ بھلا جس شخص کے جسم پر پوری چودہ تلواریں پڑی ہوں۔ اور ان تلواروں نے رگ وریشہ کاٹ ڈالا ہو۔ زخموں سے اس قدر خون نکل گیا ہو کہ ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا ہو۔ اسے کیسے صحت ہو جائے گی۔ بس مجھے تو صحت ہو چکی"

یوقنا۔ جو ڈاکٹر آپ کا معالج ہے۔ وہ حکیم روم کا طبی مشیر ہے۔ نہایت تجربہ کار اور کہنہ مشق ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انشاءاللہ آپ کو آرام ہو جائے گا۔

ضرار۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ یوقنا! اسلامی لشکر میں میری ایک بہن ہے اسکا

نام خولہ ہے۔ ہم دونوں بھائی بہن میں بے انتہا محبت ہے۔ آہ وہ میری گرفتاری کی خبر سنکر بہت زیادہ مغموم ہوئی ہوگی......

ابھی ضرار کا فقرہ پورا نہ ہوا تھا کہ ارساوس آگیا۔ وہ بھی ایک کرسی کو کوچ کے قریب کھینچکر بیٹھ گیا۔ ضرار نے پھر کہا " یوقنا! میری بہن میری گرفتاری کی خبر سنکر سخت مغموم ہوئی ہوگی...... کس طرح اس نے صبر کیا ہوگا۔ وہ رو رہی ہوگی۔ کون اسے تسلی دیتا ہوگا..... آہ میری ضعیف العمر والدہ وطن میں ہے وہ سرزمین عرب میں مدینہ منورہ کے اندر بیٹھی میری واپسی کا انتظار کر رہی ہے وہ میری گرفتاری کی خبر سنکر کس قدر اندوہناک ہوگی۔ خدایا وہ کیسے ضبط و صبر کرے گی

یہ کہتے ہی کہتے ضرار کا دل بھر آیا۔ ان کے آنسو جاری ہو گئے۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر وہ بھی چشم پرنم ہو گئی۔ یوقنا اور ارساوس بھی متاثر ہوئے۔ ضرار نے پھر کہا " میں سرزمین حجاز سے جہاد کرنے کے لئے آیا تھا۔ میری والدہ نے مجھے خوشی سے جہاد کی اجازت دی تھی۔ انہوں نے دعا دی تھی کہ میں اسوقت تک مظفر و منصور ہوتا رہوں جب تک میرا آخری وقت آئے۔ اور جب میں مروں تو میدان جنگ میں شہید ہوں۔ یہی میری بھی تمنا تھی۔ آہ قسمت کی کیا خبر تھی کہ چارپائی پر پڑا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا لکھا ہے۔ یوقنا! کیا تم مجھ پر ایک احسان کر سکتے ہو؟"

یوقنا کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ اس نے جواب دیا " احسان ؟ میں کیا احسان کر سکتا ہوں۔ البتہ میری خواہش ہے۔ کہ میں آپ کی خدمت کروں میں خدمت کے لئے ہر وقت موجود ہوں "

ضرار۔ یوقنا تمہارا شکریہ۔ تم بہت زیادہ نیک اور خدا ترس انسان ہو۔ سنو!! میں اپنی حالت زار سے مسلمانوں کو مطلع کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم کسی قاصد کو اسلامی لشکر میں روانہ کر سکتے ہو۔

یوقنا اس بات کو سنکر سناٹے میں آگیا۔ ہرقل اعظم کو اندیشہ تھا کہ کچھ عیسائی

مسلمانوں سے ملے ہوئے ہیں۔ اور وہ عیسائیوں کی خبریں پوشیدہ طور پر مسلمانوں کے پاس بھیجتے رہتے ہیں۔ وہ ایسے لوگوں کا پتہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے متعدد جاسوس اسی کام پہ چھوڑ رکھے تھے۔ چند آدمی اس شبہ میں گرفتار ہو کر سزا بھی پا چکے تھے۔ کوئی انطاکیہ کی چار دیواری سے باہر اس وقت تک نہیں جا سکتا۔ جب تک وہ کوئی معقول وجہ اپنے باہر جانے کی بیان نہ کرتا ایسے باہر جانے والوں کی جامہ تلاشی بھی لیجاتی تھی۔ یوقنا جانتا تھا کہ کسی قاصد کا اسلامی لشکر میں بھیجا جانا خطرہ سے خالی نہیں ہے اگر قاصد گرفتار ہو گیا اور اس نے اس راز کو افشا کر دیا تو خیریت نہیں۔ ان وجوہات سے وہ خاموش ہو گیا۔

اس وقت ارسالوس کی آنکھوں میں انسو بھرے ہوئے تھے۔ اس کے خیال میں ضرار کو آرام ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ ایک ایسے شخص کی خواہش رد کرنا جو دنیا میں چند روزہ مہمان ہو اس کے نزدیک غیر مناسب تھا۔ اس نے یوقنا سے مخاطب ہو کر کہا۔ کیا آپ کو قاصد روانہ کرنے میں پس وپیش ہے؟"

یوقنا۔ آپ جانتے نہیں زمانہ کس قدر پر آشوب ہے۔ اگر کسی نے عظیم روم تک مخبری کر دی۔ تو اور لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

ارسالوس۔ اس کا اندیشہ نہ کرو۔ اگر قاصد پکڑا گیا۔ تو میں عظیم روم سے تمام واقعہ بیان کر دوں گا۔ اور وہ پھر آپ سے بھی باز پرس نہ کریں گے۔ ضرار خاموش پڑے ان دونوں کی گفتگو سن رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔

"اگر خطرات اور اندیشوں کا سامنا ہے تو رہنے دیجئے۔ ایک بے کس و بے بس چند روزہ مہمان کے لئے نقصان نہ اٹھاؤ۔"

ضرار نے یہ فقرے کچھ ایسے لب ولہجہ میں ادا کئے کہ یوقنا کا سارا پس وپیش دور ہو گیا۔ اس نے کہا۔ "مقدس ہستی! میں تمہارے لئے اپنی

جان بھی خطرات کے نذر کر دوں گا۔ کسی معتبر قاصد کو اسلامی لشکر میں بھیجوں گا تم اپنا پیغام لکھا دو۔"

عزار نے شکورانہ نظروں سے یوقنا کو دیکھ کر کہا:۔

"جزاک اللہ لکھو۔"

یوقنا قلم دوات اور چمڑہ لے کر لکھنے کے لئے بیٹھ گیا۔ عزار نے کہا "میں کچھ اشعار لکھاؤں گا۔ ذرا اچھی طرح لکھنا:۔

یوقنا۔ آپ فکر نہ کریں میں ایک ایک مصرع اچھی طرح لکھوں گا۔

اب ضرار نے لکھانا اور یوقنا نے لکھنا شروع کیا۔

الا ایہا الشخصان باللہ بلغا — سلامی الی اطلال مکہ والحجر

اے دونوں شخصوں اللہ کیواسطے تم دونوں پہنچاؤ — میرا اسلام تو وہاں کے مکہ اور حجر کی جانب

وہالی وبیت اللہ موتی وانما — تولت عجوزا فی المہامد والقفر

میری آرزو بیت اللہ (مکہ) میں مرنا ہے اور وہ اسکے سوائے — کہ میں نے ایک ضعیفہ کو زمین بے آب گیاہ عرب میں چھوڑا

ضعیفۃ حیل لیس فیہا جلادۃ تقو — علی نائبات الحادثات التی تجری

وہ ضعیف اور سست ہیں کام کرنے کی قابلیت نہیں ہے — اور نہ جو مصیبتیں نازل ہوں انکو برداشت کر سکتی ہے

وکنت لہا رکنا ارومر رضاءھا — واکرمہا جہدی وان مسنی فقری

میں انکا خادم اور کارکن تھا انکی رضامندی چاہتا تھا — اور میں تنگی اور تہدستی میں بھی خدمت کرتا تھا

والی اردت اللہ لا شئی غیرہ — وجاھدت فی جیش الملاعین بالسمر

اور میں نے اللہ کو چاہا تھا نہ اور کسی چیز کو — اور میں نے جہاد کیا ملعونوں کے لشکر میں ساتھ نیزوں کے

وارضیت خیر الخلق اعنی محمدا — لعلی انال الفوز فی موقف الحشر

اور میں نے خوش کیا بہترین خلائق یعنی حضرت محمد صلعم کو — شاید کہ میں حشر کے روز بامراد ہوں

کذالک اخی جاھدت کل کافر — وما برحت فی الطعن فی الکر والفر

اسی طرح میری بہن نے بھی، کافروں پر جہاد کیا — اور وہ جدا نہیں ہوئیں نیزہ بازی میں حملہ و دفعیہ کے وقت

تقول وقد حان الفراق بحبیبہ — الا یا اخی مالی علی البین من صبر

وہ کہتی ہیں کہ جدائی کا وقت قریب آگیا — اے میرے بھائی! مجھے جدائی پر صبر نہیں ہے

الا بلغاھا عن اخیھا تحیۃ — وقولا غریب مات فی قبضۃ الکفر

تم دونوں ان کے بھائی کی طرف سے سلام پہنچا دو — اور کہو تم کہ بیکس و غریب کافروں کے درمیان مر گیا

جمائح طائح بالسیوف مقطع — علی نصرۃ الاسلام والطاھر الطہر

خستہ اور نڈھال وہ تلواروں سے کاٹا گیا — اسلام کی مدد ہی پر جو پاک ترین ہے

وقولی ضرار فی القیود مکبل — بعید عن الاوطانی بلد وعسر

اور تم کہو کہ ضرار قید میں بیڑیاں پہنے ہیں — وطن سے دور ہیں اور سختی میں ہیں

وان سالتعنی الاحبۃ فاخبری — بان دموعی کالسحاب وکا المطر

اور اگر میرے دوست تم سے میرا حال پوچھیں تو ان سے کہو — کہ میرے آنسو مثل بارش اور مطر کے جاری ہیں

الا فاس قنانی بارک اللہ فیکما — الا واکتبا ھذا الغریب علی قبری

میرے مرنے پر تم دونوں مجھے خاک میں چھپا دینا خدا تمہیں برکت دیگا — اور تم میری قبر پر لکھ دینا کہ یہ مسافر اور بیکس تھا

ضرار اشعار لکھاتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ یہ اشعار کچھ ایسے درد انگیز تھے۔ کہ ان کو سُنکر یوقنا۔ ارساوس اور نازآفریں لوسی کے بھی آنسو جاری ہو گئے تھے۔

جب ضرار لکھا چکے۔ تو ان تینوں نے رومال سے آنسوں پونچھے۔ ارساوس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ "خدا غریب الوطن اور بے کس و مجبور کسی کو نہ کرے"

یوقنا نے بھی لمبی آہ بھر کر کہا۔ "ان اشعار میں کچھ ایسا درد و غم کوٹ کوٹ کر بھرا ہے کہ میرے دل کے ٹکڑے ہو گئے ہیں۔"

لوسی نے ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہوئے کہا۔ "خدا کی قسم وفور غم سے میرا کلیجہ پھٹنے کے قریب ہو گیا۔ خدایا ضرار کو آرام کر دے۔"

خوروش لوسی کے کنول سے رخساروں پر آنسو جاری ہو کر اسی طرح بہنے لگے جیسے گلاب کے پھول پر شبنم کے قطرے لڑھکنے لگتے ہیں۔ ضرار نے لوسی سے مخاطب ہو کر کہا۔

نورچشمی! میری بہن خولہ تیری ہم سن ہے۔ وہ تیری طرح خوبصورت ہے تجھے دیکھ کر مجھے اپنی بہن یاد آجاتی ہے۔ تو میرے سامنے بیٹھکر رویا نہ کر۔ میں تجھے روتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ آہ میری بہن...... ہائے وہ بھی اسی طرح روتی ہوگی۔ اسے کس طرح چین پڑتا ہوگا۔ میری ہمشیر...... میں کیسے تیرے پاس تسلی دینے کے لئے بھیجوں۔ خدایا! تو اسے صبر عطا فرمائیو۔"

لوسی یہ سمجھکر کہ ضرار کو اس کے رونے سے تکلیف ہوتی ہے۔ خاموش ہوگئی۔ اس نے ریشمی رومال سے اپنی ہوشربا آنکھیں اور پھول سے رخسارے صاف کئے اور غم وحسرت بھری نظروں سے ضرار کو دیکھنے لگی۔

ارساوس نے یوقنا سے کہا "اب آپ اپنا وعدہ پورا کیجیے۔ کسی قاصد کو بلا کر اسے اسلامی لشکر میں روانہ کر دیجیے۔"

میں ضرور اپنا وعدہ پورا کردوں گا۔ یوقنا نے کہا۔ اور اٹھ کر کمرہ سے باہر چلا گیا۔

نازک اندام لوسی ضرار کی مکھیاں جھلنے لگی۔ لوسی دل سے یہ چاہتی تھی کہ کسی طرح ضرار کو جلد سے جلد آرام ہو جائے۔ لیکن وہ دیکھ رہی تھی۔ کہ ضرار کی حالت نازک ہے اس بات کا اسے سخت صدمہ تھا۔ چونکہ وہ نازک تھی۔ اس لئے اس کے پیارے چہرہ سے غم وصدمہ کے آثار فوراً معلوم ہو جایا کرتے تھے ضرار نے اس کی کیفیت دیکھ کر کہا۔ قرۃ العین! تم بالکل غم نہ کرو۔ اگر میری زندگی ہے تو بچ جاؤں گا۔ اور اگر زندگی نہیں ہے۔ تو بچنا غیر ممکن ہے خدا دعاؤں کو سنتا ہے۔ تم میرے لئے دعا کرتی رہو۔"

لوسی کچھ کہنا چاہتی کہ یوقنا ایک رومی کو ہمراہ لے کر کمرہ میں داخل ہوا اس نے ارساوس سے مخاطب ہو کر کہا مجھے صرف اس شخص پر اعتماد ہے یقین ہے یہ سفارت کی خدمت کو نہایت خوبی سے انجام دے گا۔ اگر خدانخواستہ یہ گرفتار بھی ہو جائے تو مجھ پر حرف نہ آنے دیگا۔"

ارساوس۔ نہایت مناسب ہے۔ اسے تمام باتیں اچھی طرح سمجھا بجھا دی ہیں۔

یوقنا۔ سب کچھ سمجھا دیا ہے۔

ارساوس نے اس آدمی سے مخاطب ہو کر کہا: "رومی برادر! تم مسلمانوں کے پاس بھیجے جا رہے ہو۔ یوقنا کو تم پر بہت زیادہ اعتماد ہے۔ کہیں اس اعتماد کو بٹہ نہ لگا دینا۔

رومی نے سر جھکا کر کہا: "مجھے فخر و مسرت ہے۔ کہ عادل بادشاہ کو مجھ پر اعتماد ہے۔ مجھے سب باتیں سمجھا دی گئی ہیں۔ میں رازداری کے موقعے بخوبی سمجھتا ہوں مر جاؤں گا۔ لیکن راز افشا نہ کروں گا۔

ارساوس۔ شاباش! وفاداروں کا یہی قاعدہ ہے۔

ضرار نے آدمی سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے رومی قاصد! خدا کے لئے میرا سلام تمام مسلمانوں تک پہونچا دینا۔ میری عزیز بہن سے بھی میرا سلام کہدینا اور کہنا کہ ضرار مرتے دم تک بھی تمہیں یاد کرتا رہا۔ اس سے کہنا میرے مرنیکا غم نہ کرے۔ خدا کو منظور نہ تھا۔ کہ میں اور تم کچھ دنوں اور ساتھ رہیں۔ صبر و شکر کرو۔ اگر مسلمان انطاکیہ کو فتح کریں تو تم میری قبر پر آکر میری بخشش کے لئے دعا مانگنا۔"

یہ سنکر ارساوس اور یوقنا بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ قاصد بھی مغموم ہوا دوسی بہت زیادہ غمناک ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد قاصد روانہ ہوا۔ ضرار نے قاصد کو جلد اور بخیریت پہونچنے کی دعا دی۔ قاصد دعاؤں کے سایہ میں روانہ ہوا جب قاصد چلا گیا تو ضرار پر پھر غفلت سی طاری ہونے لگی۔ ارساوس۔ یوقنا۔ اور دوسی دوا کرنے اور تیمارداری میں مشغول ہو گئے۔

پندرھواں باب

جانکاہ پیام

اس قدر رنج والم ہے دوری احباب سے
کچھ نہ روئے آہ گر ہم عمر بھر رویا کئے

مسلمان نہایت غیظ وغضب کی حالت میں سفر کر رہے تھے۔ حمزہ اور ان کے ہمراہیوں کی گرفتاری نے تو انہیں مغموم ومتفکر کر دیا تھا۔ لیکن عذرا کی گمشدگی نے انہیں غضبناک کر دیا۔ ان کے سامنے یہ شہادت گذر چکی تھی۔ کہ عیسائی اسے زبردستی لے گئے ہیں۔ اس سے وہ سخت برافروختہ خاطر ہو رہے تھے۔ انہوں نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ اب وہ عیسائیوں پر کسی قسم کی رعایت نہیں کریں گے۔ جب وہ کسی ذمی عیسائی کو بھی دیکھتے تھے۔ تو ان کی آنکھوں میں اس خیال سے خون اُتر آتا تھا۔ وہ اُسے اس قوم کا فرد سمجھتے تھے۔ جس نے کمینہ پن کر کے ایک دوشیزہ عرب لڑکی کو زبردستی ورغلا لیا تھا۔

عام طور پر رومیوں کو بھی مسلمانوں کے غیظ وغضب کا علم ہو گیا تھا۔ وہ اپنے ابنائے وطن اور ہم قوم لوگوں کو بُرا کہہ رہے تھے۔ جنہوں نے عذرا کو ورغلا لیا تھا۔ جو قصبے اور دیہات حلب اور انطاکیہ کے درمیان واقع تھے۔ ان کے باشندے سخت خوفزدہ ہو رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان جوشِ انتقام سے مجنوں ہو کر ان کے وطن کو تباہ اور برباد کر دیں گے۔ مردوں کو قتل کر ڈالیں گے عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیں گے۔

مسلمان نہایت نظام کے ساتھ مگر تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ ان کا ہراول دوسرے روز صبح کے آٹھ بجے عمہ کے قریب پہونچا۔
اس گاؤں کے اکثر آدمیوں کو عذرا کے آنے ٹھیرنے رہنے اور انطاکیہ کیطرف

روانہ ہونے کا حال معلوم تھا۔ وہ اس خیال سے سخت ہراساں۔ سراسیمہ اور پریشان تھے۔ کہ اگر مسلمانوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ عذرا ان کے گاؤں میں رہی تھی۔ تو وہ ضرور گاؤں کو تاخت وتاراج کریں گے۔ انہیں لوٹ لیں گے۔ گاؤں کو جلا ڈالیں گے انہیں قتل کر دیں گے۔ اور ان کے اہل وعیال کو گرفتار کر لیں گے۔ انہیں اپنے اس خیال سے سخت خوف وہراس تھا۔ مسلمانوں کے ہراول کو دیکھتے ہی وہ اسقدر بحر غم وفکر میں ڈوب گئے کہ ان کے چہروں سے یہ معلوم ہونے لگا۔ کہ وہی مجرم ہیں

اسلامی ہراول نہایت تیزی سے آ رہا تھا۔ ابھی یہ لشکر گاؤں سے کسی قدر فاصلہ پر تھا۔ اسلامی پرچم ہوا میں نہایت رعب وداب سے لہراتا ہوا آ رہا تھا۔ عرب سوار عربی گھوڑے دوڑائے آ رہے تھے۔ آفتاب کی کرنیں آلات حرب پر پڑ کر ایسی چمک دمک پیدا کر رہی تھیں۔ کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوتی جاتی تھیں۔ یہ مختصر لشکر پانچسو سواروں پر مشتمل تھا۔ اس کے سردار خالد تھے۔ خالد لشکر کے وسط میں تھے۔ اس لشکر کو دیکھتے ہی رومی بدحواس ہو کر بھاگے۔ بعض جنگلوں میں جا گھسے۔ بعض حرش اور انطاکیہ کی طرف دوڑ پڑے اور بعض گھروں میں جا گھسے۔ عورتیں اور بچے سخت پریشان مضطرب اور خوفزدہ ہو گئے۔ مسلمانوں کی تاخت سے پہلے ہی تمام گاؤں میں غدر جیسی سراسیمگی پیدا ہو گئی۔ بچے چیخنے چلانے لگے۔ عورتیں رونے لگیں۔ مرد آنسو بہانے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں اسلامی لشکر عمنہ میں داخل ہوا۔ جس وقت یہ لشکر گرجہ کے سامنے پہونچا تو خالد نے لشکر کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ لشکر رک گیا۔ گرجہ کے دروازے پر ایک بڈھا عیسائی کھڑا تھا۔ خالد نے اس بڈھے کو اپنے پاس بلوایا۔ بڈھے کی روح فنا ہو گئی۔ وہ کانپنے لگا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ جب وہ خالد کے قریب پہونچا تو اس نے تعظیم کے لئے سجدہ کرنا چاہا۔ خالد نے ڈپٹ کر کہا "خبردار سیدھے کھڑے رہو.......... کیا تم اسی گاؤں میں رہتے ہو۔؟"

بڈھا اور بھی لرز گیا۔ وہ اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اس کے گر پڑنے کا احتمال

ہو گیا۔ اس نے نہایت عاجزی سے کہا:۔

حضور! میں بدقسمت اسی گاؤں میں رہتا ہوں۔ لیکن حضرت مسیح کی قسم مسلمان لڑکی کو میں نے نہیں ورغلایا۔"

خالد سمجھے کہ اس بڈھے رومی کو کچھ نہ کچھ عذرا کا حال معلوم ہے۔ انہیں یہ بھی خیال ہوا کہ کیا عجب ہے۔ جو عذرا ابھی اسی گاؤں میں ہو۔ اُنہوں نے برہم ہو کر کہا۔ بڈھے میاں! تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم عذرا کے ورغلانے میں ضرور شریک تھے۔

بڈھا گڑگڑانے لگا۔ اس نے کہا۔ حضور عالی! میں بالکل شریک نہیں تھا یہ کم بخت پادری لوگ ایسی ایسی ناشائستہ حرکتیں کر کے خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی پریشانی میں ڈالتے ہیں۔"

خالد اس گفتگو سے یہ سمجھے کہ عذرا کو ورغلانے یا اس کو ورغلا کر لانیوالے کی مدد کرنے میں کسی پادری کا ہاتھ بھی ہے۔ انہوں نے برافروختہ ہو کر کہا۔

دیکھو۔ ہمیں سب حال معلوم ہو گیا ہے۔ تم سچ سچ بتا دو۔ ورنہ......"

بڈھا رومی خالد کے پاؤں پر گر پڑا۔ خالد نے اسے اُٹھا کر کہا:۔ یہ کیا بیہودہ حرکت ہے! سیدھے کھڑے ہو کر بتاؤ۔ تمہیں عذرا کے متعلق کیا معلوم ہے؟"

بڈھا رومی خوف و دہشت سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اُس نے جواب دیا۔

حضور! اس گاؤں کے تمام باشندے بے قصور ہیں۔ حضرت مسیح کی قسم اس لڑکی کو ورغلانے کے لئے اس گاؤں سے کوئی نہیں گیا۔ حازم مرعش کے دو رومیوں کو لے گیا تھا......"

خالد حازم کا نام سنکر چونک پڑے وہ حازم کو جانتے تھے۔ اُنہوں نے قطع کلام کر کے دریافت کیا:۔ حازم اس لڑکی کو لایا ہے؟"

بڈھا رومی۔ جی ہاں وہی خبیث لایا تھا۔ وہ پادری نقیطا کے پاس ٹھہرا۔ نقیطا سادہ لوح پادری ہے۔ اس نے اسے ٹھہرا لیا۔

خالد یہ سمجھکر کہ عذرا ابھی اسی گاؤں میں موجود ہے۔ کسی قدر خوش ہوئے انہوں نے دریافت کیا۔ "یہ نفیطا کہاں رہتا ہے؟"

بڈھے رومی نے گرجہ کی طرف اشارہ کر کے کہا "اسی سامنے والے گرجہ میں"

خالد فوراً گرجہ کی طرف بڑھے۔ بڈھے نے انہیں روک کر کہا "حضور والا اب وہاں کیا رکھا ہے؟"

خالد رک گئے۔ انہوں نے دریافت کیا "کیا گرجہ میں نفیطا موجود نہیں ہے"

بڈھے رومی نے سنجیدگی سے جواب دیا "جی نہیں وہ تو رات ہی چلا گیا"

خالد کو یہ سنکر کمال افسوس ہوا۔ انہوں نے پھر دریافت کیا "اور وہ مسلمان لڑکی ؟"

یہ کہکر خالد نہایت بے چینی سے جواب کا انتظار کرنے لگے۔ رومی نے جواب دیا:

حضور اس لڑکی کو اور اس کے ساتھ تمام ننوں اور راہبوں کو بھی ہمراہ لے گیا"

خالد کو سخت رنج ہوا۔ انہوں نے پوچھا۔ اب گرجہ میں کون ہے؟"

بڈھا رومی۔ کوئی نہیں۔...... صبح جب ہم نماز پڑھنے کے لئے گئے تو گرجہ بالکل خالی تھا۔

خالد کچھ معلوم ہے کہ نفیطا کہاں چلا گیا؟

بڈھا رومی۔ سنا ہے۔ وہ انطاکیہ گیا ہے

خالد۔ وہ کس وقت گیا ہے۔

بڈھا رومی۔ یہ تو خدا ہی جانتا ہے۔ غالباً وہ رات ہی کو روانہ ہو گیا۔

اگرچہ خالد کو بڈھے رومی کی باتوں کا یقین ہو گیا تھا۔ اس نے جو کچھ اسے معلوم تھا۔ سچ سچ بیان کر دیا تھا۔ لیکن انہوں نے پھر بھی گرجہ کو اندر جا کر دیکھا

ضروری خیال کیا۔

انہوں نے ایک عرب سے مخاطب ہو کر کہا: "عبد اللہ تم اس بڈھے رومی کی نگہداشت رکھو۔ ہمیں گرجہ ضرور دیکھنا چاہیئے۔ ممکن ہے۔ ابھی عذرا گرجہ ہی میں موجود ہو۔ اور یہ رومی ہمیں دھوکا دینا چاہتا ہو۔ میری واپسی تک یہ کہیں جانے نہ پائے۔

بڈھے رومی نے کہا: "حضور......."

خالد نے ڈپٹ کر کہا: "خاموش رہو۔ میں گرجہ کو ضرور دیکھوں گا"

خالد گرجہ کی طرف بڑھے۔ چار پانچ مسلمان ان کے جلو میں چلے۔ یہ سب گرجہ کے اندر داخل ہوئے۔ اس وقت گرجہ کی تمام عمارتیں بالکل خالی تھیں انہوں نے اس گرجہ کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا۔ انہیں وہاں ایک متنفس بھی نہ ملا۔ مجبور ہو کر وہ لوٹ آئے۔ جس وقت خالد اور ان کے ہمراہی گرجہ سے باہر آئے تو انہوں نے بہت سے ضعیف العمر رومی مرد اور عورتوں کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ یہ سب بہت زیادہ مغموم۔ متفکر اور پریشان تھے۔ خالد کو دیکھتے ہی وہ سب رونے لگے۔ جب خالد ان کے قریب پہونچے تو وہ سب دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ایک رومی نے کہا: "حضور والا! ہم اس گاؤں کے سب باشندے بالکل بے قصور اور بے گناہ ہیں۔ نہ ہم کسی مسلمان لڑکی کو ورغلا کر لائے نہ ہماری ورغلانے والوں سے کوئی سازش تھی۔ نہ ہم نے کسی مسلمان لڑکی کو دیکھا۔ ہم پہ رحم کیجئے"

خالد ان رومیوں کو روتا ہوا دیکھ کر بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ انہوں نے کہا۔ تم گھبراؤ نہیں۔ ہم کسی پر ظلم نہ کریں گے۔ ہمیں یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ عذرا اس گاؤں میں لائی گئی۔ اور آج صبح ہونے سے پہلے انطاکیہ کی طرف روانہ کر دی گئی۔

اس رومی نے جواب دیا۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن میں حضرت مسیح کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ گاؤں والوں میں سے کسی کو بھی اس کے آنے اور جانے کی

خبر نہیں ہے۔"

خالد۔ لیکن نقیطا نے ننوں اور راہبوں کے لئے سواریوں کا انتظام کہاں سے کیا ہے؟"

وہی بڈھا رومی۔ اسی گاؤں سے آدھی رات کو وہ گاؤں میں گیا۔ اس نے کہا کہ انطاکیہ کے اسقفِ اعظم (لاٹ پادری) نے اسے اور تمام راہبوں اور ننوں کو طلب کیا ہے۔ سواریوں کا انتظام کر دیا جائے۔ ہم لوگ پادریوں کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ہم نے فوراً سواریوں کا انتظام کر دیا۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ گرجہ میں کسی مسلمان لڑکی کو لائے ہیں اور اسے لے کر انطاکیہ جا رہے ہیں۔ تو خدا کی قسم ہم ہرگز سواریوں کا بندوبست نہ کرتے۔ حضور والا! اگر اس پر بھی ہمیں مجرم ہی سمجھا جائے۔ تو ہم زرتاوان ادا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ گاؤں زیادہ خوشحال نہیں ہے۔ مگر ہم لوگ پھر بھی پانچسو دینار سرخ نذر کر سکتے ہیں۔

خالد یہ سنکر غور کرنے لگے۔ انہوں نے تھوڑی دیر کے بعد کہا: "رومیو! اگر ہم تمہارے اس بیان کو سچ بھی مان لیں۔ کہ تم لوگوں کو مسلمان لڑکی کے ورغلا کر لانے کی خبر نہیں ہے۔ اور تم اس سازش میں شریک نہیں رہے۔ تب بھی یہ ضرور ہے کہ تمہارے گاؤں کے گرجہ کا پادری اگر ورغلا کر لانے میں نہ سہی۔ لیکن یہاں سے انطاکیہ لے جانے میں ضرور شریک تھا۔ تمہارا یہ گاؤں دار الحرب میں داخل ہے تمہاری ہم سے صلح نہیں ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ اگر ایسا واقعہ غریب مسلمانوں کے ساتھ پیش آتا یعنی کسی عیسائی لڑکی کو مسلمان ورغلا لیتے تو عیسائی اس گاؤں کے مسلمانوں کو فوراً تہ تیغ کر ڈالتے۔ گاؤں میں آگ لگا دیتے۔ مگر ہم ایسا نہیں کریں گے۔ نہ تم سے زرتاوان لیں گے۔ تم ہم سے نہ ڈرو۔ نہ گھبراؤ۔ ہم تم سے صرف یہ چاہتے ہیں کہ تم ہمیں ایک ایسا رہبر دو جو تمام راستوں سے بخوبی واقف ہو اور وہ ہمیں کسی ایسے راستہ سے لے جائے جو قریب کا ہو۔ خواہ وہ دشوار گذار ہی ہو۔ تاکہ ہم راستہ ہی میں نقیطا اور اس کے ہمراہیوں کو پکڑ لیں۔"

رومی اس بات کو سنکر بہت زیادہ خوش ہوئے۔ انہوں نے صدق دل اور
خلوص نیت سے مسلمانوں کو دعائیں دیں۔ وہ سب مع رومی بڈھے کے جو خالد کو
سب سے پہلے ملا تھا۔ واپس چلے گئے۔ اور تھوڑی دیر میں گاؤں کے معزز رومی
مسلمانوں کے لئے کچھ تحائف لے کر آئے۔ مسلمانوں نے ان کا شکریہ ادا کرکے تحائف
لینے سے انکار کردیا۔ ان میں سے ایک رومی نے کہا "ہم لوگ آپ کے بہت زیادہ
مشکور ہیں۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ مسلمان ظالم۔ ڈاکو۔ اور ناخدا ترس ہیں۔ لیکن تجربہ
نے بتایا کہ یہ سب اتہامات ہیں۔ جو مسلم قوم کی طرف منسوب کئے جاتے یا کرائے جاتے
ہیں۔ ہماری قوم کے چند اوباش شریر اور بدمعاش لوگوں نے ایک مسلمان لڑکی کو
ورغلایا۔ وہ لڑکی اس گاؤں کے گرجہ میں رہی۔ اس گرجہ کا پادری اسے انطاکیہ
لے گیا۔ آپ کو یہ سب باتیں معلوم ہوگئیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ آپ غیض وغضب میں
اگر فوراً اس گاؤں کو برباد کردیتے۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ ہمارے
ساتھ نہایت شرافت اور انسانیت کا برتاؤ کیا ہے۔ اور ہم سے زرتاوان نہ لے
کر ہمیشہ کے لئے ہمیں اپنا غلام بنا لیا ہے۔ ہماری دل سے دعا ہے۔ کہ خدا
تمہیں ہرقل اعظم پر فتح دے۔ تم تمام شوریدہ سر لوگ کو شکست دو۔ ملک شام
میں شرق سے غرب تک تمہاری حکومت ہو۔ ہم اپنی قوم کی حکومت نہیں چاہتے
وہ ظالموں کی حکومت ہے۔ ہم تمہارے زیر حکومت رہنا چاہتے ہیں۔ تم
عادل۔ رحم دل اور خدا ترس ہو۔ ایسے ہی لوگ پھولا پھلا کرتے ہیں۔ ہم
اس نوجوان (ایک رومی کی طرف اشارہ کرکے) رومی کو لائے ہیں۔ اس کا نام
عورس ہے۔ یہ تمام راستوں سے بخوبی واقف ہے۔ آپ اس پر بھروسہ
کریں۔ یہ آپ کی رہبری کرے گا"

خالد نے رومیوں کا شکریہ ادا کیا۔ اور انہیں واپس جانے کی اجازت
دی۔ رومی چلے گئے۔ چونکہ اس جگہ اس لشکر کو ٹھہرے ہوئے عرصہ ہوگیا تھا۔
اس لئے دور سے تمام اسلامی لشکر آتا ہوا نظر آیا۔ اسلامی علم ہوا میں لہرا رہے تھے

دھوپ محلوں کے کلسوں پر لوٹ کر چمک پیدا کر رہی تھی۔ یہ لشکر بھی تیزی سے آ رہا تھا۔ مسلمان جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے اور نہایت تیز قدمی سے بڑھے چلے آ رہے تھے۔ وہ خالد کے لشکر کے قریب آکر رُکے۔ خالد بڑھ کر ابو عبیدہ کے پاس گئے اور اُن سے تمام واقعات بیان کئے۔ جو انہیں معلوم ہوئے تھے۔ ابو عبیدہ نے اس خیال سے کہ شاید وہ نفیطا اور ان کے ہمراہیوں کو راستہ ہی میں پکڑ لیں۔ فوراً عسکر اسلامیہ کو تیزی سے کوچ کرنے کا حکم دیا عورس رہبری کے لئے آگے آگے روانہ ہوا۔ مسلمان نہایت تیزی سے چل پڑے۔

رفتہ رفتہ تمام اسلامی لشکر کو عذرا کے عمدہ میں آنے اور وہاں سے آج صبح ہی انطاکیہ کی طرف روانہ ہونے کا حال معلوم ہو گیا۔ اور وہ اور بھی جوش و غضب میں بھر گئے۔ وہ چاہتے تھے۔ کہ ان کے پر لگ جائیں۔ اور وہ اڑ کر نفیطا کو جا پکڑیں۔ کبھی کوئی لشکر اس تیزی سے نہ چلا ہو گا جیسا اس وقت یہ عسکر اسلامیہ چل رہا تھا۔ یہ لشکر بہت جلد راوندان کی سرحد میں جا پہنچا راوندان ایک مشہور قلعہ تھا۔ اس قلعہ پر طاسیں حاکم تھا۔ وہ نہایت بہادر مدبر اور رعایا پرور تھا۔ جب اس نے اپنی سرحد میں مسلمانوں کے آنے کی خبر سنی تو مع اپنے اراکین سلطنت کے قلعہ سے چل کر مسلمانوں کی پیشوائی کے لئے حاضر ہوا۔ اس نے مسلمانوں سے ادائے جزیہ پر صلح کر لی۔ مسلمانوں کو طاسیں کی زبانی معلوم ہوا۔ کہ نفیطا یہاں آیا تھا۔ لیکن وہ انطاکیہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر مسلمان تیزی سے تعاقب کریں گے۔ تو ممکن ہے کہ اسے راستے ہی میں گرفتار کر لیں۔ یہ سنتے ہی تمام لشکر پھر تیزی سے روانہ ہوا۔ اب یہ لشکر ایک نہایت سرسبز و شاداب خطہ میں پہنچا۔ یہ خطہ نہایت پر بہار اور سرسبز تھا۔ قدرت نے تمام زمین کو لاجوردی خلعت عطا فرمایا تھا۔ جس طرف نظر جاتی تھی۔ سرسبز گھاس ہوا کے جھونکوں سے لہراتی ہوئی نظر آتی تھی۔

جب اسلامی لشکر اس پر بہار خطہ میں پہونچا تو آفتاب غروب ہونے کے قریب تھا غروب ہونے والے آفتاب کی زرد زرد کرنیں سبز سبز گھاس پر پڑتی ہوئی نہایت ہی دلفریب معلوم ہو رہی تھیں۔ اس خطہ میں کئی چشمے تھے۔ جو پیچ وخم کھاتے ہوئے اس خطہ کو سیراب کر رہے تھے۔ رومی اس خطہ کو بلاط کہتے تھے۔

سلمان اس جگہ اتر پڑے۔ انہوں نے جلد جلد خیمے اور شامیانے نصب کئے آفتاب غروب ہونے سے قبل یہ لشکر خیمہ زن ہو گیا۔ لوگوں نے اس فراخ میدان میں مغرب کی نماز پڑھی جب وہ نماز سے فارغ ہوئے اور مسلمان منتشر ہو کر اپنے اپنے خیموں کی طرف جانے لگے۔ ابو عبیدہ ابھی تک سبز سبز گھاس پر بیٹھے اس دلفریب خطہ کا نظارہ کر رہے تھے۔ کہ دفعتاً انہوں نے اس وادی کے ایک طرف شور وغل کی آواز سُنی۔ وہ اس طرف متوجہ ہو کر دیکھنے لگے۔ انہیں خیال ہوا۔ کہ مسلمانوں نے نقیطا اور اس کے ہمراہیوں کو گرفتار کر لیا ہے۔ یا اس کا سراغ لگا لیا ہے۔ اس خیال سے انہیں مسرت ہوئی۔ ان کی خواہش ہوئی۔ کہ جلد سے جلد انہیں اس شور وغل کی وجہ معلوم ہو جائے۔

اس وقت آفتاب کو غروب ہوئے عرصہ ہو گیا تھا رات کی تاریکی بتدریج دن کی روشنی کو معدوم کر کے اپنا تسلط بٹھا رہی تھی۔ دور کی چیزیں نظر آنی موقوف ہو گئی تھیں۔

جس طرف شور وغل ہو رہا تھا۔ اگرچہ وہ جگہ کچھ زیادہ دور نہ تھی۔ لیکن اندھیرا ہو جانے کی وجہ سے کچھ نظر نہ آتا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔

ابو عبیدہ کے پاس چند سربرآوردہ عرب مثل خالد میسرہ بن مسروق العبسی، رافع، مالک اشتر اور عامر وغیرہ بیٹھے تھے۔ ابو عبیدہ نے کہا۔

خدا جانے یہ شور وغل کیسا ہو رہا ہے۔"

خالد۔ خدا کو ہی خبر ہے۔ ممکن ہے کہ نقیطا پکڑا گیا ہو

ابو عبیدہ۔ میرا بھی ایسا ہی خیال ہے۔ خدا کرے کہ ہمیں عذرا مل جائے مجھ سے بھائی عامر کا غم نہیں دیکھا جاتا۔ ان کی حالت نہایت ناگفتہ بہ ہے

خالد۔ انسان کسی کے مرنے پر صبر کر سکتا ہے لیکن مفقود الخبر پر صبر نہیں کر سکتا۔

ابو عبیدہ۔ ٹھیک سچ ہے۔

اب چند مسلمان ایک رومی کے گرد حلقہ کئے ابو عبیدہ کے سامنے آئے ان میں سے ایک مسلمان نے کہا۔ یا سالار اعظم۔ یہ رومی لشکر میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہم اسے گرفتار کر لائے ہیں۔

ابو عبیدہ نے اس مسلمان سے دریافت کیا کچھ معلوم ہوا۔ کہ یہ آدمی کون ہے کہاں سے آیا ہے۔ کیوں اسلامی لشکر میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا؟

وہی مسلمان۔ جی اس سے دریافت کیا تھا۔ یہ بتاتا ہی نہیں۔ کہتا ہے۔ مجھے جو کچھ کہنا ہے۔ تمہارے سردار سے کہوں گا۔

ابو عبیدہ۔ اچھا اُسے آگے لاؤ۔

رومی خود ہی آگے بڑھا۔ اُس نے سالار اعظم کو سلام کیا۔ ابو عبیدہ نے اس سے دریافت کیا۔ "اے رومی برادر! تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟"

اس رومی نے جواب دیا۔ میں قاصد ہوں۔ انطاکیہ سے آرہا ہوں۔

تمام مسلمانوں کو یہ سنکر تعجب ہوا۔ ابو عبیدہ نے پھر اس سے دریافت کیا۔

"کیا تمہیں ہرقل اعظم نے بھیجا ہے؟"

وہی رومی۔ جی نہیں۔ میں یوقنا کا قاصد ہوں۔ ایک جاں بلب مسلمان کا پیغام لے کر آیا ہوں۔

ابو عبیدہ۔ رومی برادر بیٹھ جاؤ۔ کیا تمہارے پاس کوئی خط ہے؟

رومی بیٹھ گیا۔ اس نے ایک سربمہر خط نکال کر ابو عبیدہ کو دیا۔ ابو عبیدہ نے

خط کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ خط پڑھتے ہی پڑھتے ان کے آنسو جاری ہو گئے وہ تمام مسلمان جوان کے قریب بیٹھے تھے یا کھڑے تھے گھبرا گھبرا کر انہیں دیکھنے لگے جب وہ تمام خط پڑھ چکے تو انہوں نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا: "مسلمانوں غضب ہو گیا۔ سنگدل رومیوں نے ضرار کو زخمی کر دیا۔ ان کی حالت نہایت نازک ہے۔ یہ خط ضرار ہی کا ہے۔ انہوں نے اپنی حالت زار کا تذکرہ اشعار میں کیا ہے۔ خدا کی قسم اگر ضرار مر گئے۔ تو میں رومیوں سے ایسا ہی سخت انتقام لوں گا۔ کہ تمام دنیا تھرا جائے گی۔ سنو میں تمہیں ضرار کے اشعار سناتا ہوں۔ دیکھو کس قدر درد انگیز ہیں۔

ابو عبیدہ نے اشعار سنانے شروع کئے۔ ان اشعار کو سُنکر تمام مسلمانوں کے آنسو جاری ہو گئے۔ بہت سے لوگوں نے ان کے اشعار یاد کر لئے۔ ابو عبیدہ نے اشعار ختم کر کے قاصد سے مخاطب ہو کر کہا۔ اور جو کچھ حال تمہیں معلوم ہو مفصل سناؤ۔

غالباً ناظرین سمجھ گئے ہوں گے۔ یہ وہی قاصد تھا۔ جس کو یوقنا نے روانہ کیا تھا۔ اس نے تمام واقعات مسلمانوں کا قید ہو کر انطاکیہ پہنچنا۔ ہرقل اعظم اور رافع کی گفتگو ضرار کے زخمی ہونے اور یوقنا کا علاج کرنے کے مفصل طور پر کہہ سنائے۔ ان واقعات کو سُنکر مسلمانوں کو غصہ بھی آیا۔ اور رنج بھی ہوا۔

جب قاصد تمام واقعات سنا چکا۔ تو ابو عبیدہ نے اسے آرام کرنے کا حکم دیا۔ اور خود سراپردہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ سراپردہ قریب ہی تھا۔ وہ بہت جلد وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے پردہ گرائے جانے کا وہاں حکم دیا۔ تمام عورتوں کو ابو عبیدہ کے آنے کی اطلاع ہو گئی۔ چونکہ ابو عبیدہ اُس وقت سراپردہ میں جایا کرتے تھے۔ جب کوئی نئی بات ہوا کرتی تھی۔ اسی وجہ سے ان کے آنے کی اطلاع ہوتے ہی تمام عورتیں ایک جگہ جمع ہو جایا کرتی تھیں۔ اور ابو عبیدہ کو جو کچھ کہنا ہوتا تھا۔ کہہ دیا کرتے تھے۔ آج بھی ان کی آمد کی اطلاع ہوتے ہی

عورتیں ایک جگہ جمع ہونے لگیں۔ چند دیرینہ سال عورتیں پردہ کے انتظام میں لگ گئیں۔

لیلےٰ بھی اب سراپردہ میں رہنے لگی تھی۔ وہ بھی ابو عبیدہ کے آنے کی خبر سنکر اس لئے آگئی تھی۔ کہ شاید عذرا کی کوئی خبر معلوم ہو سکے۔

لیلیٰ اب پہلی سی نہیں رہی تھی۔ وہ نہایت نقیہہ اور کمزور ہو گئی تھی۔ عذرا کی گم شدگی کے ناقابل برداشت صدمہ نے اسے گھلا دیا تھا۔ وہ اکثر عذرا کو یاد کر کے رو تی رہا کرتی تھی۔ اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ اس کے چہرہ پر ہر وقت مایوسی اور حسرت برستی رہتی تھی۔ جب کبھی اسے عذرا یا قیس کی یاد آتی تو وہ اس قدر روتی کہ اس کا دل الٹنے لگتا۔ عربی عورتیں ہر وقت اسے تسلی اور دلاسا دیتی رہتی تھیں۔ اگر عورتیں پاس نہ ہوتیں۔ تو وہ یقیناً دیوانہ ہو جاتی۔ اسے یہ معلوم ہو گیا تھا۔ کہ ایک رات عذرا غمہ میں رہی تھی اور غمہ کے گرجہ کا پادری اسے انطاکیہ لیجا رہا تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اسلامی لشکر اس پادری کا بھی تعاقب کر رہا تھا

تھوڑی ہی دیر میں پردہ ہو گیا۔ ابو عبیدہ اندر بلا لئے گئے۔ وہ پردہ کے قریب بیٹھ گئے ان کے بیٹھتے ہی لیلےٰ نے دریافت کیا۔

" امین الامتہ! میری عذرا مل گئی؟"

اس مختصر فقرہ میں اس قدر درد و حسرت کوٹ کوٹ کر بھرے تھے کہ امیر الامت بھی ضبط نہ کر سکے بے اختیار ان کے آنسو نکل آئے۔

غمزدہ لیلےٰ امید و بیم کی نظروں سے دیکھکر جواب کا انتظار کرنے لگی۔ جب اسے کوئی جواب نہ ملا۔ تو اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہائے کیا میری عذرا نہیں ملی؟ آہ کیا تم اس کے متعلق کوئی اور غم اندوز خبر سنانے آئے ہو؟ ہا اے خدا اب میں کیا کروں۔ ضبط و صبر کی تو کیا اب مجھ میں رونے اور غم کرنے کی بھی طاقت نہیں رہی .... لیکن نہیں میں سنوں گی

اپنی پیاری بیٹی کے متعلق ہر خبر سنوں گی۔ چاہے میرا کلیجہ خوف غم سے پھٹ ہی کیوں نہ جائے۔ یا امین الامت! فرمایئے آپ کیا کہنے آئے ہیں؟"

لیلیٰ نے یہ فقرے کچھ ایسے درد بھرے لہجے میں ادا کئے۔ کہ تمام عورتیں سنکر رونے لگیں۔ ابو عبیدہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

"لیلےٰ اس قدر غم نہ کرو۔ تمہاری درد بھری باتیں کلیجہ کے ٹکڑے کئے دیتی ہیں۔ ضبط و صبر سے کام لو۔ خدا سے بہتری کی امید رکھو۔"

لیلے نے غم اندوز نظروں سے دیکھ کر کہا۔ یا امین الامت! میں خدا کے خوف ہی کی وجہ سے چپ ہوں۔ ورنہ اب تک کبھی کی کپڑے پھاڑ کر اپنی عذرا کو ڈھونڈھنے نکل گئی ہوتی۔

ابو عبیدہ۔ خدا تمہیں نیک اجر دے گا۔ ابھی عذرا نہیں ملی۔ نہ اس کے متعلق کوئی اور نئی خبر معلوم ہوئی ہے۔ ہم اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ خدا کی ذات سے امید ہے۔ کہ ہم ضرور عذرا کو پالیں گے۔ اس وقت میں ضرار کے متعلق کچھ کہنے آیا ہوں۔ ابھی اُن کے پاس سے ایک قاصد آیا ہے بیٹی خولہ کہاں ہے؟

قاصد کے آنے کی خبر سنکر تمام عورتیں جن کے عزیز و اقارب ضرار کے ہمراہ گرفتار ہو گئے تھے۔ امید و بیم کی نظروں سے دیکھنے لگیں۔ خولہ اُٹھ کر پردہ کے قریب آ گئی۔ اس نے کہا۔ یا امین الامتہ! میں حاضر ہوں۔"

ابو عبیدہ نے تسلی آمیز لہجہ میں

"بیٹی خولہ! یہ دنیا دار محن ہے۔ اس میں کسی کو بھی بےفکری اور فارغ البالی نہیں ہے۔ ہم مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ خوشی ہو یا غم سب خدا کی طرف سے نازل ہوتے ہیں۔ انسان کو چاہئے۔ کہ ہر حال میں خدا کا شکر کرے۔

ابو عبیدہ خاموش ہو گئے۔ خولہ اس انداز سے یہ سمجھ گئی۔ کہ وہ ضرار کے متعلق کوئی نہایت غمزدہ خبر سننے والی۔ اس کا دل غم و درد سے دھکنے لگا

ابو عبیدہ نے پھر کہا:" بیٹی خولہ! سنگدل رومیوں نے ضرار کو زخمی کر دیا ہے انھوں نے اپنی کیفیت اشعار میں لکھ کر بھیجی ہے۔ اگر زیادہ رنج و غم نہ کرو اور صبر و سکون سے سنو تو میں سناؤں۔

خولہ اس جانکاہ خبر کو سنکر بہت زیادہ غمزدہ ہو گئی۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں درد و حسرت کوٹ کوٹ کر بھر گئی۔ اس لئے پھر بھی مردانہ وار ضبط کر کے بھرائی ہوئی آواز سے کہا:۔

یا امین الامتہ! میں ضبط و صبر سے کام لوں گی۔ آپ مجھے میرے بھائی کے اشعار سنادیں۔"

اب ابو عبیدہ نے اشعار پڑھنے شروع کئے تمام عورتیں توجہ اور غور سے سننے لگیں۔ اس زمانہ میں عربوں میں شعر و شاعری کا چرچا زیادہ تھا۔ مرد تو مرد عورتیں بھی اشعار کہہ لیا کرتی تھیں۔ ایک معنوں میں شرافت کا طرہ امتیاز ہی شاعری تھا۔ ہر شریف کے لئے شعر کہنا اور شعر سمجھنا ضروری تھا۔

تمام عورتیں اشعار سن سنکر رو رہی تھیں۔ دفور غم سے ان کے کلیجے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے۔ خولہ کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی تھی۔ اگرچہ وہ ضبط کر رہی تھی۔ مگر فرط غم و درد سے اُس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا کلیجہ مسوس رکھا تھا۔ جب ابو عبیدہ نے اشعار ختم کئے اور وہ خاموش ہو گئے۔ اور سسکیوں کی آواز سے فضا گونجنے لگی۔

ابو عبیدہ نے کہا۔

"محترم خواتین! ضبط و صبر سے کام لو۔ خدا اپنے نیک بندوں کا امتحان لیا کرتا ہے۔ آج وہ مسلمانوں کا امتحان لے رہا ہے ہمیں اس امتحان میں پورا اترنا چاہیئے اگر ہم اس کی رضا پر راضی ہو گئے تو وہ ہم سے خوش ہو جائے گا۔ اور اس کی خوشی پر ہماری خوشی کا انحصار ہے۔"

خولہ نے ایک گہرا سانس لے کر درد بھرے لہجہ میں کہا:۔

آہ۔ میرے بھائی!...... ہائے ظالموں نے تمہیں زخمی کر دیا۔ افسوس میں تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتی۔ تم وطن سے دور دیارِ غیر میں بیکس و بے بس زخم خوردہ پڑے۔ کاش میں تمہارے پاس ہوتی۔ تمہاری خدمت کرتی اور اپنے آنسوؤں سے تمہارے زخم دھوتی۔ مگر نہیں۔ ہم عورتوں پر سوائے رونے کے کچھ بن نہیں پڑتا۔ ذرا سی بات ہوئی۔ اور ہماری آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا رواں ہو گیا۔ میں اب نہ روؤں گی۔ اور ہرگز نہ روؤں گی رونے سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر اپنی بہنوں کے سامنے امین الامتہ کے روبرو فرشتوں کو گواہ کر کے عہد کرتی ہوں۔ کہ رومیوں سے تمہارا انتقام لوں گی۔ میرے انتقام کی آگ نہایت تیز اور شعلہ فشاں ہو گی۔ میں تمہارے ایک ایک زخم کے عوض دس دس رومیوں کو قتل کروں گی۔ خداوندا! مجھ کو صبر و ضبط عطا فرما۔ مجھے طاقت دے کہ میں اپنے بھائی کا انتقام لے سکوں۔"

اب خولہ نے رونا موقوف کر دیا۔ اُس نے آنسو پونچھ ڈالے۔ اس وقت اس کے پیارے چہرے پر جوش و شجاعت کے گل انار جیسی سرخی جھلک آئی۔ اس نے کہا۔ لاحول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ لاخذن ثارہ۔

ترجمہ: نہیں ہے قوت و طاقت مگر ساتھ اللہ بزرگ و برتر کے خدا کی قسم میں ضرور ان (ضرار) کا رومیوں سے انتقام لونگی۔

ابو عبیدہ نے کہا۔ "شاباش! عرب کی سرمایہ ناز لڑکی شاباش!! ہمیں سب کو رونا دھونا موقوف کر کے انتقام کے لئے تیار ہو جانا چاہیے۔ اب تم سب ضبط و صبر کرو۔ اور اس وقت کا انتظار کرو۔ جب انطاکیہ پہونچ کر عالم گیر جنگ کا آغاز ہو۔ اس وقت ہمیں اپنے جوش و شجاعت کے اظہار کا موقع ملے گا۔ اگر ہم غم و درد سے مغلوب ہو کر کمزور ہو گئے تو کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ چونکہ عشا کی اذان ہو رہی ہے۔ اس لئے اب میں واپس جاتا ہوں۔ ہم

سب ضرار کی صحتیابی اور اپنے ۲۰۰ بھائیوں کی رہائی کی دعا کریں گے۔ تم بھی دعا مانگو۔ خدا بہتر کرے گا۔

اس وقت عساکر اسلامیہ کے شمالی گوشے سے اذان کی نہایت دل آویز آواز آ رہی تھی۔ کوئی خوش الحان عرب دادی لہجہ میں اذان دے رہا تھا اذان کی پیاری آواز نہایت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ ابو عبیدہ اٹھ کر واپس چلے گئے۔ عورتوں نے وضو کر کے نماز پڑھی نماز پڑھ کر سب نے نہایت خضوع و خشوع سے ضرار کی صحتیابی اور دو سو مسلمانوں کی رہائی کی دعا مانگی۔ دعا مانگ کر یہ سب اپنے اپنے خیموں میں چلی گئیں۔

وہ رات مسلمان عورتوں اور مردوں نے تڑپ تڑپ کر بسر کی۔ صبح ہوتے ہی انہوں نے صبح کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی ابو عبیدہ نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے جلد جلد کوچ کی تیاری کی۔ تقریباً چار گھڑی دن چڑھے عسکر اسلامیہ تیزی کے ساتھ انطاکیہ کی طرف روانہ ہوا۔

سولھواں باب

مقدس قافلہ

لے چلو ہم کو جدھر جائیں گے بے چون و چرا
مسلک اہل رضا جادۂ تقویٰ ہے یہی

نصطیا مع اپنے رفقا کے نہایت تیزی سے سفر کر رہا تھا۔ خچروں پر اسباب لدا ہوا تھا۔ اسباب کے اوپر ایک ایک راہب بیٹھا تھا۔ ایک گھوڑے پر دو دو تین تین سواریاں تھیں۔ چونکہ آدمی زیادہ تھے۔ سواریاں کم تھیں۔ اس لئے بہت سے راہب پیدل ہی چل رہے تھے۔ ان کو مسلمانوں کے آنے کا

دھڑکا لگا ہوا تھا۔ وہ خوف زدہ نظروں سے اپنی پشت کی طرف دیکھ کر بھاگا بھاگ چلے جا رہے تھے۔ جب وہ پیادہ پا چلنے والے راہب تھک جاتے تھے۔ تو وہ خچروں پر سوار ہو جاتے تھے۔ اور خچروں پر بیٹھنے والے پیدل چلنے لگتے تھے بھاگ دوڑ کرتے ہوئے وہ دوپہر کے وقت ایک گاؤں میں سواریوں کا انتظام کرنے چلا گیا۔ وہ گاؤں کے مکھیا کے پاس پہنچا۔ مکھیا اُسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔ اس نے زمین بوس ہو کر سلام کیا۔ اور کھڑا ہو کر پادری کے ہاتھوں کو بوسہ دیکر بولا۔

مقدس باپ! اس وقت آپ پریشان کیوں ہیں؟"

نقیطا نے جواب دیا۔ عمہ پر مسلمانوں نے حملہ کر دیا ہے۔ میں گرجہ کے تمام راہبوں اور ننوں کو لے کر نکل آیا ہوں۔ ہمارے پاس جانور کم ہیں۔ آدمی زیادہ ہیں۔ ہم تیزی سے سفر نہیں کر سکتے۔ اندیشہ ہے کہ کہیں وحشی عرب ہمارا تعاقب کر کے ہمیں گرفتار نہ کر لیں۔ اس لئے ....."

مکھیا عمہ پر مسلمانوں کی حملہ آوری کا حال سُنکر خوفزدہ ہو گیا۔ اس کے چہرہ کا رنگ اڑ گیا۔ اس خوف و دہشت کی یہ وجہ تھی۔ کہ عمہ سے آگے بڑھ کر میرۃ ہی تھا۔ اسے اندیشہ ہوا کہ مسلمان عمہ سے بڑھ کر میرۃ پر بھی تاخت و تاراج کریں گے۔ مگر رومی پادریوں کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ ان کی کوئی بات مسترد نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے مکھیا نے قطع کلام کر کے کہا۔" اس لئے آپ اس گاؤں میں پوشیدہ ہونا چاہتے ہیں؟"

نقیطا۔ نہیں۔ اس گاؤں میں ہم پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔ ہم انطاکیہ جانا چاہتے ہیں۔ وہیں ہمیں پناہ مل سکتی ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ ہمارے ساتھ جو لوگ پیدل ہیں۔ ان کے لئے سواریوں کا انتظام ہو جائے۔

مکھیا! نہایت خوشی سے۔ ہم اس خدمت کو انجام دیں گے۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ وحشی مسلمان اس خبر کو سنکر کہ ہم نے تمہاری مدد کی ہے بہت

زیادہ برافروختہ خاطر ہوں گے۔ لیکن ہم اپنی جان کے خوف کی وجہ سے اپنے مذہبی مقتداؤں کی مدد سے باز نہیں رہ سکتے۔ فرمایئے کس قدر گھوڑوں کی ضرورت ہے۔

نقیطا۔ کم سے کم پچاس گھوڑے درکار ہیں۔

مکھیا متحیر و متفکر ہوا۔ اُس نے کہا "پچاس"! اس قدر گھوڑے اسس گاؤں میں ملنے دشوار ہیں۔ ابھی ایک ہفتہ ہوا۔ کہ اس چھوٹے گاؤں سے ۲۰۰ والنٹیرڈ (رضاکار) بھرتی کر کے عظیم روم (ہرقل اعظم کی خدمت میں بھیجے گئے ہیں۔ ان سب کے لئے اس گاؤں سے گھوڑے فراہم کئے گئے تھے۔ اب اس گاؤں میں بہت کم گھوڑے رہ گئے ہیں۔ پھر بھی جس قدر مل سکیں گے میں لے کر حاضر ہوتا ہوں

نقیطا۔ مکھیا کو تعجب خیز نظروں سے دیکھ کر اس کی گفتگو سن رہا تھا۔ جب وہ خاموش ہوا۔ تو نقیطا نے دریافت کیا:۔

"یہ دو سو رضاکار کس لئے بھیجے گئے ہیں ؟"

مکھیا۔ عظیم روم نے تمام قلمرو سے رضاکاروں کو بھرتی کیا ہے۔ یہ سب مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے فراہم کئے گئے ہیں۔ اس وقت انطاکیہ میں ۱۰ لاکھ سے زیادہ سرفروشوں کا مجمع ہو گیا ہے۔ حضرت مسیح نے چاہا۔ تو مسلمانوں کو اس مرتبہ کامل شکست ہو گی۔

نقیطا۔ خدا اور خداوند مسلمانوں پر اپنا غضب نازل کریں۔ تمہاری کنواری بہنیں (ننیں) اور راہب گاؤں سے باہر کھڑے انتظار کر رہے ہیں میں ان کے پاس جا رہا ہوں۔ تم جلد سے جلد گھوڑے لیکر وہیں آجاؤ۔

"بہت اچھا" مکھیا نے کہا اور اپنے کام پر روانہ ہو گیا۔

نقیطا آہستہ آہستہ چل کر قافلہ کے پاس آیا۔ اس وقت یہ سب قافلے والے خچروں اور گھوڑوں سے اُتر کر گھاس پر بیٹھ گئے تھے اور گھوڑے

اور خچر یا تو سستا رہے تھے یا چر رہے تھے۔

جب گاؤں والوں کو اس مقدس قافلہ کے آنے کا حال معلوم ہوا تو وہ جوشِ عقیدت سے ننوں اور راہبوں کی زیارت کے لئے دوڑ پڑے۔ تمام عورتیں، مرد اور بچے امنڈ آئے یہ سب اپنے اپنے گھروں سے اچھی اچھی کھانے کی چیزیں اس پاکباز قافلہ کی نذر کے لئے لے کر آ رہے تھے۔

ننوں اور راہبوں نے ان گاؤں والوں کو آتے ہوئے دیکھا۔ وہ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ گاؤں والے ان کے قریب آئے۔ وہ تعظیم کے لئے ان کے سامنے سجدہ میں گر پڑے۔ سجدہ سے اُٹھکر وہ بڑھے اور ننوں اور راہبوں کے ہاتھوں اور دامنوں پر بوسے دینے لگے۔ جو عورتیں اپنے ساتھ بچوں کو لائی تھیں۔ اُنھوں نے بچوں کو راہبوں کے سامنے کر دیا راہبوں نے دعا پڑھ پڑھ کر دم کی۔ عورتیں ان کے دامنوں کی ہوا اپنے بچوں کو دینے لگیں۔ اس سے فارغ ہو کر اُنھوں نے نذریں گذرانیں۔ راہبوں اور ننوں نے نہایت خندہ پیشانی سے نذریں قبول کیں۔ تھوڑی ہی دیر میں مکھیا بھی گھوڑے لے کر آ گیا۔ اس کے ساتھ ۳۰ گھوڑے تھے۔ اس نے گھوڑے نقیطا کے سامنے پیش کئے۔ نقیطا نے راہبوں اور ننوں میں تقسیم کر دیئے۔ یہ سب گھوڑوں اور خچروں پر سوار ہوئے۔ اب سب کے پاس سواریاں ہو گئی تھیں وہ آہستہ آہستہ انطاکیہ کی طرف چلے۔ گاؤں والوں نے سجدہ کر کے انہیں سلام کیا۔ سجدہ سے اُٹھکر گاؤں والے واپس چلے گئے۔ اور یہ مقدس قافلہ کسی قدر تیزی سے روانہ ہوا۔ راستہ میں گھوڑوں اور خچروں پر بیٹھے ہی بیٹھے جو کچھ نذر و نیاز میں انہیں دی گئی تھیں۔ وہ کھانے لگے۔ وہ متواتر سفر کر کے روندان پہنچے۔ یہاں اُنھوں نے ایک دن قیام کیا اس قیام کرنے سے ان کی کسلمندی دور ہوئی۔ ان کے پاس جو جانور تھے

وہ تھک کر چور ہو گئے۔ اس لئے انہوں نے یہاں تمام جانور تبدیل کئے اور دوسرے روز علی الصباح پھر روانہ ہو گئے۔ چونکہ انہیں مسلمانوں کے آنے کا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا اس لئے مارا مار چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ عم میں پہنچے عم ایک مشہور شہر تھا۔ اس کے قریب ہی قلعہ تھا۔ قلعہ کا نام بھی عم ہی تھا۔ شہر عم کی چار دیواری تھی۔ اس کے چاروں طرف بڑے بڑے چار دروازے تھے۔ نقیطا کا قافلہ رات کے وقت عم کے قریب پہنچا۔ رات ہو جانے کی وجہ سے شہر کے دروازے بند ہو گئے تھے۔ آٹھ بجتے ہی دروازے بند کر دیئے جاتے تھے۔ اور پھر کسی کے لئے بھی صبح تک نہ کھلتے تھے۔ یہ اس لئے تھا۔ کہ مسلمانوں کے آنے کا عم کے عیسائیوں کو اندیشہ لگا رہتا تھا۔

نقیطا درختوں کے سایہ میں قلعہ اور شہر سے باہر ہی پڑا رہا۔ صبح وہ بہت سویرے بیدار ہو کر پھر روانہ ہو گئے اور رات دن سفر کر کے ارتاج پہنچے ارتاج ایک فلک رفعت قلعہ تھا۔ وہ نہایت مضبوط اور وسیع تھا۔ اس قلعہ کا حاکم نہایت بہادر۔ ذی عقل اور دور اندیش تھا۔ اس نے حفظ ماتقدم کے لئے ہزاروں سوار بھرتی کر لئے تھے۔ پہلے بھی اس کے پاس کافی لشکر تھا۔ اور ارتاج پر مسلمانوں سے لڑنا چاہتا تھا۔ اس نے قلعہ کی مرمت کرائی تھی۔ ذخیرہ رسد فراہم کر لیا تھا۔ اگرچہ یہ قلعہ نہایت مضبوط اور ہر طرح امن و امان کی جگہ تھی۔ اس قلعے کے حاکم نے نقیطا سے یہاں قیام کرنے کے لئے کہا۔ لیکن وہ مسلمانوں سے کچھ ایسا ڈرا تھا۔ کہ اس قلعہ میں رہنے پر راضی نہ ہوا۔ صرف ایک دن قیام کر کے دوسرے روز بہت سویرے روانہ ہو گیا۔

اس رات دن کے سفر کرنے کی وجہ سے باربرداری اور سواری کے جانور شکستہ ہو گئے تھے۔ باندی اور ہنیں مضمحل ہو گئی تھیں۔ خود نقیطا بھی بہت کچھ تھک گیا تھا۔ انہیں سب کو آرام کرنے کی سخت ضرورت تھی۔ مگر نقیطا کو

چلنے ہی کی دھن تھی۔ وہ اس فکر میں تھا۔ کہ کسی طرح جلدی سے انطاکیہ پہنچ جائے
وہ جانتا تھا۔ کہ انطاکیہ ہی پہنچکر وہ کسی قدر مسلمانوں کی دست برد سے
محفوظ رہ سکتا ہے۔ آخر خدا خدا کرکے وہ لوہے کے پل پر پہنچا۔

یہ لوہے کا پل ایک عظیم الشان بحر ذخار پر نہایت وسیع اور مضبوط
بنایا گیا تھا۔ اس پل پر دونوں طرف راستوں کے دونوں سروں پر نہایت
کشادہ اور بلند برج بنے ہوئے تھے۔ یہ برج اس قدر فراخ تھے۔ کہ
چھوٹے چھوٹے قلعے معلوم ہوتے تھے۔ امن واماں کے زمانہ میں یہ برج
خالی پڑے رہتے تھے۔ لیکن زمانہ جنگ میں ان میں رومی فوج آجاتی تھی
جو اس پل کی حفاظت کرتی تھی۔

انطاکیہ جانے کے لئے سوائے اس پل کے اور کوئی راستہ نہیں تھا
چونکہ انطاکیہ پر اسلامی لشکر کے حملہ آور ہوتے کی خبر گرم تھی۔ اس پُل کے
حفاظت کے لئے کثیر التعداد رومی فوج برجوں میں آگئی تھی۔

رومیوں کو یہ معلوم تھا۔ کہ مسلمانوں کے جاسوس انطاکیہ میں آرہے
ہیں۔ یہ جاسوس ان کے ہمقوم اور ان کے ہموطن تھے۔ اس لئے اس پل
کے محافظ لشکر کے سردار نے نہایت سختی سے نگہداشت کردی تھی۔ وہ
کسی شخص کو بھی پل سے اس وقت تک عبور نہ کرنے دیتا۔ جب تک اسے
یہ یقین نہ ہو جاتا۔ کہ وہ جاسوس نہیں ہے۔ جس وقت نقیطا معہ اپنے
قافلہ کے لوہے کے پل پر پہنچا۔ تو پل کے محافظوں نے روک کر اس کے
حال کی تفتیش شروع کردی۔ نقیطا نے اپنی تمام کیفیت کہہ سنائی۔ پھر بھی
مزید احتیاط کی بنا پر افسران فوج نے فرداً فرداً ہرمن اور راہب سے
استفسار حال کیا۔ جب انہوں نے سب کو متفق اللفظ پایا۔ اور انہیں یقین
ہو گیا۔ کہ وہ لوگ جاسوس نہیں ہیں۔ تب اس قافلہ کو پل عبور کرنے کی
اجازت دیدی گئی۔

نقیطا اور اس کا تھکا ماندہ قافلہ پل عبور کر کے انطاکیہ کی حدود میں داخل ہوا۔ پل کی دوسری طرف نہایت وسیع اور سرسبز و شاداب میدان تھا۔ یہ میدان پندرہ میل سے بھی زیادہ طویل اور اسی قدر عریض تھا۔ یہاں سے انطاکیہ تک کوئی گاؤں یا قصبہ نہ تھا۔ محض کھلا ہوا سبزہ زار میدان تھا۔ اس میدان میں متعدد نہایت دلفریب نیچرل مناظر تھے چھوٹی چھوٹی سبزہ سے لدی ہوئی پہاڑیاں تھیں۔ پھول کھلے ہوئے تھے۔ متعدد آبشار تھے۔ ایک نہایت وسیع نہر چشموں سے کاٹ کر لائی گئی تھی۔ جو اس تمام خطہ کو سیراب کرتی تھی۔ بہت سے چھوٹے چھوٹے باغیچے تھے۔ کہیں کہیں بڑے بڑے اور چھتارے درختوں کے جھنڈ اور باغ تھے۔ آبشار کے نزدیک چمنستان تھے۔ ان چمنستانوں میں رنگ برنگ کے خوشبودار پھول کھل کھل کر تمام وادی اور آس پاس کی زمین کو مہکاتے رہتے تھے۔ آبشاروں سے گرنے والا پانی چھوٹی چھوٹی نالیوں کے ذریعہ سے گرد و نواح کی وادی کو سیراب کرتا رہتا تھا۔ یہ وسیع میدان کچھ ایسا پر فضا اور دل فریب تھا۔ کہ قدرتی مناظر سے دلچسپی رکھنے والا انسان یہاں آ کر محو حیرت رہ جاتا تھا۔

عذرا خوبصورت چڑیا کی طرح ان کے ہاتھوں میں گرفتار تھی۔ اُسے اپنی گرفتاری اور عزیزوں سے چھٹنے کا نہایت ہی رنج و قلق تھا۔ وہ سخت افسردہ خاطر تھی۔ اس کا پیارا پیارا چہرہ پژمردہ ہو گیا تھا۔ موہنی آنکھوں سے حسرت و یاس ہویدا تھے۔ جب اسکا کسی کی طرف حسرت بھری نگاہوں کا گہرا اثر پڑتا تھا۔ باوجودیکہ وہ سخت متفکر اور مغموم تھی۔ غم و فکر اور رنج و قلق نے اسے نحیف و ناتوان کر دیا تھا۔ اس کے پھول کی طرح سرسبز اور شاداب رخسارے مرجھا گئے تھے۔

ایلیا ہر وقت اس کی دلدہی کرتی رہتی تھی۔ وہ خود بھی ہنستی اور عذرا کو بھی

ہنسانے کی کوشش کرتی۔ کبھی کبھی عذرا بھی اس کا دل رکھنے کے لئے اپنی طبیعت پر جبر کر کے مسکرا دیتی لیکن اس کے اس تبسم میں سیکڑوں حسرتیں۔ اور حسرتوں میں ہزاروں درد ہوتے تھے۔

عذرا نے یہ سنا تھا کہ قیس کو گرفتار کر کے انطاکیہ بھیجا گیا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ بھی انطاکیہ لیجائی جارہی ہے۔ اسے انطاکیہ پہنچنے کی اس لئے کسی قدر خوشی تھی کہ شاید اُسے وہاں قیس کی صورت نظر آجائے۔ یا کسی ذریعہ سے اس کا کچھ حال معلوم ہو سکے۔

اس تمام سفر میں حازم یا مرقش کو عذرا سے گفتگو کرنے کا موقع نہ مل سکا عذرا کو ان دونوں کی صورتوں سے نفرت ہوگئی تھی۔ وہ ان دونوں سے الگ تھلگ رہتی تھی۔ اور انہیں بات کرنے کا موقع نہ دیتی تھی۔ اس کے علاوہ نقیطا بھی نگہداشت رکھتا تھا۔

یہ قافلہ ایک روز اس میدان میں قیام کر کے دوسرے روز تقریباً بارہ بجے دوپہر کو انطاکیہ پہنچا۔

انطاکیہ نہایت صاف ستھرا اور پاکیزہ شہر تھا۔ اس کی عمارتیں صاف و شفاف اور بلند و وسیع تھیں۔ سڑکیں کشادہ تھیں۔ بازار نہایت نفیس تھے صفائی کا یہ حال تھا کہ بازاروں یا عام راستوں کا تو ذکر ہی کیا گلی اور کوچوں میں بھی خس و خاشاک کا نام نہیں تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ انطاکیہ کے باشندے بہت زیادہ صفائی پسند تھے۔ وہ سبزہ اور پھولوں سے بھی شوق و شغف رکھتے تھے۔ بازاروں میں جگہ جگہ پارک بنے ہوئے تھے و دروبہ چار یا ساڑھے چار فٹ چوڑی سبزہ زار پٹری تھی۔ اس تمام پٹری پر پھولوں کے پودے اس کثرت سے کھڑے تھے۔ کہ ان کی خوشبو سے تمام بازار معطر رہتا تھا۔

جب یہ قافلہ دروازے کو عبور کر کے چار دیواری سے گزر کر شہر میں پہنچا

اور انطاکیہ کے باشندوں نے اُسے دیکھا۔ تو وہ اس کا استقبال کرنے کے لئے دوڑ پڑے۔ انہوں نے نہایت عزت واحترام سے اس قافلہ کا خیر مقدم کیا۔ رومی عورتوں مردوں اور بچوں کا قافلہ کے گرد اس قدر ہجوم ہو گیا۔ کہ راستہ چلنا دشوار معلوم ہونے لگا۔ عوام الناس نے مقدس راہبوں اور ننوں کے ہاتھوں اور دامنوں کو بوسے دینے شروع کئے بڑی مشکل سے قدم قدم چل کر یہ قافلہ ایک بڑے گرجہ میں داخل ہوا۔ تمام استقبال کرنے والے گرجہ سے باہر ہی رہ گئے۔

یہ گرجہ نہایت عظیم الشان بہت زیادہ وسیع اور بہت کچھ فراخ تھا۔ اس کا نام کنیسہ قسیین تھا۔ اس کا بیرونی احاطہ تقریباً ۲ میل مربع تھا۔ اس احاطہ کے اندر متعدد باغ اور باغیچے تھے ہر قسم کے پھل اور پھولدار درخت اور پودے تھے۔ کئی مرغزار تھے۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سے یہ تمام احاطہ ہر وقت مہکا رہتا تھا۔ اس احاطہ کے وسط میں گرجہ کی شاندار عمارت تھی۔ یہ عمارت نہایت خوبصورت اور صنعت کی بہترین صنعت کا نمونہ تھی۔ اس عمارت کو دیکھنے کے لئے دور دور سے سیاح آتے تھے۔ اس عمارت میں سیکڑوں خوبصورت کمرے بنے ہوئے تھے۔ ایک بڑا کمرہ جو ہال کے نام سے موسوم تھا اس قدر وسیع تھا۔ کہ اس میں ۴۔ ۵ ہزار آدمی نہایت آرام اور آسانی سے آجاتے تھے۔ اس کمرہ میں اسقف اعظم (سب سے بڑا پادری) وعظ کہا کرتا تھا۔ باقی کمروں میں راہب اور ننیں رہتی تھیں۔ اس عمارت کے چاروں طرف ایک ایک فرلانگ مربع میدان تھے ان میدانوں میں سرسبز گھاس کھڑی تھی۔ روشوں پر خوشرنگ اور خوشبودار پھولوں کے پودے تھے۔ صبح اور شام کے وقت راہب اور ننیں ان میدانوں میں لیٹا بیٹھا یا چہل قدمی کیا کرتے تھے۔

اس احاطہ میں نصیتا اور اس کے قافلہ کے داخل ہوتے ہی سیکڑوں

ننیں اور راہب ان کے استقبال کے لئے دوڑے آئے۔ قافلے والے استقبال کرنے والوں کو آتے ہوئے دیکھکر گھوڑوں اور خچروں پر سے اُتر پڑے۔ یہ سب ایک دوسرے سے بغل گیر ہو ہو کر ملے۔ ان کے جانوروں کو علیحدہ بارگوں میں بندھوا دیا گیا۔ اور ان کو خالی کمروں میں جگہ دی گئی۔ ایلیا اور عذرا ایک ہی کمرہ میں ٹھریں۔ یہ کمرہ جس میں عذرا اور ایلیا قیام پذیر ہوئیں نہایت کشادہ اور آراستہ و پیراستہ تھا۔ اس میں رومی قالینوں کا فرش ہو رہا تھا۔ اور دروازوں پر دیبائے روم کے تصویر دار پردے پڑے تھے۔ کمرہ کے وسط میں دو کوچیں پڑی تھیں۔ یہ دونوں گدہ دار تھیں۔ ان پر سرخ مخمل منڈھا ہوا تھا۔ ایک طرف آبنوس کی ایک بڑی میز پڑی تھی۔ اس میز پر گلابی ریشم کا میز پوش تھا۔ میز کے چاروں طرف اس زمانہ کی بہترین ساخت کی آٹھ دس کرسیاں پڑی تھیں۔ عذرا اس سازو سامان کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس کو اس لئے اور بھی تعجب ہوا کہ یہ سامان ان ننوں اور راہبوں کے لئے ہے۔ جو خدا رسیدہ بزرگ اور دیندار کہلاتے تھے۔ اسے یہ شک ہوا کہ کہیں یہ سازو سامان صرف اسی کے لئے تو مہیا نہیں کیا گیا۔ اس نے اپنا شک مٹانے کے لئے دوسرے کمروں کو جا کر دیکھا۔ اُسے تمام کمروں میں ایسا ہی سامان نظر آیا۔ وہ اس لئے سخت متحیر ہوئی کہ خدا پرست طبقہ کس طرح عیش و ترنم میں بسر کرتا ہے۔ وہ واپس آ کر اپنے کمرہ میں ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک سریلی گھنٹی کی آواز آئی۔ ایلیا نے گھنٹی کی آواز سنکر کہا۔

عذرا۔ کھانے کی گھنٹی ہو رہی ہے۔ چلو کھانا کھانے چلیں۔"

عذرا اس وقت کسلمند ہو رہی تھی۔ اس نے جواب دیا۔"

ایلیا مجھے اس وقت بھوک نہیں ہے۔ میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔ تم جا کر کھانا کھا آؤ۔"

ایلیا نے عذرا کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔" چلو بھی۔ تم نے عمہ کے گرجہ میں غریبانہ

کھانا کھایا ہے۔ ذرا یہاں کا کھانا اور کھانے کا ساز و سامان دیکھنا۔ اس گرجہ کی ننوں اور راہبوں کو دنیا کا عیش و آرام میسر ہے۔ معمولی امرا اس شان و شوکت سے نہیں رہ سکتے جیسے یہاں کی نن اور راہب رہتے ہیں
عذرا کو کھانا اور کھانے کا ساز و سامان دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔
وہ اُٹھ کر ایلیا کے ساتھ ہولی۔ یہ دونوں ایک نہایت وسیع کمرہ میں پہنچیں اس کمرہ میں بیسیوں بڑی بڑی میزیں بچھی ہوئی تھیں۔ میزوں پر سفید براق میز پوشیں پڑے تھے۔ میز کے چاروں طرف گدہ دار کرسیاں تھیں
ایلیا اور عذرا کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ کھانا چنا گیا۔ یہ کھانا بلور کے نہایت صاف و شفاف ظروفوں میں تھا۔ بلور کی چمک دمک نے تمام کمرہ کو جگمگا دیا تھا۔ کھانا نہایت لذیذ اور کئی قسم کا تھا۔

عذرا کے اس کمرہ میں داخل ہونے ہی تمام ننیں اور راہب اسے حیرت و استعجاب کی نظروں سے دیکھنے لگے ۔ نوجوان راہب اُسے گھور گھور کر ایسے غور و خوض سے دیکھ رہے تھے۔ گویا وہ بے نظیر حسن و جمال کی ملکہ تھی یا اُس آسمانی بہشت کی حور تھی جس کی ملاقات موت کے بعد ہی حاصل ہو سکتی تھی۔ اگرچہ اس گرجہ کی ننیں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حسین تھیں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ان میں سے ایک بھی عذرا کی ہمسر نہ تھی۔ ننیں اگر ستارہ تھیں تو عذرا چاند تھی۔ ننیں بھی اسکے بڑھے ہوئے حسن کو نظر استعجاب سے دیکھ رہی تھیں۔ بعض وہ ننیں جنہیں اپنے حسن پر ناز و غرور تھا۔ اس کے حسن کے جلوہ گر چاند کو دیکھ کر سخت متحیر ہوئیں۔

عذرا نے راہبوں کو اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھا۔ وہ ان کی گرم نظروں کی تاب نہ لا کر شرما گئی۔

کھانا چنا جا چکا تھا۔ سب نے کھانا کھانا شروع کیا۔ تمام ننیں اور راہب دز دیدہ نظروں سے عذرا کو دیکھتے ہوئے جلد جلد اور بڑے بڑے نوالے

کھا رہے تھے۔ عذرا بیچاری شرمائی لجائی آہستہ آہستہ اور چھوٹے چھوٹے نوالے کھا رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں سب لوگ کھانا کھا کر فارغ ہوئے۔ کھانا کھاتے ہی راہب عذرا کے گرد جمع ہو گئے۔ ایک راہب نے کہا "کیا دیکھتے ہو۔ یہ لڑکی پری پیکر ہے"

دوسرے راہب نے کہا "غلط۔ چاند کا ٹکڑا ہے"

تیسرا راہب بولا "واہ وا۔ کیا تعریف اسی کو کہتے ہیں؟ بھائی یہ تو دنیا کی حور ہے"

چوتھا راہب جھنجلا کے بولا "تم تعریف کرنا کیا جانو۔ یہ نہیں کہتے۔ یہ اسی بہشت کی حور ہے جس کا تذکرہ مقدس انجیل میں ہے۔ خدا اور خداوند (حضرت عیسیٰ) نے اسمانی بہشت کی حور کو محض ہم مقدس لوگوں کی زیارت کے لئے پردہ دنیا پر بھیجا ہے"

عذرا کچھ کچھ رومی زبان سمجھنے لگی تھی۔ وہ اپنی تعریف سن سن کر شرم و حیا سے پسینہ پسینہ ہو گئی اس کے منور اور پھول سے رخساروں پر عرق آگیا۔ اس کے پر نور رخسارے نکھر کر دمکنے لگے۔

ایک ادھیڑ عمر کے راہب نے ایک نوجوان راہب سے دریافت کیا کیوں بھائی یہ حور کس ملک کی رہنے والی ہے؟

ایک ضعیف العمر راہب جو پاس ہی کھڑا تھا بولا "واہ بھائی تم اتنا بھی نہیں جانتے۔ اس کے لباس سے پہچانو۔ یہ ملک عرب کی رہنے والی ہے"

اسی ادھیڑ عمر کے راہب نے کہا "تم نے سچ کہا۔ میں نے اب پہچانا۔ حضرت مسیح کی قسم اس کی صورت نہایت ہی پیاری ہے۔ اگر عبادت و ریاضت کے وقت یہ سامنے موجود رہے۔ تو طبیعت کو سکون اور شغف حاصل ہو"

بڈھے راہب نے کہا "پاک ماں اس پر برکت نازل کرے۔ یہ بالکل نور کی پتلی ہے۔ اس کے بھولے اور پر نور چہرے سے نور کی شعاعیں نکل نکل کر

ضیا پاشی کر رہی ہیں۔ اس کے منور چہرہ کی طرف دیکھ کر خدا کی یاد آتی ہے۔ میرے خیال میں یہ خدا کی بہترین مخلوق ہے۔ جس نے ہزاروں کیا لاکھوں رومی لڑکیوں کو دیکھا ہے۔ یوں تو ہمارے ملک کی لڑکیاں حسین وجمیل ہوتی ہیں۔ مگر ایسی حسین نہیں جیسی یہ عورت ہے"

ایک اور راہب نے کہا۔ "سنا ہے۔ یہ لڑکی نن بننے آئی ہے"

ایک نوجوان راہب نے جوش مسرت سے بیخود ہو کر کہا۔ "بس تو گھرے ہیں۔ نماز کے وقت اس کی پیاری اور بھولی صورت دیکھنے میں آہی جایا کرے گی۔ حضرت مسیح کی قسم اگر یہ مجھ سے جان بھی مانگے تو دینے میں ہرگز دریغ نہ کروں۔ مریم .... ہاں مریم کو اپنے حسن پر ناز تھا۔ کبھی وہ تمام ننوں سے بالاتر۔ مگر اب اس کا غرور ٹوٹ جائے گا۔ وہ اس حور کے تلوے کے برابر بھی نہیں ہے"

بڈھے راہب نے کہا۔ "تم نے بالکل سچ کہا۔ مریم اس قدر خوبصورت کہاں ہیں۔ اس کے حسن میں تو اس بلا کی تسخیر ہے۔ کہ دلوں کو زبردستی اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اگر گرجہ میں عبادت کے وقت یہ سامنے بیٹھی ہو تو میں اسے سجدہ کرنے میں پس وپیش نہ کروں"

ایک نوجوان راہب نے کہا۔ "خدا کی قسم کیا بات کہی ہے۔ ہماری۔ ہمارے شہر کی اور اس گرجہ کی خوش نصیبی ہے۔ کہ یہ ماہ وش یہاں آگئی"

اپنی تعریف سنتے سنتے عذرا کے کان پک گئے۔ اس نے چپکے سے ایلیا کا ہاتھ دبا کر چلنے کا اشارہ کیا۔ ایلیا سمجھ گئی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے بعد عذرا بھی اٹھی۔ یہ دونوں اپنے کمرہ میں آئیں۔ آتے ہی کوچوں پر پڑ گئیں تھوڑی دیر میں انھیں نیند آگئی۔ تمام دوپہر سوتی رہیں۔ تیسرے پہر اٹھ کر عذرا نے نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ ایلیا کو ساتھ لے کر باغیچوں کی طرف چہل قدمی کے لئے نکل گئی۔ بہت تھوڑی دیر وہ سیر کرنے پائی تھی کہ اس کے گرد راہبوں کا

ہجوم ہو گیا۔ وہ ان سے کترا کر ایک بیلوں کے کنج میں ہوتی ہوئی اپنے کمرہ میں واپس آ گئی یہاں آکر اس نے عصر۔ عصر کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ مغرب کی نماز کے بعد تمام گرجہ میں روشنی کی گئی۔ گرجے کے باہر موٹے موٹے آئینوں کی گول گول سی بھدی لال ٹینیں جو سب کی سب روشن کر دی گئیں۔ تمام کمروں میں فانوس آویزاں تھے۔ فانوسوں میں موم بتیاں روشن ہو رہی تھیں۔ اس روشنی نے کمروں کو جگمگا دیا تھا۔ جو نہایت ہی بھلا منظر تھا۔

عذرا نے اپنے ملک میں اس قدر ساز و سامان نہ دیکھے تھے۔ وہ انہیں دیکھ دیکھ کر متعجب ہو رہی تھی۔ رات کو عذرا نے اپنے ہی کمرہ میں کھانا منگوا کر کھایا۔ کھانا کھا کر اس نے عشا کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر وہ سو گئی۔ صبح سویرے بیدار ہو کر اُس نے نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر نہایت خضوع و خشوع سے اپنی رہائی کی دعا مانگی۔ اور کرسی پر بیٹھ کر غور و خوض کرنے لگی۔

اسی طرح وہ ایام بسر کرنے لگی۔ دو تین ہی روز میں اُسے معلوم ہو گیا کہ اس گرجہ کی ننوں اور راہبوں کی اخلاقی حالت عمنہ کے گرجے والوں سے بھی بدتر اور ناگفتہ بہ ہے۔ اُسے ان کی ہم نشینی سے نفرت ہو گئی۔ وہ ایلیا کو بھی اس زمرہ میں سمجھتی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ اُسے معلوم ہو گیا۔ کہ ایلیا ہر چگ نہیں ہے۔ اُسے صرف مرقش سے اُنسیت ہے۔ اگرچہ یہ بھی اس کی جبلی عادت کے خلاف تھا۔ کہ وہ کسی ایسی عورت کی ہم نشینی اختیار کرے۔ جو غیر مرد سے مانوس ہو۔ مگر پھر بھی وہ اُسے اس تمام مجمع میں لبا غنیمت معلوم ہوئی۔ وہ ہر وقت اپنے کمرہ میں تنہا پڑی رہتی۔ کیونکہ جب کبھی وہ باہر نکلتی راہب اُس کے گرد اس طرح جمع ہو جاتے جیسے شمع کے گرد پروانے اس نے راہبوں کے خوف سے باہر نکلنا قریب قریب ترک کر دیا تھا۔ اب اُسے تنہائی نے غم و فکر میں مبتلا کر دیا۔ وہ اکثر سر بزانو بیٹھی محو تصویر رہتی۔ جب کبھی اُسے غلیں یاد الدین کی یاد آ جاتی۔ تو وہ بیچین ہو کر زانو بدلنے لگتی۔ اس ہر وقت کی تنہائی

نے اسے مغموم اور مضمحل کر دیا۔ اگرچہ اُسے اس سے سخت تکلیف ہوتی تھی لیکن وہ اس تکلیف کو برداشت کر رہی تھی۔ چونکہ اس سے راہبوں اور ننوں کی حیا سوز اور مخرب اخلاق باتیں نہ دیکھی جاتی تھیں۔ اس لئے وہ کنج عزلت میں ہی پڑا رہنا بہتر خیال کرتی تھی۔

حازم نے اس سے ملنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن وہ گرجہ میں داخل ہوگئی تھی اور گرجہ کا قانون تھا۔ کہ کوئی غیر شخص جس کا گرجہ سے کوئی تعلق نہ ہو کسی نن یا راہب سے آزادانہ اُس وقت تک نہ مل سکتا تھا۔ جب تک وہ اسقف اعظم سے ملنا چاہا۔ مگر جنگ کا زمانہ تھا۔ اسقف اعظم دینی پیشوا ہونے کی وجہ سے ہر وقت مصروف رہتا تھا۔ اس لئے ملاقات نہ ہو سکی۔ مگر وہ مایوس نہیں ہوا اس نے گرجہ کے پہرہ والوں کو رشوت دے کر اندر جانا چاہا۔ وہ اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔ ایک روز گرجہ کے اندر پہنچ گیا۔ مگر عذرا گوشہ نشین ہو گئی تھی۔ اس لئے شام تک انتظار کرنے پر بھی وہ اس کے دیدار سے مشرف نہ ہو سکا۔ اب اُسے اپنی اس حماقت پر افسوس ہوا کہ کیوں اُس نے نقیطا سے یہ کہا کہ عذرا عیسائی ہونے کے لئے آئی ہے۔ مگر اب افسوس کرنے یا پچھتانے سے کیا ہو سکتا تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اور اب وہ کسی طرح واپس نہ آسکتی تھی۔ اس پر بھی حازم نا امید نہیں ہوا اب اس نے اُسے زبردستی یا خفیہ طور پر گرجہ سے نکال لیجانے کی تدبیر سوچی۔ مگر یہ کام نہایت اہم تھا اس کے انکشاف پر اس کی موت اور زندگی کا سوال تھا۔ لیکن وہ بغیر عذرا کے زندہ رہنا بھی نہ چاہتا تھا۔ اس لئے اُس نے اب اس پر عمل کرنے کی ٹھانی اس کے لئے کثیر روپیہ کی ضرورت تھی۔ روپیہ اُس کے پاس کافی تھا۔ اُس نے بیدردی سے روپیہ لٹانا شروع کیا۔ مشہور ہے۔ زر لوہے کو نرم کر دیتا ہے اُس نے تمام پہرہ والوں کو گانٹھ لیا۔ اس نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ عذرا کس کمرہ میں رہتی ہے۔ مگر باوجود سعی بلیغ اور روپیہ صرف کرنے کے بھی وہ ناکام ہی رہا اس کی عذرا تک رسائی نہ ہوئی۔

مرقش بھی عذرا کے لئے کم بیچین نہ تھا۔ وہ گھنٹوں باہر عذرا کے کمرہ کے سامنے بیٹھا اس بات کا انتظار کرتا کہ کب عذرا برآمد ہو اور کب وہ اس کے دیدار سے اپنے قلب مضطر کو تسلی دے۔ لیکن عذرا بہت کم اور بہت ہی کم کیا بالکل ہی باہر نہ نکلتی تھی۔ مرقش چاہتا تھا کہ اس کے کمرہ میں جا کر اس سے ملے اور اس سے اپنی حالت زار بیان کرے۔ مگر وہ جانتا تھا۔ کہ کسی نن کے کمرہ میں بغیر اسقف اعظم کی اجازت کے داخل ہونا بیغرتی کے ساتھ گرجہ سے باہر نکالے جانے کا مترادف ہے۔ اس لئے وہ جبر کی سل چھاتی پر رکھے ضبط و صبر کر رہا تھا۔

ایک روز علی الصباح جب عذرا بیدار ہوئی۔ اور صبح کی نماز سے فارغ ہو گئی تو بیٹھے بیٹھے اس کا جی گھبرانے لگا۔ وہ اٹھ کر کمرہ سے باہر آئی اس کے کمرہ کے عین سامنے اسے مرقش بیٹھا حسرت و یاس کی نگاہوں سے اسے دیکھتا نظر آیا۔ اس نے اسے گرم نظر دیکھ کر واپس لوٹنا چاہا۔ لیکن جب اس کی نظر ادھر ادھر گئی۔ تو اس نے بیس پچیس مردوں اور عورتوں کو گرجہ کے احاطہ میں جھاڑو ب کشی کرتے دیکھا چونکہ یہ ایک نئی بات تھی اسے تعجب ہوا۔ تعجب کے ساتھ ہی یہ شوق بھی پیدا ہوا کہ کسی سے یہ دریافت کرے کہ یہ صفائی آج کس لئے ہو رہی ہے؟ وہ کمرہ کے دروازے سے آگے بڑھی۔ اس نے نتوں کو نہایت چابکدستی اور پھرتی سے کام میں مصروف اور جلد جلد آتے جاتے دیکھا۔ اسے اور بھی حیرت ہوئی۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک نن سے جو تیزی سے جا رہی تھی دریافت کیا؟ آج کیا بات ہے؟ یہ صفائی کیوں ہو رہی ہے؟ تم سب اس قدر کام میں کیوں مصروف ہو؟"

اس نن نے ذرا کی ذرا ٹھہر کر جواب دیا۔ "آج گرجہ میں ہمارے شہنشاہ عظیم روم (ہرقل اعظم)، تمام گرجاؤں کی ننیں اور سارے شہر کی دوشیزہ لڑکیاں آئیں گی۔ عذرا! تم حسین ضرور ہو۔ لیکن دیکھنا آج اس گرجہ میں کیسے کیسے حسین جمع ہوتے ہیں۔

یہ کہہ کر وہ نن عذرا کو معنی خیز نظروں سے دیکھ کر مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

اب عذرا کو اور بھی حیرت ہوئی۔ اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ انطاکیہ میں سیکڑوں گرجا اور کلیسا ہیں۔ قریب قریب ہر گرجہ میں ننیں بھی رہتی ہیں۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ہرقل اعظم کا گرجا الگ ہے۔ جو شاہی گرجے کے نام سے موسوم ہے۔ وزیر اعظم کا الگ ہے۔ اسی طرح ہر امیر۔ ہر رئیس۔ ہر جاگیر دار۔ ہر درباری اور ہر مصاحب کا گرجہ جدُا جدُا ہے اسے اس لئے حیرت تھی کہ اس گرجہ میں آج ہرقل اعظم اور تمام دوسرے گرجاؤں کی ننیں اور شہر کی دوشیزہ لڑکیوں کے آنے کی علت غائی کیا ہے؟ وہ آگے بڑھی اور ایک بڑھی عورت سے دریافت کیا:۔

آج یہ گرجہ دلہن کی طرح کیوں آراستہ کیا جارہا ہے؟"

اس عورت نے ہنسکر جواب دیا:" آج اس گرجہ میں عظیم روم تشریف لائیں گے۔"

عذرا۔ کیا وہ ہمیشہ آیا کرتے ہیں؟

مسن عورت۔ نہیں۔ کبھی کبھی۔ جب کوئی نئی اور اہم بات ہوتی ہے۔

عذرا۔ کیا اس وقت بھی اِن کے آنے کی کوئی خاص وجہ ہے؟

مسن عورت۔ ہاں آج اس گرجہ میں تمام شہر کی حور طلعت لڑکیاں جمع ہوں گی۔ ابھی تھوڑی دیر ہی میں یہ گرجہ اندر کا اکھاڑا بن جائے گا۔

عذرا نے بھولی سی صورت بنا کر دریافت کیا:" کیا حسینوں کی نمائش ہوگی؟"

مسن عورت بیاختہ ہنس پڑی۔ اس نے کہا:" تم نے خوب کہا۔ واقعی حسینوں کی نمائش ہی ہوگی۔ بڑی بڑی حسین۔ دوشیزہ اور پری جمال لڑکیاں جمع ہونگی لیکن پیاری لڑکی تمہارا نمبر سب سے اول رہے گا۔ تم اُن سب لڑکیوں سے زیادہ حسین ہو۔"

عذرا اپنی تعریف سن کر شرما گئی۔ اُس نے شرم آلود نظروں سے اس عورت کو

دیکھ کر کہا "یہ نمائش کیوں ہو گی؟"

مس عورت۔ ہمارے شہر میں دو سو مسلمان گرفتار ہو کر آئے ہیں۔ ان مسلمانوں کو عیسائی ہونے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ ڈرایا اور دھمکایا جا رہا ہے۔ دولت و ثروت کا لالچ دیا جا رہا ہے۔ لیکن وہ کسی طرح بھی اپنا مذہب چھوڑنے پر تیار نہیں ہوئے اب یہ تجویز سوچی گئی ہے کہ اس شہر کی تمام دوشیزہ اور خوبصورت لڑکیاں اس گرجے میں جمع کی جائیں اور ان مسلمانوں کو یہاں لایا جائے۔ یقین ہے وہ حسن و جمال کی مجسم تصویروں کو دیکھ کر اپنا مذہب چھوڑ دیں گے۔ ان کے عیسائی ہونے پر جس لڑکی سے اُن میں سے جو شخص چاہے گا۔ اُس کے ساتھ اس کا عقد کر دیا جائے گا۔ میری بھولی حسین اور ناز آفرین بیٹی! حسن ایسا چلتا ہوا جادو ہے جو ہر انسان کو مسحور کر لیتا ہے۔"

عذرا کو مسلمانوں کے اس گرجے میں آنے کی خبر سن کر مسرت ہوئی۔ اسے قیس کو دیکھنے کی آرزو تھی۔ خدا نے غیب سے اس کی آرزو پوری ہونے کا سامان کر دیا تھا۔ وہ واپس لوٹی اور اپنے کمرہ کی طرف آہستہ آہستہ چلی۔ مرقش سامنے بیٹھا ابھی تک اسے گھور رہا تھا۔ عذرا کی نظر اس پر جا پڑی۔ وہ اُسے اپنی طرف بغور دیکھتے ہوئے دیکھ کر جلدی سے اپنے کمرہ میں آتے ہی دعا مانگنے لگی اور رو بہ قبلہ ہو کر سربسجود ہو گئی۔ اس نے خلوص دل سے دعا مانگی "خدایا! مجھے قیس کی محبت نے پریشان کر دیا ہے۔ اس کی یاد ہر وقت ستاتی رہتی ہے۔ میرے دل میں اُس کے دیکھنے کی تمنا ہے۔ تو سب کی تمنائیں پوری کرتا ہے میری بھی تمنا پوری کر۔ میں اُسے صرف ایک نظر دیکھنا چاہتی ہوں۔ مجھے دکھا دے۔"

اس نے سجدہ سے سر اُٹھایا۔ اس وقت اس کی آنکھوں آنسو بھر آئے تھے اگرچہ ضبط کرتے کرتے وہ ضبط کی خوگر ہو گئی ہے۔ مگر آخر انسان تھی۔ کبھی کبھی ضبط و صبر کا دامن چھوٹ ہی جاتا ہے۔ پھر بھی وہ بہت کچھ ضبط کر رہی تھی۔ اس وقت قیس کی یاد نے اُس کے دل میں تلاطم پیدا کر دیا تھا۔ اس کا دل امڈا چلا آتا تھا

مگر اس نے مردانہ وار ضبط کیا۔ آنسو پی لئے اور ایک گہرا ٹھنڈا سانس بھر کر کھٹی اور کو نچ پر بیٹھ کر اس وقت کا انتظار کرنے لگی۔ جب ہرقل اعظم اور مسلمان گرجہ میں آئیں اور وہ اس ہستی کو ایک نظر دیکھ لے۔ جس کی محبت اس کی رگ رگ میں اثر کر گئی تھی۔

سترھواں باب

دربار

رہیں پاس میں اہل آرزو کب تک
کبھی تو آپ کا دربار عام ہو جائے

جو واقعات ہم نے باب ماسبق میں بیان کئے۔ قصہ کے تسلسل کے لئے ہمیں اس سے پہلے کے واقعات بھی بیان کرنے ضروری ہیں۔

ارسالوس ضرار کا نہایت ہی جانکاہی سے علاج کر رہا تھا۔ یوقنا اور لوسیانا تیمارداری میں مصروف تھے۔ خدا نے ان کی محنت اور جانفشانی ٹھکانے لگا دی۔ ضرار کو بتدریج آرام ہونے لگا۔ زخم مندمل ہو گئے۔ بخار جاتا رہا۔ رفتہ رفتہ کمزوری بھی دور ہوتی گئی۔ اب ان میں اس قدر قوت آ گئی تھی کہ تھوڑی بہت دور چہل قدمی کرنے کے قابل ہو گئے تھے

پری جمال لوسیانا کو ضرار سے کچھ ایسی محبت ہو گئی تھی کہ وہ قریب قریب ہر وقت اُن کے پاس بیٹھی رہتی تھی۔ اگر کبھی کہیں جاتی تو دو چار خادماؤں کو اُن کے پاس بٹھا جاتی اور بہت جلد واپس آ جاتی۔

ضرار کو بھی اس سے ایسی ہی محبت ہو گئی تھی۔ جیسی انہیں اپنی حقیقی ہمشیرہ خولہ کے ساتھ تھی۔

لوسیانا کی شادی ہو چکی تھی۔ اس کا شوہر شاہزادہ لادن تھا۔ ان دونوں
میاں بیوی میں بہت زیادہ محبت تھی۔ پروانہ وار ایک دوسرے پر فدا تھے۔
یہ دونوں میاں بیوی ضرار کی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔

ضرار ان لوگوں میں نہایت آرام سے تھے۔ جب کبھی انہیں ان کی ہمشیرہ
کی یاد ستاتی تو وہ لوسیانا سے باتیں کرتے۔ اس کی بھولی اور پیاری باتوں میں
ان کا دل بہل جاتا۔

لوسیانا جس قدر خوبصورت تھی۔ اسی قدر نیک اور بھولی تھی۔ جب وہ
باتیں کرتی تھی تو اُس کے منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ اس سے باتیں کرنے
والا کبھی سیر نہ ہوتا تھا۔

رفتہ رفتہ ضرار میں اس قدر طاقت آگئی کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر ہوا خوری
کو جانے لگے۔ کبھی لوسیانا اور کبھی شاہزادہ لادن بھی ان کے ساتھ چلے جاتے۔
انہوں نے انطاکیہ کے مشہور مقامات کو کئی مرتبہ دیکھا تھا۔ اس سے ان کا مقصد
صرف کرنا ہی نہ تھا۔ بلکہ وہ یہ اندازہ کر رہے تھے کہ۔ جب مسلمان انطاکیہ پر
حملہ آور ہوں۔ تو کس طرف سے انہیں شہر میں داخل ہونے میں آسانی ہوگی۔
وہ کئی مرتبہ اپنے ساتھیوں سے بھی مل چکے تھے۔ ان کے بھی یوقنا کی بدولت
آرام میں تھے۔ ان کی بندشیں دور کر دی گئی تھیں۔ ہتھکڑیاں اور بیڑیاں نکال
دی گئیں تھیں۔ اب وہ صرف نظربند تھے۔

ضرار۔ ارساوس۔ یوقنا اور ان کے خاندان والوں کے بہت زیادہ مشکور تھے
ان کی آرزو تھی۔ کہ یوقنا اور اس کے سب اہل وعیال مسلمان ہو جائیں۔ ایک دن
جبکہ آفتاب کسی قدر طلوع ہو کر بلند ہو گیا تھا۔ یوقنا ان کے پاس تنہا بیٹھا تھا انہوں
نے اُس سے مخاطب ہو کر کہا۔ یوقنا! تم اپنی قوم کے خلاف نہایت رحم دل۔ نیک
اور شریف انسان ہو۔ مجھے تم سے بے انتہا محبت ہے۔ تم بخوبی جانتے ہو کہ جس کو
کسی سے محبت ہوتی ہے وہ اس کی بہتری کی کوشش کیا کرتا ہے۔ تم دانشمند ہو۔

تمہیں یہ معلوم ہے۔ کہ عیسائیوں نے اپنے مذہب میں بہت کچھ رد و بدل کر لیا ہے وہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں۔ خدا کے ساتھ خدا کے بیٹے اور روح القدس کو ازلی کہتے ہیں۔ ان تینوں کی مجموعی طاقت کو خدائی قوت سمجھتے ہیں۔ ایک سمجھدار انسان سمجھ سکتا ہے کہ یہ تعلیم خدائی تعلیم نہیں ہو سکتی۔ اس تعلیم سے خدا کی کمزوری تسلیم کرنی پڑتی ہے حالانکہ خدا کمزور نہیں ہے وہ زبردست قدرت والا ہے واحد ہے کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں۔ وہ سب کا خالق اور قادر مطلق ہے۔ خدا نے یہ دنیا جو ہم تم دیکھ رہے ہیں۔ اور وہ عالم جہاں ہم سب مر کر جائیں گے پیدا کئے ہیں۔ اس کے نہ کوئی بیٹا ہے۔ اور نہ بیٹی۔ نہ اسے بیٹا اور بیٹی کی ضرورت ہے۔ اگر اس کے بیٹا اور بیٹی ہوتی۔ تو بیوی کا ہونا لازمی تھا۔ لیکن یہ تم بھی مانتے ہو کہ اس کی بیوی نہیں ہے۔ جب بیوی ہی نہیں تو بیٹی یا بیٹا کہاں سے آئے۔ اگر وہ کسی کو بغیر باپ کے پیدا کر دے تو اس پر یہ اطلاق نہیں ہو سکتا کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔ خدا نے حضرت آدمؑ کو بغیر ماں کے اور حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا ہے۔ اس سے اس کی عدیم النظیر قدرت کا اظہار ہوتا ہے میں چاہتا ہوں کہ تم ان شرک کی باتوں کو چھوڑ دو۔ اور۔۔۔۔"

یوقنا خاموش بیٹھا ان کی گفتگو سُن رہا تھا۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ کہ اس کی یہ حالت جوش کی وجہ سے تھی یا غصہ کی۔ اس نے قطع کلام کر کے کہا۔

ضرار میں ان سب باتوں کو سمجھتا ہوں۔ خدا کی وحدانیت کا قائل ہوں لیکن۔۔۔۔۔۔"

ضرار نے قطع کلام کر کے کہا۔ لیکن مجبور ہو۔"

یوقنا۔ ہاں مجبور ہوں۔

ضرار۔ آخر کیا مجبوری ہے؟

یوقنا۔ میں بتاؤں گا۔ لیکن ابھی نہیں۔

ضرار کچھ کہنا چاہتے تھے۔ کہ ارساوس آگیا۔ اور سلام کرکے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ضرار نے اُس سے مخاطب ہو کر کہا:"

ارساوس! میں چند بار تمہارا شکریہ ادا کر چکا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں تمہارا شکریہ ادا ہی نہیں کر سکتا۔ آپ نے ایک غریب الوطن پر نہایت مہربانی کی ہے۔ ایک بے کس و بے بس قیدی کا اس ہمدردی اور جانکاہی سے علاج کرنا آپ کی نیک نفسی کا ثبوت ہے۔"

ارساوس نے مسکرا کر جواب دیا" میں بار بار عرض کر چکا ہوں۔ کہ میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے اپنا انسانی فرض ادا کیا ہے۔ میں خوش ہوں کہ خدا نے آپ کو صحت عطا فرمائی۔ عظیم روم کو بھی آپ کے صحتیاب ہونے سے بڑی مسرت ہوئی ہے۔

ضرار کو ارساوس کی گفتگو سن کر کمال حیرت ہوئی۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گئے انھوں نے تحیر خیز نظروں سے اُسے دیکھ کر دریافت کیا:" ہرقل اعظم کو میری صحت کی خبر سُن کو خوشی ہوئی؟ یہ کیسے وہ شخص جس نے میرے قتل کے جانے کا حکم دیا ہو۔ میری صحتیابی پر کیسے خوش ہو سکتا ہے؟

ارساوس نے اپنی کرسی ضرار کے قریب کھینچی اور اس پر اطمینان سے بیٹھ کر کہا۔

آپ کو تعجب ہے۔ تعجب ہونا بھی چاہئے۔ لیکن آپ کو ہرقل اعظم کی نسبت کچھ معلوم نہیں۔ میں تمہیں ایک پرانی بات یاد دلاتا ہوں۔ بہت پرانی اور ایسی کچھ پرانی بھی نہیں۔ چند ہی سال کا ذکر ہے۔ کہ تمہارے محترم نبی حضرت محمد صلعم نے دعوت اسلام کے لئے ہرقل اعظم کے پاس ایک قاصد روانہ کیا تھا۔ عظیم روم نے اس قاصد سے کئی گھنٹے خلیہ میں گفتگو کی تھی۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ حضرت محمد صلعم سچے رسول ہیں۔ اور وہ پیغمبر آخر الزماں ہیں۔ اُنہوں نے اپنی قوم کے سربر آوردہ لوگوں کو جمع کر کے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ لیکن ان کی قوم کے

کبھی فرد نے بھی ان کی بات کو تسلیم نہ کیا بلکہ غیض و غضب میں آکر رومیوں نے اُس قاصد ہی کو قتل کر ڈالا جب قاصد کے قتل کئے جانے کی خبر عرب میں پہنچی۔ تو تمہارے مقدس رسول نے ایک مختصر لشکر کو روانہ کیا۔ اس لشکر کو موتہ کے مقام پر شکست ہوئی جعفر طیار بھی قتل ہو گئے عام طور پر مسلمانوں کو ان کے قتل ہونے کا رنج و افسوس ہوا۔ اور انہوں نے غیض و غضب میں آکر ایک اور لشکر روانہ کیا۔ اس لشکر کے سردار خالدؓ تھے۔ خالد کے ہمراہ کل پانچسو مسلمان تھے۔ ان کے مقابلہ کے لئے ایک لاکھ عیسائی لشکر بھیجا گیا۔ لیکن عیسائیوں کی قسمت پلٹ چکی تھی۔ مسلمانوں کو عروج ہونا تھا۔ عیسائیوں کو شکست ہوئی۔ مگر خوش قسمتی سے عربوں کی فارس سے جنگ چھڑ گئی۔ اور خالد واپس بلا کر فارس بھیجد یئے گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں فارس کی شورش فرد ہو گئی اور حضرت محمد صلعم نے اپنی قوم کو ملک شام کی فتح کی بشارت دی۔ عظیم روم نے ملک کے تمام معزز رومیوں اور عیسائی والیان ملک کو جمع کر کے سمجھایا کہ عرب میں جو نبی مبعوث ہوئے ہیں وہ وہی ہیں جن کی پیشنگوئی ہماری مقدس کتابوں میں مرقوم ہے۔ ان کا مذہب۔ مذہب اسلام ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اسلام ساری دنیا پر غالب آجائے گا۔ عجب نہیں جو ہمارا ملک بھی ان کے قبضہ و اقتدار میں آجائے۔ مناسب یہ ہے کہ ہم ان سے صلح کر لیں۔ اس وقت آسان شرائط پر صلح ہو سکتی ہے۔ رومی اس بات کو سنکر برافروختہ ہو گئے۔ ان میں غیض و غضب کا جوش امنڈ آیا۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر مجلس شوری درہم برہم کر دی گئی۔ جب مسلمانوں نے پھر ملک شام کا رخ کیا تو عظیم روم نے پھر والیان ملک اور معزز ترین عیسائیوں، مقدس راہبوں اور مدبروں کو جمع کیا۔ اور ان کے سامنے پھر وہی مسئلہ پیش کیا ...... جو پہلے پیش کیا گیا تھا۔ لیکن نتیجہ کچھ نہ ہوا۔ رومی سخت غضبناک ہوئے اور انہوں نے متحد ہو کر مسلمانوں کو مٹانے کی قسم کھائی۔ لیکن سچ یہ ہے۔ کہ ہماری قوم کے سر پر ادبار کی گھٹا منڈلا رہی تھی۔ قوم نے اپنے رفیق شہنشاہ کا کہنا نہ کیا۔

آخر رفتہ رفتہ تم تمام ملک شام پر قابض ہو گئے۔ اب صرف دار السلطنت باقی رہ گیا ہے۔ اس کا بھی خدا ہی حافظ ہے۔ مسلمان اس پر یورش کئے بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ رومیوں نے بھی اپنی قوت جمع کر لی ہے۔ جنگ ہو گی اور زور شور سے ہو گی۔ یہ جنگ تاریخی حیثیت سے نہایت اہم ہو گی۔ اس جنگ پر ایک فریق کے زوال اور دوسرے کے اقتدار کا انحصار ہے۔ ان واقعات کو سنانے سے میری غرض یہ تھی کہ میں آپ کو عظیم روم کے خیالات سے آگاہ کر دوں۔ ہمارا شہنشاہ مسلمانوں سے متنفر نہیں ہے۔ بلکہ برعکس اس کے اسے اسلام اور مسلمانوں سے اُنسیت ہے۔ میں اس وقت ملک کی بڑی کونسل کے حکم سے بھیجا ہوا آیا ہوں۔........"

ضرار نہایت غور اور توجہ سے ارساؤس کی گفتگو سُن رہے تھے۔ اُنہوں نے قطع کلام کر کے دریافت کیا: "آپ کس لئے آئے ہیں؟"

ارساؤس۔ آپ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ رومیوں کے پاس اس قدر مال و دولت ہے۔ کہ اگر وہ چاہیں تو سونے چاندی کے پہاڑ بنا کر کھڑے کر دیں۔ ریشمیں تھانوں کے انبار لگا دیں۔ سچے موتی۔ نیلم۔ پکھراج یاقوت۔ زبرجد۔ زمرد۔ اور لعلوں کے ڈھیر قائم کر دیں۔ تم نے رومی عورتوں کو دیکھا ہے۔ کس قدر حسین اور خوبصورت ہیں۔ اگر تم عیسائی ہو جاؤ تو جس قدر سونا چاندی۔ ریشمیں تھان۔ ہیرے جواہرات تم کو تمہارے لئے مہیا کر دیے جائیں۔ جس عورت کا تم ہاتھ پکڑ لو۔ اسی سے تمہارا عقد کر دیا جائے

ضرار مسکرا رہے تھے۔ اُنہوں نے قطع کلام کر کے کہا۔ ارساؤس! تم اور تمہاری قوم ہمارا امتحان لینا چاہتی ہے۔ ہمیں صراط مستقیم سے متزلزل کر کے کفر و ضلالت کے تاریک گڑھے میں ڈھکیلنا چاہتی ہے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم دولت و ثروت۔ ملک و حکومت اور حسن و خوبصورتی پر فریفتہ ہو کر اپنا مذہب چھوڑ دیں گے۔ تو یہ تمہاری غلطی ہے۔ ہم مسلمان ہیں۔ اسلام ہماری رگ رگ میں

سرایت کر گیا ہے۔ دنیا کی کوئی تحریص ہمیں ڈگمگا نہیں سکتی۔ کسی لالچ یا فریب میں اگر ہم اسلام جیسی نعمت کو نہیں چھوڑ سکتے۔ تم نے ہمدردی اور خلوص دلی سے میرا علاج کیا ہے۔ میں تمہارا مشکور ہوں۔ میرے دل میں تمہاری محبت و قعت ہے اسلئے خاموش ہوں۔ اگر تمہارے بجائے کوئی دوسرا شخص یہ باتیں کہتا۔ تو اُسے اس شیطانی ترغیب و تحریص کا جواب تلوار سے دیا جاتا۔"

ضرار کو اس وقت جوش آگیا تھا۔ ان کا چہرہ تمتمانے لگا تھا۔ آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ ارسالوس ڈر کر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد اس نے یوقنا سے مخاطب ہو کر کہا۔ سنا ہے۔ آج دربار خاص ہے۔ کچھ معلوم ہے یہ دربار کس لئے کیا جا رہا ہے۔

یوقنا۔ یہ سنا ہے۔ کہ مسلمان قیدیوں کے متعلق کچھ تصفیہ کیا جائے گا۔

ارسالوس۔ بس تو میرے خیال میں ان مسلم قیدیوں کا آخری وقت آپہنچا۔ عام طور پر رومی ان سے ناخوش ہیں۔ اراکین سلطنت ان کے دشمن ہیں۔ وزیر اعظم کو تو خدائی بیر ہے۔ خدا ہی جانے کہ کیا ہونے والا ہے۔

یوقنا۔ مجھے بھی یہی خوف ہے۔ رومیوں کو مسلمانوں سے ایسی ہی دشمنی ہے۔ جیسے مور کو سانپ سے ہے۔

ارسالوس۔ یہ دربار کس وقت ہو گا؟

یوقنا۔ دربار کا یہی وقت ہے۔ غالباً ایک گھنٹہ میں شروع ہو جائے گا۔ میں آپ کی باتوں میں کچھ ایسا محو ہوا کہ خیال ہی نہ رہا۔ مجھے تو تیار ہو کر اسی وقت روانہ ہونا چاہئے تھا۔

ارسالوس۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ جلد تیار ہو جایئے۔ خدا کرے قوم مسلمانوں کے قتل کا فیصلہ نہ کر دے۔

یوقنا۔ آمین مجھے خوف ہے کہ قیدیوں کے قتل کئے جانے کا ہی

فیصلہ کریں گے۔ کیا آپ نہ جائیں گے؟

ارساؤس۔ ضرور چلوں گا۔ میں اپنے کانوں سے مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ سنوں گا۔

عزادر نے مسکرا کر کہا۔ کوئی شخص کسی کی قسمت کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ سب کی قسمتوں کا فیصلہ قسام ازل کیا کرتا ہے۔ آپ کو قبل از وقت تامل یا خوف نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ہمارا وقت آگیا ہے۔ تو کوئی طاقت اُسے نہیں روک سکتی۔ اور اگر ابھی زندگی باقی ہے۔ تو ساری دنیا بھی مل کر ہمارا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ دیوتنا سے مخاطب ہو کر) آپ جلد تیار ہو کر تشریف لے جائیے۔"

دیوتنا اُٹھا اُس نے تیاری شروع کی۔ جلد جلد شاہی لباس پہنا۔ سر پہ تاج رکھا۔ بہت جلد تیار ہو کر ارساؤس کے ہمراہ گھوڑے پر سوار ہو کر دربار کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ دونوں تیزی سے چل کر قصر شاہی میں پہنچے۔ یہاں فوجی مسلح دستہ نے ان کا استقبال کیا۔ یہ دونوں گھوڑے سے اُترے۔ سپاہیوں نے جلدی سے بڑھ کر ان کے گھوڑے پکڑ لئے یہ دونوں قصر شاہی میں داخل ہوئے۔

اس قصر کی بیرونی جانب دیوار پر نہایت صاف سفید پلاسٹر ہو رہا تھا جس میں خوشنما بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ ان بیل بوٹوں میں موتی اور جواہرات نصب تھے۔ جن کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کئے دیتی تھی۔ قصر کا اندرونی منظر نہایت دلفریب تھا۔ صدر دروازہ سے گذر کر باغیچہ آتا ہے۔ یہ باغیچہ نہایت خوشنما تھا۔ اس میں چھوٹے چھوٹے پھلدار درخت اور جگہ جگہ ارق تھے۔ پٹریاں نہایت صاف و شفاف سنگ مرمر کی تھیں۔ پٹریوں کے دونوں جانب نہایت خوشرنگ اور خوشبودار پھولوں کے پودے تھے۔ اس باغیچہ کو عبور کر کے چبوترہ آتا تھا۔ یہ چبوترہ بہت وسیع و عریض تھا۔ اس چبوترہ پر رومی سپاہی زرہ وزرہ پوشاکیں پہنے ننگی تلواریں ہاتھوں میں لئے اکڑے کھڑے تھے۔ ان کی زرق

برق پوشاکیں جھلملا رہی تھیں۔ انہوں نے ان دونوں کو دیکھتے ہی تلواریں سروں سے اونچی کر کے سر جھکا جھکا کر سلام کیا۔ آفتاب کی شعاعوں میں ننگی تلواریں چمکیں ان دونوں کی آنکھیں جھپک گئیں۔ انہوں نے سلام لیا اور آگے بڑھے۔ اس چبوترہ سے شاہی قصر کی عمارتیں شروع ہو جاتی تھیں۔ وہ دو تین کمروں کو عبور کر کے ایک بڑے کمرہ میں داخل ہوئے۔

یہ کمرہ نہایت وسیع اور بلند تھا۔ اس کی چھت سنگ مرمر کے پتھروں کی تھی۔ دیواروں پر سنہرا رنگ کیا ہوا۔ جن پر سبز اور گلابی نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ جو نہایت دلفریب معلوم ہوتے تھے۔ فرش دبیز رومی قالینوں کا تھا۔ یہ قالین ایسے دبیز تھے کہ ان پر چلنے والوں کے پاؤں ٹخنوں سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے ان میں دھنس جاتے تھے۔ دروازوں پر نہایت بیش قیمت پردے پڑے تھے۔ اس کمرہ کے وسط میں شاہ بلوط کی ایک بڑی میز پڑی تھی۔ اس میز پر سبز سبز گنگورے کٹے ہوئے ایسے معلوم ہو رہے تھے جیسے سبز ہری گھاس کھڑی ہو۔ میز کے چاروں طرف چاندی کا خول چڑھی ہوئی کرسیاں پڑی تھیں۔ ان کرسیوں پر وزرا، امرا اور اراکین سلطنت بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے میز کے وسط میں ایک خالص چاندی کی کرسی پڑی تھی۔ اس پر سونے کا کام ہو رہا تھا۔ اس کرسی پر ہرقل اعظم شاہی لباس پہنے ہوئے بیٹھا تھا۔ اس کے لباس میں ہیرے اور جواہرات ٹکے ہوئے تھے اور اسی پر بس نہیں بلکہ ہر شخص کے لباس میں ہیرے جواہرات علی قدر مراتب ٹکے ہوئے تھے۔ جو کمرہ کو جگمگا رہے تھے۔

اس کمرہ میں شہر خموشاں کی سی خاموشی طاری تھی۔ کہیں مکھیوں کی بھن بھناہٹ ہوتی ہوگی لیکن یہاں مکھیوں کی بھن بھناہٹ بھی نہ تھی۔

یوقنا اور ارسالوس نے کمرہ میں داخل ہوتے ہی سجدہ کر کے شہنشاہ کو سلام کیا۔ سلام کر کے وہ اٹھے اور خالی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اس کمرہ میں بیٹھنے والوں کے

سر جھکے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے وہ مراقبہ میں بیٹھے ہیں۔

اب ہرقل اعظم نے نظر اٹھائی۔ اس نے سرسری نظر درباریوں پر ڈالی جب وہ دیکھ چکا تو اس نے کہا۔ "عیسائی مذہب کے پرستار درباری تاج کے وفادارو!"

اس کی آواز فضا میں گونجتے ہی تمام حاضرین اس طرح چونک پڑے گویا رعد کی کڑک نے انہیں عالم بالا سے دھکیل کر دنیا میں گرا دیا۔ ان سب کی نگاہیں ہرقل اعظم کی طرف اٹھ گئیں۔ ہرقل اعظم نے کہنا شروع کیا۔

رومی دلیرو! اسلامی حملہ آوروں کی خبریں روز بروز وحشتناک سننے میں آرہی ہیں۔ جاسوسوں کی اطلاعات مظہر ہیں۔ کہ مسلمان حلب سے چل کر حمص میں پہنچے۔ کسی رئیس مسلمان کی لڑکی کو کوئی بدبخت عیسائی جل دے کر لے آیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس لڑکی کو ایک یا دو شب حمص کے گرجا میں رکھا گیا۔ اور اس گرجہ کا پادری جس کا نام نقیطا ہے۔ اس لڑکی کو معہ ننوں اور راہبوں کے ہمراہ لے کر انطاکیہ میں آگیا ہے۔ اور کنیسہ قسیسین میں قیام پذیر ہوا ہے۔ یہ بھی سنا ہے۔ کہ وہ لڑکی بلا کی حسین ہے۔ اس کا حسن عالم افروز اور سحر خیز ہے۔ مسلمان اس لڑکی کو ورغلا کر لے آنے کی وجہ سے بہت زیادہ غضبناک ہو رہے ہیں۔ مجھے اس واقعہ کو سنکر سخت افسوس ہوا۔ کسی لڑکی کو بھگا کر لے آنا انسانیت۔ شرافت یا مردی نہیں ہے۔ یہ فعل اوباش ہے اس سے تمام قوم کے دامن پر بدنما دھبا لگتا ہے۔ جب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ یہ فعل میری ہمقوم نے کیا ہے۔ تو میرا سر فرط ندامت سے گریباں گیر ہو جاتا ہے۔ آپ صاحبان کو اچھی طرح یاد ہو گا۔ کہ جب مسلمانوں نے دمشق فتح کیا تھا تو انہوں نے شہزادی (ہرقل اعظم کی بیٹی) کو گرفتار کر لیا تھا۔ لیکن جب میں نے اپنی لڑکی کو طلب کیا تھا۔

تو انہوں نے بغیر کوئی معاوضہ لئے ہوئے شاہزادی کو نہایت عزت وقار کے ساتھ میرے پاس بھیج دیا۔ ایک وہ انسان ہیں۔ جو شریف ہیں جن کے اطوار شریفانہ ہیں۔ ایک ہماری قوم ہے جو تہذیب و انسانیت سے گر گئی ہے۔ یہ اور اسی قسم کی دوسری مذموم حرکتوں کی وجہ سے خدا اور خدا کا بیٹا اور روح القدس ناراض ہو گئے ہیں۔ ان کی ناراضگی کے باعث ہم ذلیل و خوار ہو گئے۔ اگر ہم نے اپنی حرکات شنیعہ کو نہ چھوڑا تو اس سے بھی زیادہ خوار و خستہ ہو جائیں گے۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ مسلمان غزہ میں پہنچے۔ اگرچہ انہیں معلوم ہو گیا تھا۔ کہ وہ لڑکی جس کو عیسائی زبردستی لے گئے ہیں۔ اس گاؤں میں لائی گئی۔ اور اس گرجہ میں ٹھہری۔ لیکن انہیں ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ لڑکی۔ اسے لانے والے اور گرجہ میں ٹھہرانے والے سب یہاں سے چلے گئے۔ اس شریف قوم نے عیسائیوں سے انتقام نہیں لیا۔ بلکہ ان کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا۔ اور وہاں سے چل کر رادندان پہنچے۔ رادندان کے والی نے اُن سے صلح کر لی۔ وہ حازم کی طرف بڑھے۔ حازم کے حاکم نے بھی مصالحت کر لی۔ سب سے زیادہ قابل افسوس اور فکر و تشویش کی یہ بات ہے کہ عم کا بادشاہ جسے عیسائی دنیا نہایت دلیر۔ بڑا جری۔ اور عیسائی قوم کا جانثار سمجھتی تھی۔ اُس نے بھی مسلمانوں سے مرعوب ہو کر صلح کر لی۔ اب صرف ایک قلعہ "ارتاج" باقی رہ گیا ہے۔ اگر مسلمانوں نے اُسے بھی فتح کر لیا تو پھر لوہے کے پل کے اور کوئی موقع ان کے روکنے کا نہیں ہے۔ میں نے لوہے کے پل پر کافی لشکر متعین کر دیا ہے۔ چار دن پرجوں میں رومی فوج موجود ہے۔ اگر انہوں نے ذرا بھی جرات اور دلیری سے کام لیا تو وہ ہرگز

مسلمانوں کو لوہے کا پل عبور نہ کر سکیں گے۔ مگر مجھے خوف ہے کہ مسلمانوں کا خوف عیسائیوں کے دلوں پر طاری ہوگیا ہے۔ مجھے امید نہیں کہ بر جوں کے محافظ مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں اگر خدانخواستہ مسلمانوں نے لوہے کا پل عبور کر لیا۔ تو پھر وہ انطاکیہ کے سامنے والے میدان میں ہونگے اور انطاکیہ ان کے سامنے ہی نہیں بلکہ ان کے رحم و کرم پر ہوگا مجھے بہت زیادہ مسرت ہے کہ والیان مرعش، قلعہ اسکیابرس۔ طرسوس، مصیصہ۔ آبیہ انقرہ۔ فاغمہ اور بارحہ نے شرکت کر کے عیسائیوں کے دلوں کو قوی کر دیا ہے یہ مجاہدین کثیر التعداد فوجیں لے کر جہاد میں شریک ہونے کے لئے آگئے ہیں۔ تمام قوم کو ان جانبازوں کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ میں خود ان سب اصحاب کا مشکور ہوں۔ آج اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم نااتفاقی کی لعنت کو اپنے دلوں سے دور کر دیں۔ باہمی تنازعات کے فتنہ کو پیروں سے روند کر زمین میں دفن کر دیں۔ رشک و حسد کی آگ کو قسمت کے پانی میں غوطہ دے کر بجھا ڈالیں اور متفق و متحد ہو کر مسلمانوں پر پل پڑیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو کامل یقین ہے۔ کہ ہماری فتح ہوگی۔ کیونکہ مسلمان بہت کم ہیں۔ یعنی صرف ۱۷ یا ۱۹ ہزار اور عیسائی ۱۱ لاکھ ہیں۔ ۱۹۔ ہزار گیارہ لاکھ کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں لیکن یہ جنگ آخری اور فیصلہ کن جنگ ہے۔ میں نے اس وقت آپ صاحبان کو صرف دو باتوں کے مشورہ کے لئے بلایا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ لوہے کے پل پر اس وقت ۱۰ ہزار آزمودہ کار سپاہی ہیں دیکھنا یہ ہے کہ یہ سپاہی کافی ہیں یا ان کی امداد کے لئے اور بھیجے جائیں؟۔ دوسری بات مسلمان قیدیوں کے متعلق ہے۔"

ہرقل اعظم کی گفتگو سب لوگ نہایت خاموشی سے سن رہے تھے جب وہ خاموش ہوا، تو طرسوس کا بادشاہ اٹھا۔ یہ شخص جوان تھا۔

۴۰ برس کے لگ بھگ ہو گا۔ اعلیٰ درجہ کی ریشمیں پوشاک پہنے ہوئے تھا۔ اس نے کہا۔ سب سے پہلے میں اپنی طرف سے اور ان والیان ملک کی جانب سے جن کا ذکر آپ نے ابھی فرمایا ہے۔ آپ کے صلیبی جنگ میں دعوت دینے پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہم عیسائی ہیں۔ عیسائی مذہب کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے

اس وقت مسلمانوں سے ہماری ملک پر جنگ نہیں ہے۔ مسلمان ملک و دولت کی خاطر جنگ نہیں کر رہے ہیں۔ وہ تمام دنیا کو مسلمان بنانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فارس پر قبضہ کر لیا ہے۔ ایرانیوں کو مسلمان بنا لیا ہے۔ مقدس آگ بجھا دی گئی ہے۔ ایران کے آتشکدے ٹھنڈے پڑے ہیں۔ زرتشتی یا تو ایران سے بھاگ گئے ہیں۔ یا مسلمان ہو گئے ہیں۔ ایران پر کامل تسلط کر کے اب انہوں نے ملک شام کا رخ کیا ہے۔ وہ ایرانیوں کی طرح شامیوں اور رومیوں کو بھی مسلمان بنانے کی فکر میں ہیں۔ عیسائیت کے مٹانے پر بالکل تلے ہوئے ہیں۔ اگر ان کے سیلاب کو روکا نہ گیا۔ تو ان کی رو میں یا تو عیسائی خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں گے یا انہیں کا ایک جزو بن کر ان میں جذب ہو جائیں گے۔ اس وقت ہر عیسائی کا فرض ہے کہ اپنے مذہب کا تحفظ کر کے سر سے کفن باندھ کر اٹھ کھڑا ہو۔ ہم سب دعوت نامے یا شاہی فرمانوں کے پہنچتے ہی صلیبی جہاد میں شریک ہونے کے لئے آ گئے ہیں۔ خوش قسمتی سے اس وقت تمام والیان ملک متفق و متحد ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف شرق سے غرب تک جوش و غضب امڈ آیا ہے ہر طرف سے عیسائی اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے دوڑے بڑھے ہیں۔ سب سے مسرت انگیز خبر یہ ہے۔ کہ قیصر تانوس، روم تہ الکبریٰ کا بادشاہ بھی مع ۳۰ ہزار جاں نثار عیسائیوں کے روانہ ہو گیا ہے۔ جو صبح و شام میں آنے والا ہے۔ مسلمانوں کی کل تعداد ۱۰ یا زیادہ سے زیادہ ۱۵ ہزار بتائی جاتی ہے۔ عیسائی لشکر ۱۱ لاکھ کے قریب ہے۔ اس حساب سے ایک مسلمان کے مقابلہ میں ۶۰ عیسائی ہیں۔ لیکن ایک مسلمان ۱۰ سے

نہیں اڑ سکتا۔ اس یہ یقینی امر ہے کہ فتح ہماری ہو گی۔ ہمیں زیادہ فکر و تشویش کی ضرورت نہیں مسلمانوں کو انطاکیہ کے سامنے دالے میدان میں آنے دیجئے ان کا تو پتہ بھی نہ چلے گا کہ کب آئے اور کہاں چلے گئے۔ ہمارے گھوڑوں کی ٹاپیں انہیں کچل ڈالیں گی۔ لوہے کے پل پر اسوقت دس ہزار جانباز متعین ہیں۔ میرے خیال میں یہ لشکر اسلامی سیلاب کو روکنے کے لئے بہت کافی ہے۔ وہاں تو ایک ہزار سوار بھی کافی سے زیادہ ثابت ہوتے مسلمانوں کو پل ہی فتح کرتے ہیں کم سے کم ۶ ماہ چاہئیں۔ البتہ عیسائی مجاہدین اس کثرت سے انطاکیہ میں آ گئے ہیں کہ شہر کی وسیع زمین تنگ ہو گئی ہے اگر کچھ لشکر انطاکیہ سے باہر میدان میں بھیجا جائے تو تنگی بھی جاتی رہے اور زیادہ آدمیوں کے اجتماع کی وجہ سے جو بیماری پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے وہ بھی دور ہو جائے۔

اب اقصرا کا بادشاہ اٹھا۔ یہ ادھیڑ عمر کا گرانڈیل رومی تھا۔ وہ بھی زرق برق پوشاک پہنے ہوئے تھا اس نے کہا "میں نہیں سمجھتا۔ عیسائی مسلمانوں کو ہوا کیوں سمجھنے لگے۔ کس لئے ان پر ان کا رعب طاری ہو جاتا ہے۔ جس طرح وہ انسان ہیں اسی طرح ہم بھی انسان ہیں۔ دو ہاتھ پیر جو ان کے ہیں وہی دو ہاتھ پیر ہمارے ہیں۔ اس کا تو ہمیں وہم و گمان بھی نہیں کرنا چاہیے کہ ۱۹ ہزار مسلمان ۱۱ لاکھ عیسائیوں کا مقابلہ بھی کر سکیں۔ اول تو لوہے کا پل اور پل کے جانفروش عیسائی ہی انہیں مار کر بھگا دیں گے۔ اور اگر وہ اس قدر سخت جان بھی ہوئے کہ کسی طرح پل کو عبور کر کے اس طرف چلے آئے تو سمجھ لیجئے کہ انہیں ان کی موت کشاں کشاں یہاں لا رہی ہے۔ وہ کیڑوں کی طرح سے روند ڈالے جائیں گے میرے خیال میں ۱۰ ہزار عیسائیوں کا پل پر ہونا بہت کافی ہے پل کچھ اس طرح گھاٹی پر واقع ہوا ہے۔ کہ صرف ایک عظیم الشان لشکر کو صرف روکنے کے لئے ہی کافی نہیں بلکہ انہیں فنا کر سکتے ہیں۔ اس کی طرف سے بالکل اطمینان رکھنا چاہئے البتہ یہ نہایت ضروری ہے کہ انطاکیہ میں آدمیوں کی اس قدر کثرت ہو گئی ہے کہ ہر لمحہ کسی بیماری کے پھوٹ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اس لئے یہ نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمام لشکر کو انطاکیہ سے باہر کھلے ہوئے میدان میں خیمہ زن ہونیکا حکم

دیدیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ انہیں شہر میں آ کر اشیائے خوردنی کے خریدنے کی تکلیف ہو سکتی ہے۔ اس کے متعلق تاجروں کو ٹھیکے دیدیئے جائیں۔ اور انہیں ہدایت کر دی جائے کہ وہ لشکر میں بازار لگا دیں۔ اس سے سپاہیوں کی تکلیف بھی دور ہو جائے گی اور تاجروں کو خاطر خواہ نفع بھی ہو جائے گا۔"

ایک اور ادھیڑ عمر کا پستہ قد رومی اٹھا۔ یہ بھی بیش قیمت پوشاک پہنے ہوئے تھا۔ یہ نصیبہ کا بادشاہ تھا۔ اس نے کہا: "عیسائیوں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں جو متواتر شکستیں ہوئی ہیں۔ اور ان کے ملک کا کثیر حصہ ان کے قبضہ سے نکل گیا ہے اس سے ان کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ وہ بیدار ہو گئے ہیں۔ اس بیداری ہی کی وجہ ہے کہ آج ہر عیسائی جوش شجاعت میں ڈوبا ہوا ہے۔ یقین کامل ہے کہ اس جنگ میں ہماری فتح ہو گی۔ اور مسلمانوں کا استیصال ہو جائے گا۔

اب رہا مسلمان قیدیوں کا معاملہ۔ میرے خیال میں انہیں قتل کر ڈالا جائے کیوں ہم انہیں باقی رکھ کر ان کی حفاظت کریں۔ جب مسلمان ہمارے آدمیوں کو قید کرتے ہی قتل کر ڈالتے ہیں۔ تو کیوں نہ ہم بھی اُن کے آدمیوں کو قتل کر ڈالیں۔"

سرورند وزیر اعظم نے اٹھ کر پر زور تائید کرتے ہوئے کہا۔ "قیدیوں کے متعلق یہی تجویز مناسب ہے۔ جب مسلمان سنیں گے کہ ان کے آدمی قتل کر دیئے گئے۔ تو ان پر رومیوں کا رعب طاری ہو جائے گا۔ اور وہ یا تو واپس لوٹ جائیں گے یا جو شرائط ہم پیش کریں گے ان پر مصالحت کر لیں گے۔"

سرورند کے بیٹھتے ہی یوقنا اٹھا۔ اس نے کہا: "میرے خیال میں یہ تجویز دور اندیشی پر مبنی نہیں ہے۔ یہ زمانہ جنگ کا زمانہ ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ آئندہ کیا پیش آنے والا ہے۔ خدا نہ کرے کہ ہمارے سربر آوردہ آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہو جائیں۔ لیکن اگر ایسا ہوا تو وہ بھی فوراً اسیروں کو قتل کر ڈالیں گے ہمیں جنگ کے فیصلہ تک مسلمان قیدیوں کو بدستور حراست میں رکھنا چاہئے۔ اگر

جنگ کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوا تو مسلمانوں کو قتل کر ڈالیں گے۔ یا انہیں عیسائی ہونے کی ترغیب دیں گے۔"

اب ایک ضعیف العمر رومی اُٹھا۔ یہ نحیف الجثہ تھا۔ اس کی داڑھی لمبی اور سفید تھی۔ یہ رومی کتان کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس نے کہا۔ "اس وقت قیدیوں کو قتل کرنا دانشمندی نہیں۔ البتہ انہیں عیسائی ہونے کی ترغیب ضرور دیجائے۔ اگر وہ عیسائی ہو جائیں تو بہت کچھ ہمارے ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔"

سردرند کو مسلمانوں سے خدائی بیر تھا۔ اُسے اس لئے اُن پر غصہ تھا کہ انہوں نے اس کی سر دربار توہین کی تھی۔ اس نے کہا: "ہماری وہ کیا معاونت کر سکتے ہیں۔ عرب متنصرہ انہیں کی ہم قوم ہیں۔ لیکن وہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جانے کیا بات ہے۔ کہ اگر کوئی عرب عیسائی ہو بھی جاتا ہے۔ تو اس کی بہادری اور دلیری مفقود ہو جاتی ہے.........."

جبلہ کو سردرند کی گفتگو ناگوار گذری اس نے کہا: "مجھے افسوس ہے۔ کہ وزیر اعظم نے [illegible] مجھے اور میری قوم کو مورد الزام ٹھہرا دیا ہے۔ بیشک میں اور میری قوم عرب ہے۔ جو خون مسلمانوں کی رگوں میں ہے۔ وہی ہماری رگوں میں بھی ہے۔ لیکن مسلمان عیش و عشرت میں مشغول نہ ہونے کی وجہ سے جفاکش ہیں۔ ان کا جوش اور ان کی دلیری بدستور قایم ہے۔ ہم عیش و عشرت میں مشغول ہو کر اپنی شجاعت کو خیرباد کہہ چکے ہیں۔ پھر بھی ہم اس قدر ناکارہ نہیں ہو گئے ہیں جس قدر وزیر اعظم کا خیال ہے۔ ممکن ہے ہم مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکیں لیکن پھر بھی عیسائیوں سے ہر بات میں بڑھے ہوئے رہیں گے......"

سردرند نے قطع کلام کر کے کہا۔ "مجھے افسوس بھی ہے۔ اور ندامت بھی کہ میری گفتگو سے ہمدان کے بادشاہ کا دل مجروح ہوا۔ میں حضرت مسیح کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری مراد ان لفظوں سے طعنہ زنی نہ تھی۔ بلکہ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ مسلمان جب تک مسلمان رہتے ہیں۔ ان میں وہی جوش اور بہادری قائم رہتی ہے

اور اگر کبھی اتفاقیہ کوئی مسلمان عیسائی ہو جاتا ہے تو اس کی شجاعت و بسالت کوچ کر جاتی ہے۔"

یوقنا۔ یہ خیال بھی غلط ہے۔ جبلی شجاعت مفقود نہیں ہوا کرتی۔ البتہ عیش و تنعم اُسے زنگ خوردہ کر دیتا ہے۔"

اب ہرقل اعظم نے کہا۔ مجھے افسوس ہے کہ ایک ناگوار بحث کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میرے خیال میں اس سلسلہ کو بند کر کے شیر و شکر ہو جانا چاہیے۔"

سردرند نے فوراً آگے بڑھ کر جبلہ سے کہا۔ میں متاسف ہوں اور شرمسار بھی کہ میری گفتگو سے آپ کو رنج پہنچا۔ مجھے آپ کے رنج کا کافی احساس ہوا ہے میں معافی چاہتا ہوں۔"

جبلہ نے بغلگیر ہو کر کہا۔ "واقعی میرے جذبات سخت مجروح ہو گئے تھے۔ میں نے اسے اپنی قوم پر رکیک حملہ سمجھا تھا۔ لیکن اب صفائی ہو گئی۔ اب مجھے کوئی شکایت نہیں رہی۔"

یوقنا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ کہ جو ناگوار سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ وہ بہت جلد ختم کر دیا گیا۔ اب مسلمان قیدیوں کے متعلق جلد کوئی انتہائی فیصلہ کرنا چاہیے میں نے ان پر عیسائی ہونے کے لئے بہت کچھ زور دیا۔ ڈرایا دھمکایا بھی۔ لیکن وہ آمادہ نہیں ہوتے۔ اگر وہ عیسائی ہو جائیں تو میرے خیال میں ہمیں بہت کچھ تقویت پہنچ سکتی ہے۔

طرسوس کا بادشاہ پھر کھڑا ہوا۔ اس نے کہا۔ میرے خیال میں انہیں زبانی طور پر دھمکیاں دی گئی ہیں۔ عملی طور پر نہیں ڈرایا گیا۔ آپ انہیں قسیسین کے گروہ کے سامنے طلب کر کے فوجی نمائش کے روبرو عیسائی ہونے کے لئے کہیں۔ اگر وہ نہ مانیں تو ان میں سے دو چار آدمیوں کو قتل کرا دیں۔ اس طرح یقین ہے۔ کہ وہ موت کے خوف سے ڈر کر عیسائی ہو جائیں گے۔"

یوقنا۔ سب سے زیادہ مجھے مسلمانوں سے سابقہ پڑا ہے۔ میں ان کے

رگ و ریشہ سے واقف ہوں۔ یہ تدبیر جو ابھی شاہ طرسوس نے بیان فرمائی میں آزما چکا ہوں۔ میں نے بہت سے مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ میرا تجربہ ہے کہ کبھی کوئی مسلمان موت کے خوف سے ڈر کر عیسائی نہ ہوگا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ملک و دولت کی تحریص انہیں عیسائی بننے پر آمادہ کر دے۔

ایک ضعیف العمر معزز رومی کھڑا ہوا۔ اس نے کہا۔ دنیا میں حسن اور دولت چلتے ہوئے جادو ہیں۔ یہ دونوں چیزیں ہر انسان کو مرغوب ترین ہیں۔ دمشق (یوقنا) نے جو فرمایا یہ رائے مناسب ہے۔ مگر میں اس میں تھوڑی سی ترمیم کرنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ اس میں ہماری تھوڑی سی سبکی ہے۔ لیکن جب ہماری سب کی یہی آرزو ہے۔ کہ کسی طرح مسلمان قیدیوں کو عیسائی بنا لیا جائے تو اس سبکی کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ وہ ترمیم یہ ہے۔ کہ سونے چاندی کے انبار اور ہیرے جواہرات کے ڈھیر لگا کر ہم اپنی اپنی دوشیزہ پری جمال اور حور وش لڑکیوں کو بھی ان کے سامنے پیش کریں اور ان سے کہیں۔ کہ سیم و زر لو۔ ہیرے جواہرات لو۔ ملک کا زرخیز حصہ لو۔ اور ان پری وش لڑکیوں میں سے جسے دل چاہے لو اور عیسائی ہو جاؤ۔ میرے خیال میں وہ دولت اور دولت کے ساتھ ہمارے ملک کی نازآفریں حور وش لڑکیوں کو دیکھ کر ضرور عیسائی ہو جائیں گے۔"

ہرقل اعظم نے یہ دیکھنے کے لئے کہ کوئی رومی اس کی تردید کرتا ہے۔ یا نہیں۔ تمام لوگوں پر ایک غلط انداز نظر ڈالی۔ سب لوگ خاموش تھے۔ اس نے انکی خاموشی نیم رضا سمجھ کر دریافت کیا۔ کیا آپ سب اصحاب تیار ہیں کہ اپنی لڑکیوں کو مسلمان کی ازدواج میں دیدیں؟

مصیصہ کے بادشاہ نے کہا۔ عظیم روم! اگر مسلمان عیسائی ہو جائیں تو ہم سب اپنی لڑکیاں ان کے نکاح میں دینے کو تیار ہیں اسلئے مسلمان حملہ آوروں کی ہمتیں

پست ہو جائیں گی۔ ان کے دل ٹوٹ جائیں گے اور پھر یا تو وہ صلح کر لیں گے یا شکست کھا کر بھاگ جائیں گے۔

ہرقل اعظم ابھی تک بغور ہر شخص کو دیکھ کر اس کے جذبات کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس نے کہا: "اے شاہان روم! اے عیسائی شیدائیو!! جو تدبیر اسوقت آپ کے سامنے پیش ہے۔ اس سے تمام قوم کی عزت و آبرو پر اثر پڑتا ہے۔ خوب سوچ سمجھ لو۔ اگر کسی کو اختلاف ہو تو آزادی سے اپنی رائے کا اظہار کر دے"

اب ماہیہ کا بادشاہ اٹھا اس نے کہا۔ اس رائے میں کسی کو اختلاف نہیں سب ہی یہ چاہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو عیسائی بنا لیا جائے۔ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی یہ آخری تدبیر ہے۔ ضرور اس تدبیر پر عمل کرنا چاہیئے"

اس وقت ہرقل اعظم کے چہرہ سے مسرت کے آثار ظاہر ہوئے اس نے کہا۔ مجھے پورا اطمینان ہے۔ کہ یہ تدبیر ضرور کارگر ہوگی۔ جب مسلمان ایک طرف دولت اور دوسری طرف حسن و جمال کی گرانمایہ جنس دیکھیں گے تو ضرور عیسائی ہو جائیں گے۔ قابل مبارکباد ہے۔ وہ ہستی جس کے دماغ میں یہ خیال آیا۔ لائق صد ہزار تحسین ہیں وہ اشخاص جنہوں نے اس پر عمل کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ مذہب اور گرجہ کی حفاظت اس طرح ہو سکتی ہے۔ خدا اور خداوند اس سے بہت زیادہ خوش ہوں گے۔ میرے خیال میں اس تدبیر پر آج ہی عمل کرنا چاہیئے اس کے لئے کنیسہ تسیین مناسب ہے۔ کنیسہ کی صفائی ہونی چاہیئے۔ اس میں سونے چاندی کے ڈھیر لگا دیئے جائیں۔ ہیرے جواہرات کے طشت رکھ دیئے جائیں۔ ریشمیں تھانوں کے انبار قائم کر دیئے جائیں اور بارہ بجے دوپہر سے قبل حسنکی دیویوں کو اس میں بھیجا دیا جائے۔ میں یہاں سے جاتے ہی شاہی خاندان کی تمام دوشیزہ اور حسین لڑکیوں کو بنا سنوار کر کنیسہ میں بھیجے دیتا ہوں اب سب اصحاب بھی اپنی اپنی لڑکیوں کو اور شہر کی تمام حور طلعت لڑکیوں کو

بھیجدیں۔ ہر لڑکی کو عمدہ سے عمدہ اور نفیس سے نفیس پوشاک پہنا کر بھیجنا چاہیئے ان کے سروں میں خوشبودار تیل ڈالا جائے۔ کپڑوں میں عطر لبا دیا جائے بس اب جائیے اور بارہ بجے سے قبل کنیسہ میں تشریف لائیے (دمشق یوقنا) تم بارہ بجے سے قبل قیدیوں کو لے کر گرجہ میں آجاؤ۔ اس کار خیر میں توقف نہ کرنا چاہیئے۔ اچھا خدا حافظ۔

یہ سنتے ہی تمام حاضریں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اُنہوں نے سربسجود ہوکر سلام کیا۔ ہرقل اعظم سلام لے کر اُٹھا۔ اس کے اُٹھتے ہی کمرہ سے باہر پشت کی طرف نہایت سریلا باجہ بجنا شروع ہوا۔ باجہ کی آواز کے ساتھ ہی اس طرف کے دروازہ کا پردہ اُٹھا اور دس حور وش پری جمال لڑکیاں تھرکتی ہوئی کمرہ میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے کمرہ میں آتے ہی ایک ادائے جانانہ کے ساتھ سروں کو خم کر کے سلام کیا۔ ہرقل اعظم اس دروازہ کی طرف بڑھا جس سے یہ حسن و جمال کی پتلیاں برآمد ہوئی تھیں۔ اس کے بڑھتے ہی ان پیکر حسن و جمال نے اس کے لبادہ کو اپنے نازک ہاتھوں میں اُٹھا لیا۔ ہرقل اعظم کمرہ سے نکل کر چلا گیا اس کے جاتے ہی سب لوگ کمرہ سے باہر آئے اور چبوترہ اور باغیچہ کو طے کر کے شاہی قصر سے برآمد ہوکر اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ اور اپنی اپنی قیام گاہوں کی طرف چل دیئے۔

اٹھارہواں باب

حسینوں کی نمائش

جاں جاؤ جہان عشق میں اک شور برپا ہے
نمائش ہے حسینوں کی یہی ہر سمت چرچا ہے

یوقنا اور لوگوں سے رخصت ہو کر اپنی قیام گاہ پر آیا۔ دو سید حاضر ار کے

پاس پہنچا۔ یہاں لوسیانہ بیٹھی تھی۔ اس وقت ضرار کچھ مغموم ہو رہے تھے۔ انہیں ان کی بہن اور دوسرے مسلمانوں کی یاد ستا رہی تھی۔ لوسیانہ بیٹھی تھی اور بھولی بھولی باتیں کرکے ان کا دل بہلا رہی تھی۔ جب یوقنا پہنچا۔ تو ضرار نے اس سے دریافت کیا۔ "کہیئے دربار میں ہو آئے۔ کیا باتیں ہوئیں؟"

یوقنا نے جواب دیا۔ بہت کچھ باتیں ہوئیں۔ کچھ جنگ اور جنگ کے انتظامات کے متعلق تھیں۔ کچھ تم سے تعلق رکھتی تھیں۔ آج تمہیں اور تمہارے ہمراہیوں کو کنیسہ قسیین میں طلب کیا گیا ہے۔

ضرار۔ کنیسہ قسیین میں طلب کرنے سے کیا مطلب ہے؟

یوقنا۔ تمہارے متعلق انقطاعی فیصلہ کیا جائے گا۔

ضرار۔ خدا بہتر کرے گا۔ کس وقت ہمیں کنیسہ میں بلایا جائے گا؟

یوقنا۔ ٹھیک بارہ بجے۔ اب گیارہ بجے ہیں۔ صرف ایک گھنٹہ باقی ہے اتنے میں آپ کھانے سے فارغ ہو جایئے۔

یوقنا نے کھانا لانے کا حکم دیا۔ کھانا آیا۔ یوقنا۔ ضرار اور لوسی نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر یوقنا نے فوق البھڑک لباس زیب تن کیا۔ یہ لباس وہ لباس نہ تھا کہ جو وہ روز پہنا کرتا تھا۔ لباس پہن کر اس نے تمام قیدیوں کو اپنے مکان پر طلب کیا۔ قیدی آ گئے یہ لوگ نہایت خوش وخرم تھے۔ انہوں نے آتے ہی ضرار کو سلام کیا۔ لوسی ایک طرف چلی گئی۔ یوقنا نے قیدیوں کے لئے گھوڑے فراہم کئے۔ اور پانچسو سپاہیوں کے دستہ کو تیاری کا حکم دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں قیدیوں کے لئے گھوڑے آ گئے۔ سپاہی بھی مسلح ہو کر کھڑے ہو گئے۔

یوقنا مسلمان قیدیوں کو ہمراہ لے کر اپنے قصر سے برآمد ہوا۔ قیدی گھوڑوں پر سوار کرائے گئے۔ رومی سپاہیوں نے چاروں طرف سے انہیں حراست میں لے لیا یوقنا بھی اپنے گرانڈیل گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس نے سپاہیوں کو چلنے کا اشارہ کیا۔ سپاہی قیدیوں کو لے کر آہستہ آہستہ روانہ ہوئے۔

قیدیوں کے گنبسہ میں طلبی کی خبر تمام شہر میں برقی پر لگاکر دوڑ گئی تھی۔
عیسائی عورتیں، مرد بچے اور بڈھے جوق جوق انہیں دیکھنے کے لیے دوڑے
چلے آرہے تھے دیکھتے ہی دیکھتے تمام بازار کی سڑک دکانیں۔ دکانوں کی
چھتیں۔ مکان۔ مکانوں کی چھتیں۔ سڑک کے کناروں پر کھڑے ہوئے درخت
سب ہی انسانوں سے پٹ گئے تھے۔ جس طرف نظر جاتی تھی۔ انسانوں کا سمندر
لہریں لیتا ہوا نظر آتا تھا۔ یہ لوگ خاموش نہ تھے بلکہ جوش وخروش سے نعرے
لگا رہے تھے۔ تالیاں بجا رہے تھے۔ رومال اور ٹوپیاں اچھال رہے تھے
جو ذرا متعصب یا جوشیلے تھے۔ وہ بلند آواز سے چیخ چیخ کر مسلمانوں کو مسلمانوں
کے مذہب کو۔ اور اسلام کے بانی کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ مسلمان سر جھکائے
خاموش گھوڑوں پر سوار چلے جا رہے تھے۔ یہ دوسرا موقعہ تھا کہ رومیوں نے
مسلمان قیدیوں کو انطاکیہ میں تشہیر کیا۔

بازاروں سے گزر کر جب یہ گرجہ کے سامنے والے میدان میں پہنچے
تو انہوں نے تمام میدان کو رومیوں سے لبریز پایا۔ ہجوم کی یہ کثرت تھی کہ راستہ
نہ ملتا تھا۔ بڑی دشواری سے یہ لوگ قدم قدم چل کر گرجہ کے بیرونی احاطہ
والے دروازے پر پہنچے۔

گرجہ کا دروازہ نہایت خوشنمائی سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اس پر سبز سبز بیلیں اور
خوشرنگ پھول اس کثرت سے لاد دیئے گئے تھے کہ سوائے ہرے ہرے
پتوں اور رنگ برنگ کے پھولوں کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔

دروازہ پر باجہ نہایت سریلی آواز سے بج رہا تھا۔ قرب وجوار کے عیسائی
باجہ کی مستانہ آواز سن سن کر مست و بیخود ہو رہے تھے قیدیوں کو دیکھ کر باجہ
والوں نے اور بھی پرکیف لہجہ میں باجہ بجانا شروع کیا۔ حقیقت میں باجہ ایسے
روح پرور لہجہ میں بجایا جا رہا تھا کہ خواہ مخواہ دلوں کو پرکیف سرور حاصل ہو
رہا تھا۔

دروازہ پر پہنچکر تمام قیدی گھوڑوں سے اُتار دیے گئے۔ یوقنا بھی اپنے گھوڑے سے اُتر آیا۔ اور قیدیوں کو ہمراہ لے کر دروازہ کو عبور کر کے گرجہ کے احاطہ میں داخل ہوا۔

گرجہ کے اندر اس کثرت سے خوشبویات جلائی جا رہی تھیں۔ کہ دروازہ میں داخل ہوتے ہی لپٹیں آنے لگیں۔ تمام احاطہ مہک رہا تھا۔ ابھی یہ لوگ چند قدم ہی چلے تھے۔ کہ انہوں نے راستہ کے دونوں طرف گرجہ کے دروازہ تک لمبی قطار دں میں نوجوان عورتیں ہری پوشاک میں ملبوس کھڑی ہوئی نظر آئیں۔ یہ تمام عورتیں نہایت حسین تھیں۔ وہ اپنی بڑی بڑی دلفریب آنکھوں سے مسلمانوں کو دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔ ان کا لباس کچھ اس قسم کا تھا۔ کہ سینوں کا اُبھار نمایاں طور پر نظر آ رہا تھا ٹخنے اور کہنیوں تک ہاتھ پاؤں کھلے تھے۔ ان کے چہروں کا ہلکا گلابی رنگ آفتاب کی شعاعیں پڑنے سے ایسا دلفریب معلوم ہو رہا تھا۔ کہ اہل دل کی نظروں میں کھبا جاتا تھا۔ مسلمان ان ہوشربا حسینوں کی طرف ملتفت نہیں ہوئے۔ انہوں نے اچٹتی ہوئی صرف ایک نظر ان ماہ پیکروں پر ڈالی اور سر جھکا جھکا کر آہستہ آہستہ روانہ ہو گئے۔

مسلمان قیدی چار چار کی قطاروں میں تھے۔ وہ دور تک پھیلے ہوئے آہستہ آہستہ چل کر یہ لوگ گرجہ کے دروازہ پر پہنچے۔ یہ دروازہ احاطہ کے دروازہ سے بھی زیادہ سجایا گیا تھا۔ جس وقت یہ دروازہ میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ ٹھیک اسی وقت ہرقل اعظم گرجہ کے اندر سے نمودار ہوا۔ اس وقت وہ نہایت ہی بیش قیمت سرخ رنگ کی پوشاک زیب تن کئے ہوئے تھا۔ اس کے لباس کے حاشیوں پر سونے کے تاروں سے کشیدہ کڑھا ہوا تھا جن میں جواہرات آویزاں تھے۔ بوتام کی جگہ لعل لگے ہوئے تھے۔ اس سرخ لباس پر سرخ ہی رنگ کا لبادہ پڑا ہوا تھا۔ اس کے حاشیوں پر بھی ہیرے جواہرات لگے ہوئے تھے۔ سر پر سونے کا درخشاں تاج۔ اس کا لباس

اور تاج اس قدر جگمگا رہے تھے۔ کہ دیکھنے والوں کی نظریں خیرہ ہو کر جھپک جاتی تھیں۔

ہرقل اعظم کے نمودار ہوتے ہی تمام عورتیں ایک خاص ادا کے ساتھ کسی قدر آگے کو جھک کر اپنے نازک سر کو خم کر کے گداز سینوں پر ہاتھ رکھ رکھ کر کھڑی ہو گئیں۔ یوقنا نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا "خوش آمدید! اسلامی فرزندو! تمہارا اس گرجہ میں آنا مبارک ہو! آؤ گرجہ کے اندر چلو اس کی آرائش و زیبائش اور ساز و سامان کو دیکھو۔"

یہ کہتے ہی وہ بغیر جواب کا انتظار کئے ہوئے گرجہ کے اندر چلا گیا۔ مسلمان بھی اس کے پیچھے گرجہ کے اندر داخل ہوئے۔

آج گرجہ کا ہر کمرہ نہایت ہی آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا۔ دنیا کی ہر آرائشی چیز اس کے اندر موجود تھی۔ ریشم کے پھولدار پردے دروازوں پر پڑے ہوئے تھے۔ نہایت دبیز قالینوں کا فرش ہو رہا تھا۔ اس کمرہ میں حضرت مریم۔ روح القدس اور حضرت عیسیٰ کی تصاویر تھیں۔ ان تصویروں کے سامنے عیسائی مرد اور نوجوان خوبصورت عورتیں دوزانو ہاتھ جوڑے ہوئے کھڑے تھے۔ عورتیں نہایت حسین تھیں۔ وہ فوق البھڑک پوشاکیں پہنے ہوئے تھیں۔ ان کے حسن کی ضو نے تمام کمرہ کو منور کر رکھا تھا۔

مسلمانوں نے ایک غلط انداز نظر ان پر ڈالی۔ تصویر پرستی کے اس منظر کو دیکھا۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا "کَذَبَ الْعَادِلُوْنَ بِاللّٰہِ وَضَلُّوْا ضَلٰلًا لَّا بَعِیْدًا وَخَسِرُوْا خُسْرَانًا مُّبِیْنًا مَا اتَّخَذَ اللّٰہُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ"۔ ترجمہ۔ مشرک جھوٹے ہیں۔ جو اللہ کا شریک بتاتے ہیں۔ وہ گمراہ ہیں۔ گمراہی میں پڑے ہیں۔ اللہ کے نہ کوئی بیٹا ہے۔ اور نہ کوئی اللہ کے ساتھ معبود ہے۔

تمام عیسائی مرد اور عورتیں چونک پڑے۔ عورتیں سہمی ہوئی نظروں سے

انہیں دیکھا مردوں نے غضب آلود نظریں ان پر ڈالیں۔ اگر ہرقل اعظم موجود
نہ ہوتا۔ یا ان کی پرستش گاہ نہ ہوتی۔ تو شاید وہ مسلمانوں پر حملہ کر دیتے مسلمانوں پر
ان کی قہر آلود نگاہوں کا کوئی اثر نہ ہوا وہ اس کمرہ کو عبور کر کے اس بڑے کمرہ
میں پہنچائے گئے۔ جہاں اسقف اعظم وعظ کہا کرتا تھا۔

یہ کمرہ جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہے۔ نہایت وسیع بلند اور کشادہ تھا۔ اس میں
تین ہزار سے زیادہ آدمی باسانی آجاتے تھے آج یہ کمرہ بیش قیمت اشیائ سے
آراستہ کر کے دلہن بنا دیا گیا تھا۔ اس کی چاروں طرف دیواروں میں قد آدم حلبی آئینے
لگا دیئے گئے تھے۔ آئینوں کے اوپر کی جانب چھت تک سرخ رنگ کا ریشمیں
کپڑا منڈھ دیا گیا تھا۔ سبز ریشم کی چھت گیری لگادی گئی تھی۔ ایک جانب سونے
کے بڑے بڑے ٹکڑوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ اس کے قریب ہی اس سے اونچا
ڈھیر چاندی کی اینٹوں کا لگایا گیا تھا۔ آٹھ دس چاندی کے شفاف طشتوں میں
ہیرے جواہرات رکھے ہوے تھے۔ ایک چھوٹی سی طشتری میں بڑے بڑے
لعل رکھے تھے سونے چاندی کی چمک۔ ہیرے جواہرات کی دمک اور لعلوں کی
تابش نے تمام کمروں کو جگمگا رکھا تھا۔ چاروں طرف لگے ہوے آئینوں کی وجہ سے
یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ یہ کمرہ کس قدر وسیع ہے۔ ان آئینوں میں کمرہ اور کمرہ کی
موجودہ اشیاء کا عکس پڑنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس طرف بھی ایسا ہی کمرہ اور
اس میں بھی ایسا ہی ساز و سامان ہے۔ مسلمان اس کمرہ میں داخل ہو کر سخت حیران و
ششدر ہوے۔ ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں جب انہوں نے کمرہ کے وسط میں کھڑے
ہو کر بائیں طرف نظر کی تو انہیں حسن و جمال کا متحرک سمندر نظر آیا۔ اس طرف نوجوان
دوشیزہ۔ نوخیز حور وش لڑکیاں بیش قیمت اور زرق برق پوشاکیں پہنے پرا
باندھے نہایت آن بان سے کھڑی حسن و خوبصورتی کی نمائش دکھا رہی تھیں۔
یہ تمام لڑکیاں نہایت خوبصورت تھیں۔ ان کے چہرے صاف شفاف تھے۔ رنگ
ہلکا گلابی تھا۔ گلابی ہی پوشاکیں پہنے ہوے تھیں۔ ان کی پوشاکوں کے حاشیوں پر

زر دوزی کام ہو رہا تھا اس پوشاک نے ان کے حسن میں اور چار چاند لگا دیئے تھے۔ ان کے حسن کی چمک نے کمرہ کی جگمگاہٹ کو دوبالا کر دیا تھا۔ ہر لڑکی دوسری سے بڑھ چڑھ کر حسین تھی۔ ان کی مستانہ اور ہوش ربا آنکھیں دل چھین لینے پر تلی ہوئی تھیں۔ عارض تاباں شگفتہ گلاب کے پھولوں سے زیادہ دلاویز تھے۔ سینوں کا ابھار دیکھنے والوں کے دلوں میں تیر دناں کا کام کر رہا تھا۔ قد و قامت قیامتیں برپا کئے دیتے تھے۔ ان ناز آفرین اور حسین و جمیل لڑکیوں کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک چاند کے سیکڑوں ٹکڑے کر دیئے گئے ہیں۔ اور ان ٹکڑوں کی چمک ان حسین گلعذاروں کے پیارے چہروں میں جلوہ گر ہو کر آسمان کے چاند پر چشمک زنی ہونے لگی ہے۔ اس وقت ان چاند کے ٹکڑوں نے اپنی پوشاکیں زیب تن کر رکھی تھیں جن سے ان کے لطف گداز سینے اور پر نور صراحی دار گردنیں نظر آکر اہل دلوں کے دلوں پر ڈاکہ ڈال رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں اس وقت ایسی کہربائی قوت پیدا ہو گئی تھی کہ زاہد خشک کے دل کو بھی اپنی طرف کھینچے بغیر نہ رہ سکتی تھی۔ وہ ہلکے تبسم کے ساتھ میٹھی میٹھی نظروں سے مسلمانوں کو دیکھ دیکھ کر انہیں اپنا گرویدہ بالخصوص رشید اپنانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

دنیا میں حسن و جمال کی صدہا نمائشیں ہوئیں اور ہوں گی لیکن جو نمائش قسیس کے گرجہ میں کی گئی اس سے بہتر تو کیا اس کے برابر بھی نہ کبھی ہوئی اور نہ آئندہ ہو گی۔ اس نمائش میں شہزادیاں۔ وزیر زادیاں۔ امیر زادیاں اور رومیوں کی وہ پریزاد لڑکیاں تھیں جن کے حسن و جمال کا شہرہ شرق سے غرب تک پھیلا ہوا تھا۔

ان حوروش لڑکیوں کے عقب میں دو شیزہ اور پری جمال نہیں اپنے ڈھیلے ڈھالے مگر سفید براق جیسے لباس میں ملبوس کھڑی تھیں۔ ان کی سادگی ان کے حسن کا زیور بنی ہوئی تھی اس سفید اور سادہ لباس میں ان پر نور برمس

رہا تھا وہ بھولی صورت ہائے دل چھین لینے والی نگاہوں سے حیات بخش تبسم
کے ساتھ مسلمانوں کی طرف نظارہ کناں تھیں۔ ان ننوں کے درمیان حور وش
عذرا بھی پیکر حیرت بنی کھڑی تھی۔ یہ اپنے لباس میں تھی جسے وہ اپنے
گھر سے پہن کر آئی تھی۔ یہ لباس میلا ہو گیا تھا۔ مگر اس کے حسن کا آفتاب
اس وقت بام عروج پر پہنچا ہوا تھا۔ اسے نہ زیور کی ضرورت تھی نہ اچھے
لباس کی حاجت اگرچہ وہ غمگین و اداس تھی مگر حسن و جمال اس پر اسقدر
فریفتہ تھے کہ اس وقت اور ان حالتوں میں بھی وہ ان تمام حور وش لڑکیوں
اور پری جمال ننوں سے بڑھ چڑھ کر حسین معلوم ہو رہی تھی۔

ننوں کے پیچھے راہب کھڑے تھے جو حیرت و استعجاب سے آنکھیں
پھاڑے بے تحاشا ان نور کی پتلیوں کو دیکھ رہے تھے۔

راہبوں کے پیچھے معزز رومی۔ درباری۔ شاہی مصاحب اور عیسائی
لشکروں کے سردار پرا باندھے کھڑے تھے اس وقت یہ سب لوگ خاموش تھے
تمام کمرہ پر آدھی رات کا سکوت طاری تھا۔

کمرہ کے عین وسط میں ٹھوس چاندی کی ایک کرسی پڑی تھی۔ اس کے
برابر ہی میں ایک اور کرسی اسی وضع کی تھی۔ ان دونوں کرسیوں کے سامنے
کسی قدر فاصلہ پر دو سو کرسیاں آگے پیچھے قطاروں میں پڑی تھیں۔ ہرقل اعظم
چاندی کی کرسی پر بیٹھ گیا اس نے سامنے والی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا
وہ بیٹھ گئے۔ ان کے بیٹھنے پر ہرقل اعظم ان کے سامنے اور بائیں طرف سونے
چاندی کے انبار ہیرے جواہرات کے طشت اور داہنی طرف حور وش لڑکیاں
ہو گئیں۔ لیکن چونکہ آئینے لگے ہوئے ہونے کی وجہ سے ہر چیز ہر طرف نظر آتی
تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے پری جمال اور نوخیز اور شیریں ادا لڑکیاں
ہر طرف پرا باندھے کھڑی روح پرور تبسم کے ساتھ ہوشربا آنکھوں سے مسلمانوں کی
طرف دیکھ رہی ہیں۔

ہرقل اعظم کے عقب میں بھی سیکڑوں کرسیاں پڑی تھیں ان کرسیوں پر
والیان ملک، وزرا اور اراکین سلطنت بیٹھے تھے۔

حور وش لڑکیوں کا لباس اس قدر خوشبویات میں لبا ہوا تھا کہ تمام کمرہ
مہک اٹھا تھا۔ تیز خوشبو سے مسلمانوں کے دماغ اس قدر معطر ہو گئے تھے۔ کہ
انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا وہ عطار کی دکان پر یا عطر کی کان پر کھڑے ہیں۔

مسلمانوں کو کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ابھی چند ہی منٹ ہوئے تھے۔ کہ ایک
ضعیف العمر پادری اس کمرہ میں داخل ہوا۔ یہ پادری اس قدر بڈھا تھا کہ عصا
کے سہارے سے چلا کرتا تھا۔ اس کے سر اور داڑھی کے بال چاندی کی طرح
سفید نہیں ہو گئے تھے بلکہ ابرو بھی برف کی طرح سفید ہو گئی تھیں۔ اس کے پیچھے
جبلہ۔ ابہم۔ حازم اور چند اور معزز رومی تھے۔ جو خاموش سر جھکائے قدم
قدم چلے آرہے تھے۔ اس پادری کو دیکھتے ہی ہرقل اعظم مؤدب ایستادہ ہو گیا۔ تمام
رومی اور راہب سجدہ میں گر پڑے۔ حور وش لڑکیاں اور پری جمال ننیں
دوزانوں ہو کر سر جھکا جھکا کر ہاتھوں کو جوڑ کر پیشانیوں کے قریب لیجا لیجا کر کھڑی
ہو گئیں۔ یہ منظر بھی ایک عجیب منظر تھا۔ انسانی پرستش کے اس منظر کو مسلمانوں
کو کہاں دیکھنا تھا۔ خدا کے خوف سے ان کے دل کانپ گئے۔ وہ نفرت و حقارت
کی نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔

یہ پادری اسقف اعظم تھا۔ سارے ملک کے گرجا اس کے زیر تحت تھے
اس کا مذہبی اقتدار اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ بغیر اس کی منظوری کے کوئی کام نہ ہو
سکتا تھا۔ یہ صرف مذہبی پیشوا ہی نہ تھا بلکہ اسے سیاست میں بھی بہت کچھ دخل تھا
پولٹیکل معاملات بغیر اس کے مشورے کے طے نہ ہوتے تھے۔ والیان ملک کی تخت
نشینی کے وقت اس کا یا اس کے نائب کا ہونا ضروری تھا۔

پادری نے کمرہ پر سرسری نظر ڈالی۔ وہ بڑھ کر ہرقل اعظم کے قریب پہنچا
ہرقل اعظم نے دوزانوں ہو کر نہایت ادب و احترام سے اس کے ہاتھوں کو بوسہ

دیا۔ وہ کرسی پر جو ہرقل اعظم کے قریب تھی بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی ہرقل اعظم بھی بیٹھا۔ جو لوگ سجدے میں پڑے ہوئے تھے کبھی کبھی سر اُٹھا کر یہ دیکھ لیتے تھے کہ پادری کرسی پر بیٹھ گیا یا نہیں۔ اُسے کرسی پر بیٹھا ہوا دیکھ کر اُٹھے۔ اور اپنی اپنی جگہ پر حسب سابق بیٹھ گئے یا کھڑے ہو گئے۔ جبلہ اور وہ لوگ جو پادری کے ہمراہ آئے تھے۔ ہرقل اعظم کی پشت والی کرسیوں پر جا بیٹھے یہ سب لوگ بھی نہایت بیش قیمت کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

حازم نے کرسی پر بیٹھتے ہی ندیدوں کی طرح ہوشربا دوشیزہ لڑکیوں اور ننوں کو دیکھنا شروع کیا۔ جب اس کی نظر عذرا پر پڑی تو وہ دل تھام کر رہ گیا۔ اور ٹکٹکی لگا کر اسے دیکھنے میں ایسا محو ہوا کہ دنیا و مافیہا سے بےخبر ہو گیا۔

اسقف اعظم کے بیٹھتے ہی ایک ادھیڑ عمر کا پادری ایک عظیم سیاہ صلیب لے کر کمرہ میں داخل ہوا۔ یہ صلیب نہایت متبرک خیال کی جاتی تھی۔ اس میں زبرجد اور لعل آویزاں تھے۔ دو پادری صلیب کے آگے آگے چاندی کی انگیٹھی لئے آ رہے تھے۔ اس انگیٹھی میں آگ روشن تھی۔ اور خوشبویات جلائی جا رہی تھیں۔ ان خوشبویات کی لپٹوں سے تمام کمرہ پہلے سے بھی زیادہ مہک اٹھا۔

اس صلیب کو دیکھتے ہی ایک مرتبہ پھر تمام عیسائی مرد سجدہ میں گر پڑے ناز آفریں لڑکیاں پہلے ہی دوزانو کھڑی تھیں۔ اسقف اعظم اور ہرقل اعظم دونوں سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔

اب پری جمال ننوں نے نہایت خوش الحانی سے گیت گانا شروع کیا۔ ان کی سریلی آواز فضا میں بلند ہوئی۔ حور وش لڑکیوں نے بھی گانے میں ان کا ساتھ دیا۔ ان کی سریلی تانیں کانوں کے راستہ سے گزر کر روح میں جذب ہو رہی تھیں یا یہ کہئے کہ گانا سننے والوں کی روحیں علم موسیقی کے سمندر میں تیرنے

گئی تھیں۔ اس گیت میں خدا۔ خداوند (حضرت عیسیٰ) روح القدس (حضرت جبریل) اور حضرت مریم کی تعریف تھی۔

مسلمان اس منظر کو دیکھ کر نہایت کبیدہ خاطر ہوئے۔ جب گیت ختم ہوا اور حور وش لڑکیاں اور پریزادنیں سرو قد استادہ ہو گئیں۔ تمام حسرو بدستور سابق بیٹھ گیے یا کھڑے ہو گئے تو مسلمانوں میں سے ایک شخص رفاعہ نے جو رومی زبان سے بخوبی واقف تھے۔ عیسائیوں کی کتابوں کا مطالعہ کر چکے تھے۔ عربی کے شاعر، قادر کلام اور فصحا میں سے تھے بلند آواز سے کہا۔

کذب حزب الشیطان ولا الٰہ الا الرحمن الذی نبیس فی عدد محسوب وانہ مرد الی شئی منسوب لیس لہ ضنا و لا ند و لا قد و لا احد الموقودات و صور المصنوعات و خلق المخلوقات و دبر امرا لکائنات اول لا فتتاح لوجودہ و اخر لا عدام الشہود کہ الیوت ولا یزول و لا یبلی لا شریک لہ و لا و زیرو لا صاحبۃ ولا مشیر لیس کمثلہ شئی وھو السمیع البصیر۔

ترجمہ یہ گروہ شیطان کے جھوٹے ہیں۔ سوائے رحمان کے کوئی معبود نہیں۔ وہ بے شمار مہربانی کرنے والا ہے۔ وہ تنہا ہے۔ کسی چیز سے تشبیہ نہیں دیا جا سکتا۔ اس کا کوئی مخالف نہیں ہے۔ نہ اُسے کوئی تمنا ہے۔ نہ اس کا ثانی ہے۔ نہ کوئی حد ہے۔ اس نے ہی موجودات کو بنایا۔ مخلوق کو پیدا کیا۔ اس نے موجودات کو نہایت ہی خوبی کے ساتھ خلق کیا ہے۔ سب سے پہلے اس کا وجود تھا وہ سب کے بعد بھی باقی رہے گا نہ وہ مرے گا نہ فنا ہو گا۔ نہ وہ ازمائش کیا جائے گا۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ نہ قوت دہندہ ہے۔ نہ ہمنشیں اور صلاح کار ہے۔ یعنی کوئی اسکا مثل نہیں ہے وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

رفاعہ کے خاموش ہوتے ہی تمام مسلمانوں نے بلند آواز سے کہا:۔
اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ: ترجمہ

اللہ بزرگ ہے۔ اللہ بڑا ہے۔ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں۔ محمد صلعم خدا کے رسول ہیں۔"

مسلمانوں کی ہولناک آواز کمرہ میں گونج اٹھی۔ نازک اندام لڑکیاں کانپ گئیں۔ راہب چونک پڑے۔ مرد خوفزدہ ہو گئے۔ کمرہ میں زلزلہ سا آ گیا۔

رومیوں کو مسلمانوں کی یہ حرکت سخت ناگوار گذری۔ تمام عیسائی غضبناک نگاہوں سے اور راہب کینہ توز نظروں سے انہیں گھورنے لگے۔ پری جمال لڑکیوں نے ان پر سہمی ہوئی نگاہیں ڈالیں۔ صرف ایک پری وشی عذرا تھی۔ جو مسکرا کر انہیں پر افتخار نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

ہرقل کی پشت کی جانب بیٹھنے والے عیسائیوں میں سے ایک تنومند رومی اٹھا اس نے کہا۔ "مسلمانو! تمہیں اس جگہ کا احترام کرنا چاہیئے۔ یہ ہماری پرستش گاہ ہے۔"

رفاعہ نے فوراً جواب دیا۔ "اور پرستش گاہ بھی صرف انسانوں کی پرستش کرنے کے لئے۔"

اس رومی نے غضبناک ہو کر کہا۔ "تم لوگ ہماری مراعات سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہو۔ اگر تمہارا یہی وطیرہ رہا۔ تو تلوار کے زور سے تمہیں ٹھیک کیا جائے گا۔"

رفاعہ کو غصہ آ گیا۔ اس نے کہا۔ "یہ تم کہتے ہو جو تلوار اٹھانا بھی نہیں جانتے مجھے حیرت ہے۔ کہ سچی بات سن کر تمہیں طرارہ کیوں آتا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا۔ کہ تم اپنی خامیوں پر نظر کر کے اصلاح کی طرف مائل ہوتے نہ کہ......"

ابھی رفاعہ کا فقرہ تمام نہیں ہوا تھا کہ اسقف اعظم نے قطع کلام کر کے کہا "مسلمانو! تم ذرا سی بات سن کر برافروختہ ہو جاتے ہو۔ حالانکہ مقتضائے انصاف یہ ہے۔ کہ تم غور سے جو کچھ کہا جائے سنو۔ اس پر عمل کرو۔ کس قدر افسوس ہے کہ تم ایک نئے مذہب کے پرستار بن گئے ہو۔ تم ہمارے پڑوسی ہو۔ حجاز شام کے

قریب ہے۔ جب تم ہمارے ملک میں تجارت اور ملازمت کرنے کے لئے آنے
شروع ہوئے تو ہم نے نہایت خندہ پیشانی اور فراخدلی سے تمہارا استقبال
کیا۔ تمہیں اس قدر مراعات دیں جو کسی دوسرے کو نہ دی تھیں۔ ہمارا خیال تھا
کہ تم ایک دن شکر گزار ہو کر عیسائی ہو جاؤ گے۔ خدا کے پاک مذہب کو اختیار
کر لو گے۔ لیکن جب تم نے نئے مذہب کی طرف رجوع کیا۔ تو ہماری امیدیں تمہاری
طرف سے منقطع ہو گئیں۔ ہم ...."

رفاعہ نے قطع کلام کر کے جواب دیا "معزز پادری! مجھے افسوس ہے
کہ آپ جہاندیدہ اور مذہبی پیشوا ہوتے ہوئے ہمیں نئے مذہب کا پرستار بتا رہے ہیں
اس طرح تو آپ نے اور آپ کی قوم نے بھی نیا مذہب ہی اختیار کیا ہوا ہے۔ کیونکہ
حضرت عیسیٰ سے پیشتر حضرت موسیٰ کے ماننے والے تھے۔ حالانکہ یہ خیال
غلط ہے۔ حضرت آدمؑ اسلام کو لے کر آئے تھے۔ تمام انبیاء اسلام کی پیروی
کرتے رہے۔ حضرت عیسیٰ بھی اسلام ہی کے پیرو تھے۔ مگر جب ان کی امت
نے انہیں خدا کا بیٹا ...."

ہرقل اعظم نے قطع کلام کر کے دریافت کیا۔ "اے عربی برادر! تمہارا کیا
نام ہے؟"

رفاعہ۔ "ملک معظم! آپ میرا نام دریافت کر کے کیا کریں گے؟ نہ میں آپ کا
ہم قوم ہوں۔ نہ اہل وطن ہوں۔ صرف ایک بے کس و بے بس قیدی ہوں۔"

اس وقت وہ رومی جس نے رفاعہ کو دھمکی دی تھی، واپس ہو کر اپنی جگہ
بیٹھ گیا تھا۔ اور ایک اور ادھیڑ عمر کا رومی اٹھ کر ہرقل اعظم کے قریب آیا۔
اس رومی کا نام فلیطس تھا۔ اسے اپنی معلومات اور اپنے علم پر زعم تھا۔ اس نے
ہرقل اعظم سے مخاطب ہو کر کہا "عالیجاہا! یہ عرب سچ کہتا ہے۔ نہ یہ ہمارا ہمجنس
ہے۔ نہ ہموطن ہے۔ یہ عرب ہے۔ عرب نجی بدوی۔ یہ لوگ جنگلی ہیں۔ جنگل میں رہتے
ہیں۔ لوٹ مار ان کا پیشہ ہے۔ نہ یہ تہذیب اور شائستگی کو جانتے ہیں نہ علم و ہنر سے

واقف ہیں۔ ان کی قوم غیر مہذب ہے۔ علم و ہنر سے نابلد ہے۔ اس کے برعکس ہماری قوم شائستہ ہے۔ تہذیب یافتہ ہے۔ ہمارے بزرگ علم و ہنر میں طاق تھے۔ شجاع تھے مدبر تھے........"

اسکندر جس نے دارا جیسے عظیم الشان بادشاہ پر فتح پائی ہماری قوم سے تھا بطلیوس اور فیثا غورث نامور حکما ہوئے ہیں۔ یہ ہماری قوم سے تھے۔ ارسطاطالیس جو بڑا منجم اور کاہن تھا۔ بیطالوس ہمارا ہم جنس تھا جس نے سب سے پہلے ساری دنیا کا جغرافیہ تیار کیا۔ اس جغرافیہ میں تمام دنیا کا حال۔ ہر ملک کی سود نباتات آب ہوا اور پیداوار کا حال لکھا۔ تمام روئے زمین کے پہاڑوں۔ جنگلوں۔ گھاٹیوں آبادیوں اور عجائبات کو نہایت وضاحت سے بیان کیا۔ آج جغرافیہ داں اس کے رہین منت ہیں۔

رفاعہ فلیطس کی گفتگو سُن کر مسکرا رہے تھے۔ جب وہ خاموش ہوا تو انہوں نے کہا " رومی برادر! جو کچھ تم نے بیان کیا اگر صحیح ہے تو تمہیں گیا۔ ممکن ہے تمہارے بزرگ عالم و فاضل ہوں۔ ذی عقل اور ذی فہم ہوں۔ مگر تم تو ذی عقل اور ذی علم نہیں کہے جا سکتے۔ جو شخص خدا کا بیٹا بتاتا ہے۔ وہ ذی عقل یا ذی علم کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر تمہیں اپنے بزرگوں ہی کے علم و ہنر پر ناز ہے۔ اور اپنے بزرگوں کا ہمارے بزرگوں سے مقابلہ کرنا چاہتے ہو۔ تو سنو ہماری قوم سے حضرت اسمٰعیل بن ابراہیمؑ خلیل اللہ تھے۔ جن کے لئے بیت الحرام بنا۔ زمزم پیدا کیا گیا اور غیر معروف اور بے آب و گیاہ سرزمین مرجع خلائق بنا دی گئی۔ ہماری قوم سے اسکندر اول تھا۔ جس نے ساری دنیا کو فتح کر لیا۔ جو مشرق اور مغرب تک آخری ساحلوں تک پہنچا تھا۔ ظلمات میں گیا تھا۔ ساری دنیا کے بادشاہوں نے اس کی اطاعت کی تھی سد سکندری اس کی یادگار اب تک موجود ہے وہ سکندر ذوالقرنین کے نام سے مشہور ہے۔ ہماری قوم سے سبا بن یشجب تھا۔ اس بزرگ ہستی نے تاج ایجاد کیا۔ سارے تاجدار اس کے منت گذار ہیں اور قیامت تک رہینگے

ثعلبہ بن عبداللہ ان ہماری قوم سے تھا۔ جس نے لشکروں کو ترتیب دینا اور قلعوں کو تعمیر کرنا سکھایا۔ زمین سے خزانوں کو نکالا۔ لقمان ہمارا ہم جنس تھا جس نے علم و حکمت کے دریا بہا دیئے۔ جس سے ساری دنیا آج تک مستفید ہو رہی ہے۔ اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔ ہماری قوم میں حضرت محمد صلعم مبعوث ہوئے۔ جو بہترین خلائق۔ بزرگ ترین پیغمبر۔ اور بہترین بنی آدم ہیں

فلیطس کو اپنی معلومات اور اپنے علم پہ غرہ تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ عربوں کو اپنی لسانی اور چرب زبانی سے لاجواب کر دے گا۔ لیکن جب رفاعہ نے ترکی بترکی جواب دیا تو وہ نادم ہونے کی بجائے غصہ میں بھر گیا۔ اگر اس کا بس ہوتا تو وہ رفاعہ کی تکا بوٹی کر ڈالتا۔ مگر اس پہ وہ قادر نہ تھا۔ اس لیئے اُس نے اپنا غصہ فرو کیا اور رفاعہ کو عاجز کرنے کے لیئے کہا: طبائع پاک ہمت بلند ہونے کی وجہ سے عقل روحانی تک پہنچتی ہے۔ اور عقل روحانی بمقام ملکوت روشنی تک ترقی کرتی ہے۔ یہ ترقی ایسی ریاضات عقلیہ تک پہنچتی ہے جو نجاست اور آلودگی سے پاک ہے۔ جب روح روشن تر ہو کر پرواز کرتی ہے تو اُسے ایسی ابدی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ جس سے نیستی کا خوف مٹ جاتا ہے۔ اُسوقت تیرگی ضلالت کے بار گراں کی وجہ سے تہ نشین ہو جاتی ہے اور روشنی روشنی میں جذب ہو کر نور کے دریا میں غوطہ زن ہو جاتی ہے ...... کیا تم میرا مفہوم سمجھ گئے؟"

رفاعہ نے ہنسکر کہا۔ میں تو سمجھ گیا۔ یہ استعارات میرے لیے معمولی ہیں۔ مگر تم اپنی کہو۔ تم بھی سمجھے یا محض طوطے کی طرح چند الفاظ کسی کتاب سے دیکھ کر رٹ لیئے ہیں۔ رومی برادر۔ تمہارے مفہوم کی میں تشریح کیئے دیتا ہوں۔ روح کفر کی تیرگی سے انکار اور خیالات باطنیہ کے سبب بشرطیکہ یہ خیالات ارفع و اعلیٰ ہوں۔ پاک و صاف اور روشن ہو کر روشنی کی طرف پرواز کر کے دائمی زندگی حاصل کرتی ہے۔ مگر برادر من! جو روح کفر کی تیرگی کے باعث قعر

ضلالت میں پڑی ہے۔ وہ کیسے روشنی کی طرف پرواز کر سکتی ہے۔"

قسطیطس خود عاجز ہوگیا۔ اس کے چہرہ سے ندامت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ لیکن وہ بھرے دربار عاجزی کا اعتراف کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنا سر کھجلایا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ہرقل اعظم نے اس کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا۔ گویا وہ اسے خاموش رہنے اور اپنی جگہ پر واپس چلے جانے کی تنبیہ کر رہا ہے۔ قسطیطس فوراً واپس ہو کر اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔ اب ہرقل اعظم نے رفاعہ سے مخاطب ہو کر کہا

"اے عربی برادر! میں مسرور ہوں کہ تم ذی علم ہو۔ تمہاری معلومات وسیع ہیں۔ ان فضول مباحث میں کچھ نہیں رکھا ہے۔ اس سے فضول تضیع اوقات ہوتی ہے۔ میں تم سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے ایران فتح کر لیا ہے۔ ملک شام کا کثیر حصہ تمہارے قبضہ میں آگیا ہے۔ ان دونوں ممالک سے تم اس قدر دولت لے گئے ہو۔ کہ تمہارے ملک کا ہر فرد بشر غنی ہوگیا ہوگا لیکن سنا ہے۔ کہ تمہارے بادشاہ (خلیفہ) حضرت عمرؓ کا لباس اب تک پھٹا ہوا ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ کیوں نہیں وہ پر تکلف اور شاہانہ لباس پہنتے۔

رفاعہ۔ ہمارا خلیفہ یعنی شہنشاہ حضرت عمرؓ نہایت منکسر المزاج اور خدا ترس ہے۔ وہ اگر چاہیں تو ایسا لباس پہن سکتے ہیں۔ جو بادشاہوں اور شہنشاہوں نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا ہو۔ لیکن وہ دنیوی تکلفات کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ انہیں شاہانہ لباس اور مصنوعی تزک و احتشام سے نفرت ہے۔ ان کا قول ہے۔ کہ شاہی لباس اور دنیا کے تکلفات انسان کو مغرور کر دیتے ہیں اور غرور خدا کو بھلا دیتا ہے۔ بدترین انسان وہ ہے جو چند روزہ زندگی میں ملک و دولت کے زعم میں عیش و عشرت میں مشغول ہو کر خدا کو بھول جائے۔ چونکہ ان کے دل میں خدا کی عظمت ہے۔ اس کا خوف ہے۔ اس لئے وہ سادہ لباس میں رہ کر اس کی خوشنودی اور رضا جوئی چاہتے ہیں۔

ہرقل اعظم۔ تم نے اکثر دیکھا ہوگا۔ کہ ہیں اپنے خزانوں کی بہت زیادہ حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ عالیشان۔ مضبوط اور مستحکم عمارتیں بناتے ہیں۔ پہرا چوکی کا انتظام کرتے ہیں۔ اس پر بھی کبھی کبھی خزانہ چوری چلا جاتا ہے۔ تمہارے دارالامارۃ کا کیا حال ہے؟"

رفاعہ۔ لوگ اپنے خزانوں کی چوروں۔ ڈاکوؤں۔ لٹیروں ٹھگوں اور رہزنوں کے خوف کی وجہ سے حفاظت کیا کرتے ہیں۔ لیکن جس ملک میں یہ لوگ نہ ہوں۔ وہاں زیادہ حفاظت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہمارا دارالامارۃ کچی مٹی کا بنا ہے۔ کھجور کی چھت ہے۔ نہ اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ نہ پہرا چوکی رہتا ہے۔ اور جب سے یہ دارالامارۃ بنا ہے۔ آج تک کبھی ایک حبہ چوری نہیں گیا۔ ہم نے کبھی دارالامارۃ کو تالا نہیں لگایا۔ محض زنجیر لگادی جاتی ہے

ہرقل اعظم نے متعجب ہوکر کہا: "زنجیر لگادی جاتی ہے؟ گویا تمہیں چوری ہونے کا بالکل اندیشہ نہیں ہے؟"

رفاعہ۔ بالکل نہیں۔ کوئی مسلمان کبھی چوری نہیں کرسکتا۔ اور غیر مسلم کو دارالامارۃ میں گھسنے کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ عظیم روم! ہماری قوم کی ایمانداری اور دیانتداری کا یہ حال ہے۔ کہ اگر کوئی چیز راستہ میں پڑی ہوئی ملتی ہے۔ یا کسی شخص پر کسی سے سہو سے اس کے حصہ سے زیادہ رقم پہنچ جاتی ہے۔ تو فوراً اُسے دارالامارۃ میں خود ہی رکھ آتا ہے۔ اور امین کو اس کی اطلاع کردیتا ہے۔ امین اسی رقم کو اپنے رجسٹر میں جمع کرلیتا ہے۔ اور جو چیز پڑی ہوئی ملتی ہے۔ اس کی بابت جمعہ کے روز مسجد میں اعلان کردیتا ہے۔ اگر اس چیز کا مالک پیدا ہوگیا تو اس کو دیدی جاتی ہے۔ ورنہ تین بار اعلان کرنے کے بعد باضابطہ دارالامارۃ میں جمع کردی جاتی ہے۔

تمام عیسائی اسقف اعظم اور ہرقل اعظم نہایت حیرت سے رفاعہ کی اس

گفتگو سن رہے تھے۔ انہیں یہ سن سن کر اس قدر استعجاب ہو رہا تھا کہ ان کے چہروں سے صاف ظاہر تھا۔

رفاعہ کے خاموش ہونے پر ہرقل اعظم نے کہا۔ نہایت تعجب خیز بات ہے۔ سارے ملک میں ایک بھی چور نہیں وہ ملک لائق صد ہزار تحسین ہے۔ جہاں ایسے لوگ رہتے ہیں۔ آپس کے عناد اور رنجشوں کا کیا حال ہے؟"

رفاعہ جب تک ہم لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ آپس میں بہت زیادہ لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر جنگ شروع ہو جاتی تھی اور صدیوں تک رہتی تھی۔ لیکن جب سے مسلمان ہوئے ہیں۔ دیرینہ بغض و عناد آئینہ کے زنگ کی طرح بالکل صاف ہو گئے ہیں۔ اب ہم شیر و شکر ہو کر رہتے ہیں۔ بغض و عناد۔ رشک و حسد ہمارے دلوں سے مفقود ہو گئے ہیں۔ اب ہم میں اس قدر اتفاق اور اتحاد و ہمدردی پیدا ہو گئی ہے کہ اگر کسی مسلمان کے کانٹا لگتا ہے۔ تو تمام مسلمان بیچین ہو جاتے ہیں اور اس وقت تک بیچین رہتے ہیں۔ جب تک اس کی خلش دور نہیں ہو جاتی"۔

ہرقل اعظم۔ تم اور تمہاری قوم قابل مبارکباد ہے۔ دنیا میں اگر زندہ رہنے اور بام عروج پر پہنچنے کا کوئی ذریعہ ہے۔ تو وہ اتفاق اتحاد ہی ہے جس ملک میں یا جس قوم میں اتفاق ہو جائے گا وہ ساری دنیا پر بھاری ہو جائے گی تمہارے بادشاہ (خلیفہ) کے مصاحب اور دربان کون لوگ ہیں؟"

رفاعہ۔ ہمارے خلیفہ کے مصاحب محتاج اور غریب مسلمان ہیں۔ دربان کوئی نہیں۔ نہ انہیں دربان کی ضرورت ہے۔ نہ انہیں کسی سے دشمنی ہے۔ نہ ان کا کوئی دشمن ہے۔ نہ وہ کسی سے ڈرتے ہیں۔ نہ خوف کی کوئی وجہ ہے۔ وہ دن کو معذور مسلمانوں اور بیوہ عورتوں یا ان پردہ نشین مستورات کا جن کے شوہر۔ بھائی یا بیٹے جہاد پر گئے ہوئے ہیں کام کرتے ہیں۔ رات کو تمام مسلمانوں کی پاسبانی کرتے ہیں۔ یہ پاسبانی کچھ چوروں یا ڈاکوؤں کے خوف کی وجہ سے نہیں کی جاتی۔ بلکہ اسلئے

کیجاتی ہے کہ رات کو بھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو فوراً مہیا کر دی جائے۔ جب ہمارے خلیفہ میں غرور پیدا ہو جائے گا۔ وہ دربان مقرر کر لیں گے۔ یا خود کو برتر انسان سمجھنے لگیں گے۔ ہم انہیں فوراً معزول کر دیں گے۔ ایک بادشاہ کا یہ فرض نہیں ہے۔ کہ وہ رعایا سے سجدہ کرائے۔ یا اُن کی فریاد رسی نہ کرے۔ جب دربان مقرر ہو گئے۔ تو عوام اس کے دربار میں فریاد لے کر کیسے جا سکیں گے۔

ہرقل اعظم۔ تم سچ کہتے ہو۔۔۔۔۔۔ ان کا فرش کیا ہے؟

رفاعہ۔ ان کا فرش عدل و انصاف کرنا ہے۔

ہرقل اعظم۔ اور تخت کیا ہے؟

رفاعہ۔ اُن کا تخت پاکدامنی ہے۔

ہرقل اعظم۔ کیا وہ دنیا کی دولت کو خزانہ تصور کرتے ہیں؟

رفاعہ۔ نہیں۔ اُن کا خزانہ پروردگارِ عالم پر اعتماد رکھنا ہے۔

ہرقل اعظم۔ اور ان کا لشکر؟

رفاعہ۔ ان کا لشکر دلیرانِ موحدین اور شہسوارانِ مسلمین ہیں۔

ہرقل اعظم۔ تم ہمارے ملک میں کس لئے آئے ہو؟

رفاعہ۔ اسلام کی تبلیغ کے لئے۔

ہرقل اعظم۔ لیکن اگر ہم مسلمان نہ ہوں؟

رفاعہ۔ تب آپ کو جزیہ دینا چاہیے۔

ہرقل اعظم کو یہ بات سخت ناگوار گذری۔ اسے طیش آگیا۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ چہرہ تمتما اٹھا۔ اس نے ترش رو ہو کر کہا۔ "جزیہ؟ ۔۔۔۔۔۔ ہم جزیہ دیں کوئی خود دار شخص کبھی اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکتا"

رفاعہ اس کے برافروختہ ہونے سے مرعوب نہیں ہوئے۔ اُنھوں نے انتہائی بیخوفی سے کہا۔ "بس تو پھر تلوار ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دیگی۔

ہرقل اعظم ان کی جسارت۔ دلیری اور بیخوفی دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اراکین سلطنت اور رومی ملوک میں سے بعض کو حیرت ہوئی۔ بعض کو غصہ آیا۔ جبلہ حازم اور ایہم سخت غضبناک ہوئے۔ انھوں نے اس بیباکی میں ہرقل اعظم کی توہین سمجھی۔ اس کی توہین تمام عیسائیوں کی توہین تھی۔ جبلہ اٹھکر ہرقل اعظم کے قریب آیا اُس نے پرغضب لہجہ میں کہا۔ اے عربی برادر! ہم جس قدر درگذر کرتے ہیں۔ تم اسی قدر دلیر اور گستاخ ہوتے جاتے ہو۔ تم اس وقت قیدی ہو۔ ہر طرح ہمارے بس میں ہو۔ تمہاری موت اور زندگی ہمارے اختیار میں ہے۔ ہم اگر چاہیں تو تمہیں سب کو ابھی قتل کر ڈالیں۔ لیکن ہم جلد غضبناک ہونے والے نہیں۔ ہمارا شہنشاہ عظیم روم نہایت رحم دل ہے۔ ہم ایک مرتبہ اور درگذر کرتے ہیں........"

رفاعہ نے قطع کلام کر کے کہا "جبلہ یہ تم کہہ رہے ہو......تم جو مرتد ہو گئے ہو شکر کرو کہ ہم اس وقت دست و پابستہ ہیں۔ اگر تم میدان جنگ میں ملتے تو تمہاری بہادری کا امتحان کیا جاتا۔ مرتد ہونے کی سزا دی جاتی تم نے اس جگہ پناہ لی ہے۔ جہاں تم سمجھتے ہو کہ مسلمانوں کا ہاتھ نہیں پہونچ سکتا یہ تمہاری غلطی ہے۔ مسلمان ضرور تمہیں ایک روز گرفتار کر لیں گے اور پہلے اُس شخص کا انتقام لیں گے۔ جس کے تم نے چار دانت توڑ دیئے تھے۔ پھر........"

جبلہ اس وقت غضبناک ہو گیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس کی آنکھیں لال انگارہ بن گئیں۔ وہ از دیاد غیض و غضب سے کانپنے لگا اس نے کہا

"تمہاری یہ جرأت کہ میرے روبرو ایسی ہرزہ سرائی کرو حضرت مسیح کی قسم میری تلوار بے پناہ ہے۔ میں اپنے سامنے عربوں کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا اگر تم میدان جنگ میں ملتے تو تمہاری زبان کاٹ ڈالی جاتی۔"

رفاعہ۔ کیوں نہیں ایسے ہی بہادر ہو۔ وہ وقت یاد کرو جب تم ہمارے

خوف سے راتوں کو چوروں کی طرح بھاگ آئے تھے۔ اس وقت کا خیال کرو جب تم
جنگ یرموک میں ۵۰ ہزار تھے۔ صرف ۵۰ مسلمانوں نے تمہیں شکست دی تھی۔ اگر
تم ان دونوں باتوں کو بھول گئے ہو تو میں تازہ واقعہ یاد دلاؤں۔ ابھی کل کی
بات ہے۔ کہ قنسرین کے راستہ میں صرف سترہ مسلمانوں نے تمہیں اس وقت
شکست دی تھی۔ جب تمہارے ساتھ دس ہزار آزمودہ کار سپاہی تھے۔ جبلہ!
اس لاف زنی سے کیا فائدہ؟ تم ہماری تلواروں کا لوہا مانے ہوئے ہو۔ ہمیں
بیکس و مجبور قیدی سمجھ کر دھمکاتے ہو۔ ہمارے جسم ضرور تمہارے بس میں
ہیں لیکن ہمارے دل تمہارے بس میں نہیں ہیں۔ ہم سوائے خدا کے کسی
اور سے مرعوب نہیں ہوتے ہیں۔"

جبلہ ازدیاد غیض و غضب سے مجنوں بن گیا۔ اس نے تلوار پر ہاتھ ڈالا۔
ہرقل اعظم نے اس سے مخاطب ہو کر کہا: "اے ہمدان کے بہادر بادشاہ
اس عرب کے منہ نہ لگو۔ یہ لوگ سخت گستاخ اور ناعاقبت اندیش ہوتے ہیں
تم غصہ کو تھوک ڈالو۔ بیٹھو اور صبر و سکون سے اس کارروائی کو دیکھو جو
ہونے والی ہے۔"

جبلہ واپس ہو کر اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔ اب سردر ند وزیر اعظم اٹھ کر ہرقل اعظم
کی کرسی کے قریب کھڑا ہوا۔ کچھ تھوڑے وقفہ کے بعد اس نے کہا "مسلمانو
میں جو بات اس وقت کہنے والا ہوں۔ ٹھنڈے دل سے اسے سنو۔ اس
پر غور کرو۔ اگر تم نے میری بات کو مان لیا تو تمہارے قدموں پر سونے چاندی
کے ڈھیر لگا دیئے جائیں گے۔ ملک کا زرخیز اور سرسبز و شاداب حصہ جو تم
طلب کرو گے۔ تمہیں دیدیا جائے گا۔ تمہارے عز و وقار میں چار چاند لگا دیئے
جائیں گے۔ سنو اور غور سے سنو۔ ہماری قوم کے ذی عزت لوگوں کی۔ والیان
ملک کی۔ ہمارے شہنشاہ اعظم کی اور ہمارے ملک کے سب سے بڑے پادری
کی یہ خواہش ہے۔ کہ تم عیسائی ہو جاؤ۔ جس وقت تم عیسائی ہو جاؤ گے۔

فوراً چاندی سونے کے ڈھیر تمہاری نذر کر دیئے جائیں گے۔ ہیرے جواہرات اور لعل یمنیں دیئے جائیں گے اور ان دو شیزہ۔ خوبصورت لڑکیوں میں سے جس کو تم میں سے جو شخص چاہے گا وہ اس کے حوالہ کر دی جائے گی تم اچھی طرح سمجھ لو سوچ لو۔ آپس میں مشورہ کر لو اور متفق ہو کر بتاؤ کہ کیا تم ہماری درخواست منظور کرنے پر تیار ہو؟"

تمام مسلمان غور اور توجہ سے سردرند کی گفتگو سن رہے تھے۔ جب اس نے لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا تو انہوں نے نظریں اٹھا اٹھا کر حسن و جمال کی ان مجسم تصویروں کو دیکھا۔ وہ ان کا حسن و جمال دیکھ کر حیران رہ گئے۔ تجلی حسن سے ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔

قیس نے بھی ان نور کی پتلیوں کو دیکھا۔ اتفاقیہ اس کی نظر اگلی صف میں کھڑی ہوئی پری جمال لڑکیوں سے گذر کر تینوں پر پڑی۔ تینوں کے درمیان حور طلعت عذرا کھڑی محبت اور افسوس بھری نظروں سے قیس کو دیکھ رہی تھی۔ قیس اس ماہ سیما کو اس جگہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ پہلی بار تو اسے یقین ہی نہ آیا کہ یہ وہی ماہ وش عذرا ہے جس نے اس کا متاع صبر و قرار لوٹ لیا ہے اور جسے وہ عسکر اسلامیہ میں چھوڑ آیا تھا۔ اس نے دوبارہ اسے دیکھا۔ اب بھی وہ اسے عذرا ہی معلوم ہوئی۔ پھر بھی وہ اسے فریب نظر ہی سمجھا۔ اس نے آنکھیں مل کر غور سے اس حور وش کو دیکھا اس مرتبہ بھی وہ سے عذرا ہی معلوم ہوئی۔ وہ سخت متحیر ہوا عذرا کا یہاں ہونا اس کے لئے چیستان یا ایسا عقدہ لاینحل ہو گیا جس کو وہ کسی طرح بھی حل نہیں کر سکتا تھا۔ وہ حیرت و استعجاب کی نظروں سے اس ماہ پیکر کو دیکھنے لگا۔

عذرا بھی اسے میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی ان نظروں میں محبت اور حسرت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اس کی ان نگاہوں نے قیس کے جذبات میں تلاطم پیدا کر دیا۔

ابھی یہ دل بھر کر اس حور وش کو دیکھنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک نوجوان عرب جو اس کے قریب بیٹھا تھا اٹھا۔ قیس اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

یہ عرب خوبرو تھا۔ اس کا نام عامر بن رفاعہ تھا۔ یہ اسی رفاعہ کا بیٹا تھا جو ہرقل اعظم اور دوسرے لوگوں سے ابھی مکالمہ کر چکا تھا۔

عامر اٹھکر سیدھا اسقف اعظم کے پاس پہنچا۔ اس نے رومیوں کی طرح دوزانو ہو کر پادری کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ "میں عیسائی ہونے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے عیسائی کر لیجئے"

تمام مسلمانوں نے حیرت کی نگاہوں سے عامر کو دیکھا۔ اسقف اعظم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے اٹھتے ہی ہرقل اعظم اور ہرقل اعظم کے ساتھ ہی تمام وہ لوگ جو کرسیوں پر بیٹھے تھے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسقف اعظم نے عامر سے دریافت کیا۔ "مبارک ہو۔ نوجوان عرب! تمہیں عیسائی ہونا مبارک ہو کیا تم عیسائی مذہب کو بہترین مذہب سمجھ کر اختیار کر رہے ہو؟"

عامر بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے جواب دیا۔ "نہیں بلکہ ان حور وش لڑکیوں کے حسن عالم افروز نے میرے جذبات کو برانگیختہ کر دیا ہے۔ ان کے سحر خیز حسن نے مجھے عیسائی بن جانے پر آمادہ کیا ہے"

اسقف اعظم نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "واہیات۔ گویا تم خداوند حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا نہیں سمجھتے۔ اس مقدس ترین ہستی کو اپنی امت کا نجات دہندہ تصور نہیں کرتے۔ اور........"

عامر: بالکل نہیں۔ میں حسن پرست ہوں۔ ازل سے حسن پرستی میری قسمت میں ودیعت کی گئی ہے۔ قسام ازل نے میری گھٹی میں عشق کی چاشنی ڈالدی تھی۔ میرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ ہے۔

ازل سے حسن پرستی لکھی تھی قسمت میں
مرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا

اسقف اعظم۔ اچھا تم عاشق مزاج ہو۔ تم نے محبت کے گوارہ میں پرورش پائی ہے۔ کچھ پرواہ نہیں۔ تم تحسین و آفرین کے لائق ہو۔ عیسائی مذہب تمہیں اپنی آغوش میں لینے کے لئے تیار ہے۔

فوراً وہ سیاہ صلیب جس کو ابتک دھونی دی جارہی تھی۔ عامر کے سامنے پیش کی گئی۔ عامر نے اُسے بوسہ دیا۔ عامر نے ایک رومی کو اشارہ کیا وہ فوراً چلا گیا۔ اسقف اعظم کے سامنے ایک پادری نے بڑھ کر چاندی کا ایک پیالہ پیش کیا۔ اس پیالہ میں متبرک پانی تھا اس کو ماء معمودیہ کہتے تھے۔

اسقف اعظم نے انجیل کی کچھ آیتیں پڑھ کر اپنی انگلیاں پانی میں ڈالیں اور عامر پر اس کے چھینٹے دیئے۔ جلد جلد مذہبی رسوم ادا کر کے اسے عیسائی بنالیا گیا۔ جس وقت اسقف اعظم نے اس کے عیسائی ہوجانے کا اعلان کیا۔ تمام عیسائیوں نے نعرہ شادمانی بلند کر کے عامر کو مبارکباد دی پری جمال نوں اور حوروش لڑکیوں نے نہایت ہی خوش الحانی سے ایک گیت شروع کیا۔ وہ مچل مچل کر کچھ ایسے روح نواز لہجہ میں گارہی تھیں کہ حاضرین پر بیخودی طاری ہوگئی تھی۔ اور اس بیخودی کے عالم میں ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اس کمرہ میں بارش ہورہی ہے اور بارش کا پرنور پانی تمام کمرہ میں بھر گیا ہے انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اس پانی میں ان کی روحیں تیرنے لگی ہیں۔ وہ سب مافیہا سے بے نیاز ہو کر موسیقی کے دریا میں بہنے لگے تھے۔ آواز کا مدوجزر ان کی روحوں کو ہچکولے دے رہا تھا۔

اس پرکیف گیت میں حضرت عیسیٰ کی مدح تھی۔ عیسائی مذہب کی تعریف تھی اور عیسائی ہونے والے کی ثنا کی گئی تھی۔

تھوڑی دیر میں گیت ختم ہوا۔ گیت ختم ہونے کے کچھ عرصہ بعد تک بھی لوگوں پر وجد کی سی حالت طاری رہی۔ نازآفریں لڑکیوں کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ انھوں نے اپنی ترنم خیز آواز سے لوگوں کے جذبات میں کسقدر ہلچل مچا دی

بکھیر دی ہیں۔

کچھ عرصہ کے بعد لوگوں نے جھرجھریاں لیں۔ وہ جذبات کے تلاطم خیز سمندر سے بمشکل نکل کر ساحل پر آئے۔ ان کی آنکھیں کھلیں۔ وہ ہوشیار ہوئے۔ ان سبکی خواہش ہوئی کہ ایک مرتبہ اور وہ اس عالم میں پہنچ جائیں۔ جہاں سے وہ لمعات نور کی ان لہروں کو دیکھ رہے تھے۔ جنہوں نے انہیں بیخود و محو کر دیا تھا لیکن یہ اسی طرح ہو سکتا تھا۔ کہ پھر گیت گایا جاتا۔ اور بغیر اسقف اعظم کی منظوری کے دوبارہ گیت گایا جانا ناممکن تھا۔

اب وہ رومی جو ہرقل اعظم کا اشارہ پاکر چلا گیا تھا واپس آیا۔ اس کے ہاتھوں میں چاندی کا ایک بڑا طشت تھا۔ اس طشت میں بیش قیمت رومی کتان کی پوشاک تھی۔ جس کے حاشیوں پر نہایت نفیس کشیدہ کڑھا ہوا تھا۔ اسقف اعظم نے عامر کے کپڑے اتروا کر اپنے ہاتھ سے اُسے پوشاک دی۔ عامر نے وہ پوشاک پہن لی۔ اس کے پہنتے ہی وہ اچھا خاصا معزز رومی نظر آنے لگا۔ اس نے ایک مرتبہ اور اسقفِ اعظم کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اسقف اعظم نے اُسے دعا دی۔

عامر نے کہا "اب اجازت دیجئے کہ میں اپنی شریک زندگی کا انتخاب کر دوں"

اسقف اعظم۔ ضرور کرو۔ ان حورو ش لڑکیوں میں سے جس پر تمہاری طبیعت مائل ہو۔ اپنے لئے منتخب کر لو۔

عامر لڑکیوں کی طرف بڑھا۔ سرورند اس کے ہمراہ ہوا۔ عامر نے ایک سرے سے لڑکیوں کو دیکھنا شروع کیا۔ وہ ہر لڑکی کے پاس کھڑا ہوتا۔ اُسے غور سے دیکھتا اور آگے بڑھ جاتا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ لڑکیاں سب کی سب حسین تھیں۔ نور مجسم تھیں۔ گویا ایک ہی درخت کے سیکڑوں سیب تھے۔ یا ایک ہی نور کی مختلف شعاعیں تھیں۔ اُن میں عامر کو انتخاب کرنا دشوار ہو گیا۔

تمام لڑکیاں سینہ تانے ہوئے۔ دلربایانہ شان کے ساتھ کھڑی اپنی نرگسی آنکھوں سے عامر کو دیکھ رہی تھیں۔

عامر ان لڑکیوں کو دیکھتا ہوا آخری سرے پر پہنچ گیا۔ اس کی نظر انتخاب کسی کو منتخب ہی نہ کر سکی اس کا جی تو یہ چاہتا تھا کہ وہ ان تمام باہوش لڑکیوں کو اپنے حرم کی زینت بناتا۔ لیکن اُسے یہ معلوم تھا۔ کہ عیسائیوں میں صرف ایک ہی عورت کو شریک زندگی بنایا جا سکتا ہے۔ وہ پھر واپس ہوا۔ آخر اُس نے ایک لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ لڑکی حیات بخش تبسم کے ساتھ مسکرائی۔ اور اس نے پر افتخار نگاہوں سے اپنی ساتھ والیوں کی طرف اس خیال کو مد نظر رکھ کر دیکھا کہ عامر کی نگاہوں میں وہ سب سے اول نمبر حسین رہی۔ سر درند نے اس لڑکی کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ لڑکی بصد ناز و ادا بڑھی۔ اُس نے اپنا ہاتھ عامر کی طرف پھیلا دیا۔ عامر رومی طرز معاشرت سے نابلد تھا۔ وہ نہ سمجھا۔ کہ اس سے اس لڑکی کا منشا کیا ہے۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس حور وش کا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ تمام لڑکیاں عامر کی اس حرکت کو دیکھ کر مسکرا دیں۔ عامر نے انہیں مسکراتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اُس سے کوئی غلطی ہو گئی۔ لیکن کیا غلطی ہوئی۔ اس کو وہ سمجھ نہ سکا۔

اب یہ تینوں اسقف اعظم کے سامنے پہنچے۔ اسقف اعظم نے اپنا جھریدار ہاتھ اس ماہ پیکر لڑکی کے سر پر رکھ کر کہا۔ یہ مبارک ہو بیٹی تجھے اپنی قسمت پر ناز کر۔ مبارک ہو۔ تو خوش قسمت ہے .... بڑی خوش قسمت۔ آج تیرے لئے نجات کا دروازہ کھل گیا۔ فلک پر حوریں تیری خوش قسمتی پر رشک کر رہی ہیں .... کیوں نہ ہو۔ تجھے اس شخص نے اپنے لئے منتخب کیا ہے۔ جو ابھی عیسائی ہوا ہے۔ میری حور طلعت بیٹی!! پاک ماں (حضرت مریم) خداوند (حضرت عیسیٰ) روح القدس (حضرت جبریل) اور خود خدا تجھ سے خوش ہو گئے۔ تیرے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ تو جنت کی حقدار قرار دی گئی ہے

حورو شش بیٹی! خوش قسمت بیٹی۔ آگے آؤ اور اقرار کرو کہ مرتے دم تک اس شخص کی وفادار خادمہ رہو گی۔ اس کی عزت اور اپنی عصمت کا زندگی کے آخری سانس تک لحاظ رکھو گی۔ عیش و عشرت میں غربت و افلاس میں اس کی ہمدم و دمساز رہو گی (عامر سے مخاطب ہو کر) بیٹا آگے بڑھو۔ میں تمہارا اس دنیا کی حور سے عقد کر دوں۔

عامر بڑھا۔ اسقف اعظم نے عیسائی طریقہ پر دونوں کا ایجاب و قبول کرا کر عقد کر دیا۔ عقد ہوتے ہی ہر طرف سے مبارکبادی کا شور اٹھا۔ جب یہ شور کم ہوا۔ تو دو کرسیاں ہرقل اعظم کے قریب ہی کسی قدر پیچھے کی جانب ڈال دی گئیں ان کرسیوں پر عامر اور اس کی پری پیکر بیوی بیٹھ گئے۔

ابھی تک رفاعہ یا کسی مسلمان کو عامر سے گفتگو کرنے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ وہ یا تو اسقف اعظم کے پاس رہا تھا۔ یا اپنے لئے ایک ہمدم کو منتخب کرتا رہا تھا لیکن اب جبکہ وہ کرسی پر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ تو اس کے باپ رفاعہ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا: "آہ بیٹا! یہ تو نے کیا کیا۔ تو میری آنکھوں کے روبرو عیسائی ہو گیا۔ دائرہ نور سے نکل کر بحر ظلمات میں جا پڑا۔ بیٹا!! کس طرح تیرے دل نے یہ گوارا کر لیا۔ کہ تو ایک خدا کو چھوڑ کر تین خداؤں کا پرستار بن جائے۔ ہاں تو نے رحمان کو چھوڑ دیا۔ راندہ درگاہ ہو گیا۔ حضوری سے دور ہو گیا۔ یہ تو نے کیا ناسپاسی کی ہے؟ مجھے تجھ پر اور تیری عقل پر سخت افسوس ہے۔ نہایت رنج ہے بڑا صدمہ ہے۔ تو نے چند روزہ دنیا کے عیش و آرام کو عالم آخرت کی دائمی راحت پر ترجیح دی۔ مجھے یہ رنج نہیں ہے۔ کہ تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے جدا ہو گیا۔ آہ نہیں ...... بیٹا!!! مجھے اس بات کا رنج ہے کہ دنیا چند روزہ ہے۔ اس کی مسرت چند روزہ ہے۔ اس میں کسی کو فارغ البالی ہوئی نہ ہو یہ دار محن ہے۔ بہت جلد فنا ہونے والی ہے۔ قیامت قریب ہے۔ حشر بپا ہونے والا ہے۔ حشر کے روز ہر گروہ اپنے رسول کے ساتھ ہو گا۔ لیکن مشرک اور

درکار فرشیطان کے ہمراہ ہونگے۔ میرے بیٹے! مجھے یہ غم ہے کہ میں اپنے محترم رسول صلعم کے ساتھ ہوں گا۔ اور تو........ ہاں تو ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جو کفر و شرک کرتے رہے ہیں۔

اس وقت رفاعہ کا دل بھر آیا۔ ان کے آنسو جاری ہو گئے۔ انہوں نے بھرائی ہوئی آواز سے کہا: عامر! مجھے اس بات کا ملال ہے۔ کہ حشر کے روز میں بہشت میں جاؤں گا۔ اور تو دوزخ کی طرف۔ دوزخ کے ساتھ طبقے ہیں۔ یوں تو ساتوں طبقوں میں آگ دھک رہی ہے۔ آتشیں سانپ بچھو اور دوسرے عقوبت خیز جانور موجود ہیں۔ جو دوزخیوں کو ہر وقت کاٹتے اور ایذا پہنچاتے رہیں گے۔ عذاب کے فرشتے بھی عذاب کرنے کے لئے ہر طبقہ میں موجود ہیں۔ دوزخ کا نام سننے اور پڑھنے ہی سے بدن میں سنسنی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن چھٹے اور ساتویں درجوں میں جو عقوبت اور عذاب دیئے جائیں گے ان کا خیال ہی کرنے سے روح لرزتی ہے۔ بدن کانپتا ہے۔ عقل تھرتھرا جاتا ہے۔ چھٹا طبقہ مرتدوں کے لئے ہے۔ ہائے۔ تو نے بہشت جیسی نعمت چھوڑ کر دوزخ کے ردی طبقہ کو اختیار کیا۔ جس میں پینے کے لئے کھولتا ہوا گرم پانی دیا جائے گا۔ کھانے کے لئے دہکتے ہوئے لوہے کے خاردار پھل ملیں گے۔ آگ کے تیز شعلوں میں تیری روح گھری ہوئی ہوگی۔ عذاب کے فرشتے آگ کے گرز مارتے ہوں گے۔ آتشیں سانپ تیری زبان پر لپٹے ہوئے ہوں گے۔ اس قدر عذاب ہوگا کہ الامان والحفیظ۔ افسوس ؎

اُبنی غرتک الحیٰوۃ الدنیا — فصیرت تکفر بالنبی العظیم
اے میرے بیٹے تجھے زندگانی نے فریب دیا — تو کافر ہو گیا ساتھ جانے والے کے

ابنی صیرت فی الشقاء — من بعد کونک فی النعیم
اے میرے بیٹے! تو بدبخت ہو گیا — ناز و نعم میں ہونے پر بھی

أبُنيّ ما تخشى العذاب	او عبرت على الجحيم
اے میرے بیٹے تو عذاب سے نہیں ڈرتا	خوف کر کہ دوزخ پر پہنچے گا
ما تستحي من احمد	یوم القیامۃ والخصوم
تو حضرت محمد (صلعم) سے شرم نہیں کرتا	قیامت اور خصومت کے دن سے
اما ابوک فقد ... ا	من اجل کفرک فی هموم
اما یہ دیکھتا نہیں ہے کہ تیرا باپ کافر کے	تیرے کافر ہونے کی وجہ سے رنج و غم میں ہو
المفر اذا دعا	اللہ فی الیوم العظیم
تجھے کہاں پناہ ملے گی جب تجھے پکاریگا	اللہ بیچ دن بزرگ (قیامت کے روز)
ویقول یا عبدی کفرت	بالواحد الصمد القدیم
اور کہے گا اے میرے بندے تو نے کفر کیا	ساتھ یکتا بے نیاز اور قدیم کے
الا رجعت الی الذی	عطاک بالستر النعیم
آگاہ ہو تو اس چیز کی طرف پھرا	کہ اس نے تجھ پر پردہ ڈالکر ڈھک دیا

رفاعہ کے آنسو جاری تھے۔ تمام مسلمان بھی چشم پر نم ہو رہے تھے۔ عامر بھی اپنی بیوی کے پاس بیٹھا رو رہا تھا۔ جب رفاعہ خاموش ہوا تو عامر نے کہا "محترم بابا! سچ ... ہے کہ دنیا نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ شیطان نے میری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ میں مرتد ہو گیا۔ میری قسمت میں ہی لکھا تھا بہشت .... ہاں میں بہشت کے قابل نہ تھا۔ مجھے دنیا کی دولت ملک کی طمع۔ عزت و وقار کی تحریص نے نہیں ورغلایا۔ ہاں حسن نے ... اہ! ان حسن۔ وہ جس کا میں روز ازل سے پرستار رہوں۔ مجھے ڈگمگا دیا میں حسن کی آغوش میں جا پڑا۔ اور اب .... ہاں اب میں دریائے حسن میں غوطہ زن ہوں۔ میں نہیں جانتا میں کیا کر رہا ہوں؟ کیا کہہ رہا ہوں؟ میری آنکھیں حسن کی چمک نے خیرہ کر دی ہیں۔ اے مقدس بزرگ الوداع ... ہمیشہ کے لئے الوداع۔ سلام۔ آخری سلام! میں واقعی

نالائق ہوں۔ ناسپاس ہوں۔ تم مجھے بھول کر بھی یاد نہ کرنا۔"

رفاعہ نے آنسو پونچھے۔ اُس نے کہا۔" اب میں تجھے کبھی یاد نہ کروں گا۔ یاد کرنے کا وسیلہ منقطع ہو گیا۔ عامر! سن، کان کھول کر سُن۔ اگر یں سے رہا کیا گیا اور کسی طرح تجھ پر مجھے دسترس ہو گئی۔ تو چونکہ تو مرتد ہو گیا ہے اس لئے سب سے پہلے میری تلوار تیرے سر پر بلند ہو گی۔ میں تجھے سمجھائے دیتا ہوں کہ تو اس بات کا خیال کرے کہ میں تیرا باپ ہوں۔ شاید تجھ سے درگذر کروں میرے سامنے نہ آجانا۔ میں ہر گز درگذر نہ کروں گا۔ البتہ روز حشر خدا سے تجھے دیکھنے کی ضرور التجا کروں گا۔ میں دیکھوں گا۔ کہ تو خدا کو چھوڑ کر کس عذاب میں گرفتار ہوا۔"

عامر زار و قطار رو رہا تھا۔ رفاعہ خاموش ہو گئے۔ اُنھوں نے اُس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ سرورند نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔" اے بہادران عرب! تمہارا ایک ساتھی عیسائی ہو گیا اسے خلعت فاخرہ عطا ہوا ہے وہ شہنشاہ کا مصاحب بنا دیا گیا ہے۔ وہ جس قدر سونا اور چاندی چاہے گا۔ اُسے دیا جائے گا۔ اس کے سامنے ریشمی تھانوں کے انبار لگا دیئے جائیں گے ہیرے جواہرات اور لعل بدخشاں سے اس کی گود بھر دی جائے گی۔ اُسے کسی مشہور قلعے یا بڑے شہر کا بادشاہ بنا دیا جائے گا۔ چاند سی دلہن اُسے دیدی گئی ہے۔ وہ شاہانہ طریقہ پر زندگی بسر کرے گا۔ اگر تم سب عیسائی ہو جاؤ۔ تو تمہیں بھی وہ تمام چیزیں دی جائیں گی۔ جو تمہارے ساتھی کو ملیں گی۔"

قیس عامر کے عیسائی ہو جانے کی وجہ سے بہت کچھ پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ وہ اُٹھا! حور طلعت لڑکیوں نے اُسے دیکھا۔ اُنھوں نے خیال کیا کہ وہ بھی عیسائی ہونا چاہتا ہے۔ انہیں بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ ان سب کے چہرے شگفتہ ہو گئے۔

قیس نو عمر تھا۔ خوبصورت تھا۔ وجیہ تھا۔ تمام دوشیزہ حور وش

لڑکیاں اور پری جمال نہیں اُسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگیں۔ گویا وہ ایک ایسی نعمت تھی۔ جواب سے پہلے اُنھوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ سب اُسے ایسی پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ جن سے واضح ہوتا تھا کہ وہ سب اس پر فریفتہ ہو گئی ہیں۔ اور اُسے حاصل کرنے کی تمنا رکھتی ہیں۔"

اس وقت ننوں کو افسوس ہوا کہ وہ کیوں پچھلی صف میں کھڑی کی گئیں۔"

قیس نے کھڑے ہو کر کہا۔ "برادر۔ جس شخص کے دل میں کفر کی بیماری تھی وہ مرتد ہو گیا۔ خواہ اُسے حسن کی کشش کھینچ کر لے گئی ہو۔ یا سیم وزر کے لالچ نے ورغلایا ہو۔ لیکن اب ان مسلمانوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جسے دنیا کی دولت۔ عزوجاہ کی چاہت اور دوشیزہ حسین لڑکیوں کی الفت مرتد بنا سکے۔

سرورند۔ "شاید تم اپنے مسلمان بھائیوں سے ڈرتے ہو۔ میں کہتا ہوں۔ تم بالکل خوف نہ کرو۔ ہمیں معلوم ہے۔ کہ تمہارا یہ شرعی قانون ہے کہ جو شخص مرتد ہو جائے اُسے قتل کر ڈالو۔ لیکن مسلمان تمہیں قیامت تک نہیں پا سکتے۔ تم اُن کی ...."

قیس نے قطع کلام کر کے کہا۔ ہمیں مسلمانوں کا خوف نہیں ہے۔ البتہ مسلمانوں سے شرماتے ہیں۔ اور خدا کے خوف سے ڈرتے ہیں۔

سرورند۔ "کس لیے؟ کیا تم عیسائی مذہب کو خدائی مذہب نہیں سمجھتے۔

قیس۔ بیشک عیسائی مذہب کبھی خدائی مذہب تھا۔ حضرت عیسیٰ جس مذہب کو لیکر آئے تھے وہ خدا کی توحید سکھاتا تھا۔ صرف ایک خدا کی عبادت کی تعلیم دیتا تھا۔ لیکن اب جو مذہب ہے..... وہ عیسائی مذہب سے

اتنا ہی دور ہے جتنا روشنی سے اندھیرا۔ تمنے ...... اگر تم نے نہیں، تو تمہارے بزرگوں نے اس مذہب میں بہت کچھ رد و بدل کر لیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے یہ کبھی نہیں کہا کہ ان کی والدہ حضرت مریم (نعوذ باللہ) خدا کی بیوی ہیں اور وہ خدا کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کی والدہ پر اتہام ہے۔ خود ان پر اتہام ہے خدا کی قسم قیامت کے روز حضرت عیسیٰ تمہارے امتی ہونے سے انکار کر دیں گے اس وقت ...."

سردرند نے قطع کلام کر کے کہا: "نوجوان عرب! تمہاری زبان کس قدر تیز چلتی ہے۔ میں معترف ہوں کہ تمہاری تقریر موثر ہوتی ہے۔ تم تقریر کر کے لوگوں کے جذبات کو برانگیختہ کر کے جو کچھ چاہو کرا سکتے ہو۔ لیکن تم نے اس پر بھی کبھی غور کیا۔ کہ اگر تم عیسائی نہ ہوئے۔ تو تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ میں بتائے دیتا ہوں۔ ہمارے ملک کی کونسل نے یہ طے کیا ہے۔ کہ اول تمہیں عیسائی ہونے کی دعوت دی جائے۔ اگر تم عیسائی ہو جاؤ۔ تو تمہارے لئے ہر وہ چیز مہیا کی جائے جس کی تم خواہش کرو اور اگر تم عیسائی ہونے سے انکار کرو۔ تو ....

قیس نے قطع کلام کر کے کہا: "فوراً قتل کر دیئے جائیں۔"

سردرند۔ یہی بات ہے۔

قیس۔ ہم یہی چاہتے ہیں۔ ہم عیسائی ہونے سے مر جانا بہتر سمجھتے ہیں

سردرند۔ خوب سوچ سمجھ لو۔

قیس۔ اچھی طرح سوچ سمجھ لیا ہے۔

سردرند نے اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر دریافت کیا: "کیا تم سب بھی اس نوجوان کی رائے سے متفق ہو؟"

ضرار نے جواب دیا: "بالکل متفق ہیں۔ تم ...... تم نے جو کچھ ہمارے لئے تجویز کیا ہے۔ کر دو۔ خدا اس روز کے لئے ہمیں زندہ نہ رکھے۔ جب ہم عیسائی

ہوں۔"

سردرند نے نہایت حلم اور بردباری کے لہجہ میں کہا۔" مجھے تم پر افسوس آتا ہے۔ تم دولت، ثروت، حکومت اور حسن زادی کی صحبت سے گریز کرتے ہو حالانکہ دنیا میں حسن اور دولت ہی کی حکومت ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں جو ان دونوں کو نہ چاہتا ہو۔ لیکن تم........"

قیس نے قطع کلام کرتے کہا۔ ہم.......... ہاں ہم ان دونوں کو کچھ زیادہ پسند نہیں کرتے۔ کیا تم کہہ سکتے ہو۔ کہ یہ دونوں لازوال ہیں؟

سردرند۔ لازوال صرف ایک ذات باری ہے۔

قیس۔ پھر چند روزہ زندگی میں زوال پذیر چیزوں کی وجہ سے خدا کا غضب مول لینا کونسی دانشمندی ہے؟۔

سردرند۔ میں پہلے ہی کہتا تھا کہ تم اچھے مقرر ہو۔ خیر تمہاری مرضی۔ اب تم موت کا انتظار کرو۔

اب سردرند ہرقل اعظم کی طرف مخاطب ہوا۔ اس نے دریافت کیا کہ کیا ان لوگوں کو مقتل میں پہنچایا جائے؟

اسقف اعظم نے کہا۔" میرے خیال میں ابھی نہیں۔ آج جو منظر انہوں نے دیکھا ہے اس سے ان کے دل ضرور متاثر ہوئے ہیں۔ انہیں غور کرنے کے لئے ایک ہفتہ کی مہلت دی جائے۔ اور پھر یہی منظر اور یہی سامان ان کے سامنے پیش کیا جائے۔ اگر اس وقت بھی یہ انکار کریں اور اپنی شومیٔ قسمت سے عیسائی نہ ہوں۔ تو ضرور انہیں قتل کر ڈالا جائے۔

سردرند نے ہرقل اعظم کی طرف دیکھا۔ ہرقل اعظم نے کہا۔ یہی رائے مناسب ہے۔"

سردرند نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ مسلمانو! شکر کرو تم اسقف اعظم

کا شکر کرو۔ ان کے حکم سے تمہیں ایک ہفتہ کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس ایک ہفتہ میں تم اچھی طرح غور کر لو۔ خوب سوچ لو۔ اگر تم عیسائی ہو گئے۔ تو جو کچھ تم سے کہا گیا ہے۔ تمہارے لئے مہیا کیا جائے گا۔ اور اگر تم نے انکار کیا۔ تو تمہیں بلا شبہ قتل کر ڈالا جائیگا۔

قیس نے کہا کوئی نہیں جانتا۔ کہ کل کیا پیش آئے؟ رہا غور و خوض کرنا۔ اگر ہم سو برس زندہ رہیں اور سو برس کے بعد بھی تم دریافت کرو تو ہم یہی کہیں گے۔ جواب کہا ہے

ہرقل اعظم نے یوقنا کو اشارہ کیا۔ یوقنا اُٹھ کر قیدیوں کے پاس آیا اس نے ان سے باہر چلنے کے لئے کہا۔ وہ اُٹھ کھڑے ہوے۔ قیس نے حسرت آمیز نظر عذرا پر ڈالی۔ عذرا کا چہرہ اس وقت تک تو شگفتہ رہا جبتک یہ قیدی بیٹھے رہے۔ اور قیس گفتگو کرتا رہا۔ وہ روح پرور تبسم کے ساتھ محبت بھری نظروں سے قیس کو ٹکٹکی لگائے دیکھتی رہی۔ لیکن جب قیدی اُٹھ کھڑے ہوے تو اس کا چہرہ اتر گیا۔ وہ اداس ہو گئی اور اس کی نرگسی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور جب اس کی آنکھیں قیس کی حسرت بھری نظروں سے چار ہوئیں۔ تو بے ساختہ اُسکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے ایسی حسرت اور مایوس کن نظروں سے قیس کو دیکھا کہ قیس کا دل ہل گیا۔ اور وہ تڑپ گیا اور اُس کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کے قطرے ٹپکنے لگے۔ لیکن وہ فوراً سنبھلا۔ اس نے ضبط کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح عذرا سے دو باتیں کرے۔ مگر اس کا موقع نہیں تھا۔ بیکسی اور بے بسی نے اُسے مجبور کر رکھا تھا۔

اب قیدی واپس چل پڑے تھے۔ قیس بھی عذرا کو حسرت اور افسوس بھری نظروں سے دیکھتا ہوا چل پڑا۔ عذرا نے ہاتھ کے اشارہ سے اسے سلام کیا۔ اس نے بھی اشارۂ سلام کا جواب دیا۔ مگر عذرا کی

اس حرکت نے اُسے اور بھی مضطر کر دیا۔ اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے منہ کو سنبھالتا ہوا روانہ ہو گیا۔ آہستہ آہستہ تمام قیدی کمرہ سے باہر چلے گئے

جب سب قیدی جا چکے۔ تو ہرقل اعظم اُٹھا۔ اُس کے اُٹھتے ہی تمام رومی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اسقف اعظم بھی اُٹھا۔ یہ سب آہستہ آہستہ چل کر کمرہ سے نکلے اور دوسرے کمروں کو عبور کر کے گرجے سے باہر آئے۔ مسلمان قیدی ابھی تک آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔ وہ احاطہ کے دروازہ کے قریب پہنچ گئے تھے۔ جب ہرقل گرجے سے برآمد ہوا۔ تو وہ احاطہ کا دروازہ عبور کر کے باہر چلے گئے۔

ہرقل مع اپنے ہمراہیوں کے آہستہ آہستہ چل کر احاطہ کے دروازہ سے باہر نکلا۔ یہاں ابھی تک خلقت کا اژدحام تھا۔ اپنے شہنشاہ کو دیکھتے ہی تمام رومی سجدہ میں گر پڑے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد سب اُٹھ کر ادب سے کھڑے ہو گئے۔ ہرقل اعظم کے سامنے گھوڑا پیش کیا گیا۔ ابھی اس نے ایک پیر رکاب میں رکھا ہی تھا۔ کہ چند سوار گھوڑے دوڑاتے آتے ہوئے نظر آئے۔ ہرقل اعظم نے ایک ہاتھ میں گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی۔ دوسرا ہاتھ زین پر رکھا تھا اور ایک پیر رکاب میں تھا۔ وہ آنے والے سواروں کو دیکھ کر اسی طرح کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ ایک نامعلوم خوف سے اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اُسے گھوڑے پر سوار ہونے کی جرأت ہی نہ ہوئی ہاتھ پیروں کا ست سا نکل گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں سوار قریب آ گئے۔ یہ نہایت بدحواس اور پریشان تھے۔ ان کے چہرے غمزدہ اور لب خشک ہو رہے تھے۔ وہ ہرقل اعظم کے قریب آتے ہی اپنے اپنے گھوڑوں سے کود کر سجدہ میں گر پڑے سجدہ کر کے فوراً اُٹھے۔

ہرقل اعظم نے ان سے دریافت کیا۔ تم لوگ کہاں سے اس قدر

بدحواس بھاگے چلے آرہے ہو؟

ان آنے والوں میں سے ایک نے کہا، عالیجاہا! ہم لوہے کے پل کی حفاظت کے لیے متعین تھے۔

ہرقل اعظم کے چہرہ سے خوف و ہراس مترشح تھے۔ اس نے جلدی سے قطع کلام کر کے کہا "کیا کوئی اور رومی لشکر عیسائیوں کی مدد کے لیے آرہا ہے؟

وہی رومی۔ حضور والا۔ نہیں۔ بلکہ۔۔۔۔۔

اب ہرقل اعظم اور اس کے تمام ہمراہیوں کے دلوں میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ وہ چاہتے تھے۔ کہ انہیں جلد سے جلد تمام واقعات پر عبور حاصل ہو جائے۔ ہرقل اعظم نے قطع کلام کر کے کہا۔

"چبا چبا کر باتیں نہ کرو۔ جلد بتاؤ کیا ہوا؟

وہی رومی۔ حضور انور! لوہے کے پل پر مسلمانوں کا لشکر آگیا۔

اس خبر نے تمام رومیوں میں اضطراب پیدا کر دیا۔ ہرقل اعظم بھی سخت مضطرب ہوا۔ اس نے جلدی سے دریافت کیا۔ پھر تم نے مسلمانوں کو مار بھگایا۔ مجھے تم سے ایسی ہی توقع تھی"

وہی رومی۔ عالیجاہا! یہ نہیں ہوا۔ بلکہ۔۔۔۔۔

ہرقل اعظم نے قطع کلام کر کے کہا؛ بلکہ تم نے انہیں لوہے کے پل کے دوسری طرف رد کر دیا"

وہی رومی۔ غریب نواز۔ یہ بھی نہیں ہوا۔

ہرقل اعظم پر خوف طاری ہونے لگا۔ اس کے لب خشک ہو گئے اس نے پوچھا۔ پھر کیا ہوا؟

وہی رومی۔ شومئ قسمت سے مسلمانوں نے لوہے کے پل پر قبضہ کر لیا